نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

نعت رنگ

شمارہ ۹

مارچ ۲۰۰۰ء

مرتب

سید صبیح الدین رحمانی

مجلس منتظمہ

صاحب زادہ انور جمال بدخشانی

شاہ محمد تبریزی، عاطف معین قاسمی

عدیل قاسمی

مجلس مشاورت

رشید وارثی، عزیز احسن، آفتاب کریمی

نور احمد میرٹھی، سید معراج جامی

بیرون ملک نمائندے

واصل عثمانی : سعودی عرب

رئیس وارثی : امریکا

سید علی مرتضیٰ رضوی : برطانیہ

ہندوستان میں

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (کل گاؤں)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

ساجد صدیقی لکھنوی (لکھنؤ)

ندیم صدیقی (ممبئی)

اس شمارے کی قیمت

پاکستان : ۱۰۰ روپے

بیرون ملک

(بذریعہ ایئر میل)

سعودی عرب : 25 ریال

یو اے ای : 30 درہم

امریکا : 8 ڈالر

برطانیہ : 5 پاؤنڈ

سرورق پر

دروازۂ مسجد نبوی شریف

ناشر

اقلیم نعت

CONTACT :

E-25, Phase-V, T&T Flats,
Shadman Town-II,
North Karachi-75850
Pakistan.
Tel : (92-21) 6901212
Fax : (92-21) 4941723
Email : naatrang@yahoo.com

مرتب و ناشر صبیح رحمانی نے فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ سے چھپوا کر مرکزی دفتر اقلیم نعت ۲۵-ای، ٹی اینڈ ٹی فلیٹس، فیز ۵، شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ سے شائع کیا

برائے ایصال ثواب محمد قاسم مرزا (مرحوم)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

ڈاکٹر ریاض مجید

اور

ڈاکٹر عاصی کرنالی

کی نعت شناسی کے نام

نامور ادیب علی اکبر رضوی کی قابل ذکر تصانیف

(۱) "کوہِ قاف کے اُس پار"	روسی شکست و ریخت کے بعد اسلامی حکومتوں کے نشاۃ ثانیہ کے پس منظر میں لکھے جانے والے اوّلین سفرناموں میں سے ایک۔
(۲) "سرزمینِ انقلاب"	ایران کے اسلامی انقلاب کے پس منظر میں لکھا جانے والا سفرنامہ۔
(۳) "ارض جلال و جمال"	شہر جلالِ الٰہی اور دیارِ محمدیؐ کی عہد بہ عہد تاریخ کے پس منظر میں رواں، سادہ، دلچسپ اور دلنشین اندازِ بیان کا حامل سفرنامہ، مقاماتِ مقدسہ کی ۸۰ رنگین تصاویر کے ساتھ۔
(۴) "حدیثِ عشق"	شام و ترکی کی زیارت گاہوں کی نادر و نایاب تصاویر سے مزین ایک دلچسپ سفرنامہ۔

کے بعد

زیرِ طبع

"بھارت میں چار ہفتے"

اور

زیرِ طبع

"تاریخ اسلام کا سفر"

(حضرت آدم علیہ السلام کے وُرودِ ارضی سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حالاتِ زندگی، خالق کائنات، خلقتِ کائنات اور ارتقاء کائنات پر سیر حاصل بحث)

ملنے کے پتے

ادارۂ ترویج علوم اسلامیہ	جاوداں لیزر کمپوزرس
B-81، کے ڈی اے، 1-A	28-H، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی
کراچی 75350	فون: 6683213 - 6685975

دھنک

حمد	اسلم انصاری	۹
ابتدائیہ	صبیح رحمانی	۱۱

مقالات و مضامین

غزل میں نعت کی جلوہ گری،	ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی	۱۳
اردو نعتیہ شاعری میں شمائل النبی ﷺ	ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط	۵۱
اردو حمد و نعت کی روایت کے چند اساسی محرکات اور اُن کے فروغ کی عملی صورتیں	ڈاکٹر عاصی کرنالی	۶۵
نعت گوئی کا تصور انسان اور مولانا کوکب نورانی	جمال پانی پتی	۸۷

حریم حرف

گوشۂ سلیم کوثر	سلیم کوثر	۹۵

فکر و فن

شورش کاشمیری اور نعت گوئی	ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری	۱۰۶
حفیظ تائب کی نعت گوئی وہی یٰسین وہی طٰہٰ کے حوالے سے	اسلوب احمد انصاری	۱۳۲

مطالعات نعت

شعراء الرسول... ایک تعارف — ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی — ۱۳۶

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری ایک تحقیقی جائزہ — پروفیسر آفاق صدیقی — ۱۶۹

حاصل مطالعہ — حنیف اسعدی، عزیز احسن، منصور ملتانی — ۱۷۴

یادنگاری

ادب و نعت کا سراج روشن — پروفیسر حفیظ تائب — ۲۰۹

آہ... حافظ لدھیانوی — پروفیسر محمد اقبال جاوید — ۲۱۳

قدوۃ الناعتین حافظ لدھیانوی مرحوم — پروفیسر شبیر احمد قادری — ۲۱۷

خصوصی مطالعہ

تمنائے حضوری (نظم) — ریاض حسین چودھری — ۲۲۵

نعتیں

۲۳۵

حفیظ تائب (لاہور)، حنیف اسعدی (کراچی)، محمد اسلم فرخی (کراچی)، عاصی کرنالی (ملتان)، سرشار صدیقی (کراچی)، واصل عثمانی (دمام)، سحر انصاری (کراچی)، عزیز احسن (کراچی)، افضال احمد انور (فیصل آباد)، اقبال حیدر (کراچی)

خطوط

۲۴۶

ڈاکٹر جمیل جالبی (کراچی)، ڈاکٹر نجم الاسلام (حیدر آباد)، محمد عبدالحکیم شرف قادری (کراچی)، مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد (فتح پور، بھارت)، مولانا ملک الظفر سہسرامی (سہسرام، بھارت)، احمد صغیر صدیقی (کراچی)

اسلم انصاری (ملتان)

ترا اسم ہے مری زندگی

(حمدیہ)

میں رہینِ موج و کنار تھا
تری آرزو نے گہر کیا
میں سکوتِ شاخِ خیال تھا
مجھے حرف حرف ثمر کیا
مری نارسائی کے درد کو
ہمہ تن متاعِ ہنر کیا
مرے ساز و برگ شعور کو
غمِ احترامِ بشر کیا ....
میں نوائے شامِ فراق تھا
مجھے بہرہ یابِ اثر کیا
میں سرودِ حرفِ وداع تھا
مجھے وصلِ نقش و نظر کیا

مرا ظرف تھا مری تشنگی
مجھے اپنی یاد سے بھر دیا
میں نہاں تھا خوابِ نمود میں
مجھے اعتبارِ سحر دیا

میں رواں تھا دشتِ سراب میں
مجھے مدّعائے سفر دیا
میں خزاں میں شوقِ بہار تھا
مجھے منظرِ گُلِ تر دیا
میں سوادِ شہرِ غبار تھا
مجھے حُسنِ کوچہ و در دیا

ترا اسم ہے مری زندگی
مجھے اذن دے کہ رقم کروں
جو ہے شاخ شاخ میں مُنتشر
اسے برگ برگ بہم کروں
جو صدف میں ہے مضطرب
اسے صرفِ لوح و قلم کروں
دل و جاں کے سارے خروش کو
کسی حرفِ شوق میں ضم کروں

ترا اسم ہے مری زندگی
مجھے اذن دے کہ رقم کروں

ابتدائیہ

ادب کی ناقدری کی آوازوں کے درمیان نعت نگاروں کے اس گلے کی گونج بھی کافی عرصہ سے سنائی دے رہی ہے کہ نعت کی کتابوں کی اشاعت کے مسائل کے ساتھ ساتھ ان کی نکاسی کا مسئلہ بھی روز بروز گھمبیر ہوتا جارہا ہے یہی وجہ ہے کہ عام ادبی کتابوں کی طرح اب نعتیہ مجموعوں کی اشاعت کیلئے بھی کئی مرتبہ سوچنا پڑتا ہے اور اگر شائع کیا بھی جاتا ہے تو اتنی مختصر تعداد میں کہ صرف احباب میں اعزازی تقسیم کیا جاسکے۔

بلاشبہ نعتیہ مجموعوں کی اشاعت اور ان کی نکاسی ایک توجہ طلب مسئلہ ہے لیکن کیا صرف یہ مسائل نعتیہ مجموعوں کے ساتھ ہی ہیں یا عام ادبی کتب کی مجموعی صورتحال یہی ہے؟ کیا غزل کے تمام مجموعے، افسانے، تنقید اور تحقیق کی تمام کتابیں فروخت ہو رہی ہیں؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے یہ ایک الگ اور تفصیل طلب بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ نعت کے شائقین کی اتنی بڑی تعداد میں موجودگی کے باوجود نعتیہ کتب کی خریداری سے عدم دلچسپی اور بے اعتنائی کی شکایت کیوں؟

قصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں نعت کو شروع ہی سے سماع کی چیز قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں نعت کو ذوق و شوق سے سننے والے اور اس کی سماعت سے اپنے قلوب واذہان کو جلا بخشنے والے لاکھوں افراد موجود ہیں لیکن نعت کی کتابیں یا نعتیہ مجموعے پڑھنے والوں کی تعداد بہت مختصر ہے۔ یہ لمحہ فکریہ ہے جس پر نعت کے فروغ کیلئے کام کرنے والوں کو فوری توجہ کرنی چاہئے۔ الحمدللہ صرف ہمارے ملک ہی میں ایک محتاط اندازے کے مطابق ایسے اداروں کی تعداد کم و بیش دو لاکھ کے قریب ہے جو جلسہ ہائے میلادالنبی ﷺ کے انعقاد اور ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فروغ ہی کے لئے وجود میں آئیں ہیں تاکہ عوام الناس کے دلوں میں تذکار رسول ﷺ کے ذریعے عشق کی شمعیں روشن کر کے انہیں عملی طور پر اسلامی معاشرے کی صورت گری کی طرف متوجہ کیا جائے اور اس عشق کو ایک قوت بنا کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بھی کوشش کی جائے۔ ان نیک مقاصد کے لئے ہم سب نعت کو موثر ترین ذریعہ تبلیغ قرار دیتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اس کام کو مزید وسعت دینے کے امکانات پر غور نہیں کرتے۔ ہم عشق رسول ﷺ کی اس دولت (نعت) کو تحریری شکل میں اپنی آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے سے کیوں غفلت برت رہے ہیں۔ میرا مقصد شکایت نہیں صرف توجہ دلانا ہے کہ اگر ہمارے یہ محترم ادارے سیرت و نعت کی کتب کی اشاعت اور خریداری پر توجہ کریں تو

ہم اپنے اس مشترکہ مشن کو اور زیادہ تیز کر سکتے ہیں جس کے لئے ہم رات دن مصروف عمل ہیں۔ ہر سال ہم میلادالنبی ﷺ کے موقع پر مختلف جلسوں اور محافل نعت کے انعقاد پر لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں اگر ان اخراجات میں سے کچھ رقم کسی نثری کتاب یا نعتیہ مجموعے کی اشاعت پر خرچ کی جائے یا کسی شائع شدہ مجموعہ نعت کو خرید کر اپنے مہمانوں اور حاضرین محفل کی خدمت میں تحفتاً پیش کرنے کی روایت قائم کر لی جائے تو یہ تمام مسائل ختم ہو سکتے ہیں۔ گھر گھر میں حضور ﷺ کی سیرت مطہرہ کے تذکار اور توصیف پر مشتمل کتب کی موجودگی سے تمام اہل خانہ مستفید ہو سکتے ہیں اور ہمارے سیرت و نعت نگار بھی اس پذیرائی پر مزید جذبے، ولولے اور لگن سے اپنی تخلیقی صلاحیتیں اپنے کاموں پر صرف کر سکیں گے۔ ان عظیم الشان محافل کی یاد بھی اس تحفے کی بدولت عوام کے دلوں میں تازہ رہے گی اور سب سے اہم بات یہ کہ نعت صرف سماع کی چیز نہیں رہے گی بلکہ اس کے مطالعے کا ذوق بھی فروغ پائے گا۔ رب کریم ہمیں سیرت و نعت کی اس حقیقی خدمت کی جانب متوجہ فرمائے۔ آمین

زیر نظر شمارہ نعت رنگ کا نواں شمارہ ہے۔ یہ شمارہ بھی اسی جستجو، اسی لگن اور اسی تمنا کا اظہار ہے جس کا گذشتہ شمارے تھے یعنی نعت کا ادبی فروغ۔ اُمید ہے شائقین نعت اور وابستگان ادب ہمارے اس شمارے کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔

گذشتہ دنوں نعت کے کئی اہم شاعر ہم سے جدا ہو گئے ان میں حافظ لدھیانوی ایک بہت بڑا نام ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے کام کی ہمہ گیری کی وجہ سے یاد رکھے جائیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی خدمات کا اعتراف بڑے پیمانے پر ہونا چاہیے لیکن ہم نعت رنگ کی اشاعت میں مزید تاخیر کے خوف کے باعث یادنگاری کے عنوان سے چند ایسے مضامین پیش کر رہے ہیں جو ان کی شخصیت، کارناموں اور کام کی تفصیل سے قارئین کو کم از کم متعارف ضرور کرا سکیں گے۔ صائم چشتی نعت کے ایک مقبول شاعر کی حیثیت سے خاصے متعارف تھے انہوں نے کئی علمی و دینی کتابیں لکھیں اور ان کے کئی نعتیہ مجموعے بھی شائع ہوئے۔ شریف الدین نیر ایک بزرگ نعت گو اور نعت خواں کی حیثیت سے خوب شہرت رکھتے تھے۔ کچھ عرصے پہلے ان کا ایک نعتیہ مجموعہ بھی شائع ہوا۔ آصف مظہر حسین ایک نعت خواں کی حیثیت سے دنیائے نعت میں متعارف ہوئے تاہم بعد میں انہیں ایک اچھے ناظم محفل کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا تھا۔ ان اصحاب کی یاد مدتوں دل کا زخم رہے گی۔ اللہ رب العزت ان خادم نعت کی مغفرت فرمائے۔ آمین

صبیح رحمانی

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی
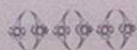
غزل میں نعت کی جلوہ گری

نعت پر اپنے مضامین میں، میں نے اکثر یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ جب بھی شاعر محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد اور نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اکثر تو شاعر کو خود بھی اپنے اس سفر کی خبر نہیں ہوتی۔ ایک بار حضرت احسان دانش نے اپنا یہ شعر سنایا

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں
ترا نقش کف پا ڈھونڈنے کو

شعر سن کر میں نے بے ساختہ کہا کہ "نعت کا کیسا اچھا شعر ہے" مرحوم نے فرمایا کہ "میں نے تو یہ شعر نعت میں نہیں کہا ہے۔" میں نے عرض کیا کہ "تخلیق ایک بے حد پیچیدہ اور طلسماتی عمل ہے۔ ضروری نہیں کہ فن کار کو تخلیق کے ہنگام اپنے عمل کے تمام محرکات و عوامل کا علم اور شعور ہو۔ تخلیق میں تو ہمارا پورا وجود شامل ہوتا ہے۔ شعور بھی اور لاشعور بھی۔ یہی نہیں بلکہ ہمارا معاشرتی اور اجتماعی شعور بھی اس عمل میں شامل ہوتا ہے۔" پھر بات کا رخ کسی اور طرف مڑ گیا۔ خاصی دیر کے بعد احسان دانش مرحوم چونکے، میری طرف مڑے اور کہنے لگے "تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

ماضی کی طرح آج بھی زیادہ تر نعتیں غزل کی صنف اور ہیئت میں کہی جا رہی ہیں۔ اس کے اسباب پر بھی راقم الحروف گفتگو کر چکا ہے۔ میری معروضات نعت رنگ کے شماروں اور مختلف نعتیہ مجموعوں پر میرے مقدمات اور پیش لفظ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ ایک وجہ تو غزل کی ایمائیت اور اشاریت بھی ہے جو حرف دل کی ادائیگی کے لئے اسالیب تراشی ہے۔ غزل کو اردو شاعری کی "آبرو" کہا گیا ہے۔ غزل کو "حیات و کائنات کا ہمہ گیر اور کل شناس آئینہ" قرار دیا گیا ہے۔ ذرا سا تامل کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ غزل کی تفہیم کے لیے نہایت تربیت یافتہ اور مہذب ذہن درکار ہے اور دوسری طرف غزل اپنی پہلی اور اولین سطح پر ہر پڑھنے والے کے لیے کچھ نہ کچھ معانی اور مفہوم رکھتی ہے۔ یہ وہ در ہے جہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔

اچھی غزل ایک اکائی اور وحدت ہوتی ہے۔ آپ غالب کی کسی غزل کو لے لیجیے، اور بات صرف غالب تک محدود نہیں ہے، کسی بھی بڑے یا اچھے شاعر کی غزل کو لے لیجیے اور اس کے اشعار کی ترتیب بدل

دیجیئے یقیناً غزل کی وحدت متاثر ہوگی اور یہ اکائی ٹوٹ جائے گی یا مجروح ہوگی۔ پھر غزل کی اس گیرائی اور گرفت کو کیا نام دیا جائے کہ اس کا ہر شعر ایک اکائی اور وحدت ہوتا ہے۔ غزل کے ایک شعر میں بڑے تجربے یوں سمٹ آتے ہیں جس طرح آسمان آنکھ کی پتلی میں سما جاتا ہے۔ آنکھ اور آسمان کے استعارے کو بدلنا چاہیں تو یوں کہہ لیں

سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

نبی اکرم ﷺ سے مسلمان کا رشتہ بہت سادہ، بہت پیچیدہ، بہت ہمہ جہت ہے۔ وہ ہمہ جہت رشتہ جو زندگی کی واحد جہت بن جاتا ہے۔ روح کی وادیوں میں آپ کا نام گونجتا رہتا ہے۔ کبھی صلوٰۃ و سلام میں، درود کے تسلسل میں، کبھی اسم گرامی خود ہی درود بن جاتا ہے۔ غزل کے اشعار ایک وحدت ہونے کی وجہ سے ذات کی پہنائیوں میں بھی اپنے آپ کو دہراتے ہیں اور خلوت و جلوت میں ہونٹوں پر آجاتے ہیں۔ کبھی آدمی اپنے آپ کو شعر سناتا ہے اور کبھی محفلِ یاراں میں اپنے تجربے اور اپنی کیفیت میں دوسروں کو شریک بناتا ہے۔

رکھتے ہوئے قدم مری آنکھوں پہ کیوں دریغ　　رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں
(غالب)

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے　　سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے
(غالب)

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ　　تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی
(اقبال)

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد　　ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
(حسرت موہانی)

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک　　ہر حرفِ تمنا ترے قدموں کی صدا ہے
(فیض)

اس دل میں رہ چکی ہے تمنا گناہ کی　　یہ دل ترے خیال کے قابل نہیں رہا
(جمیل نقوی)

اوپر جو شعر درج کیے گئے ہیں ان میں حضرت ختم المرسلین ﷺ کا کوئی نام استعمال نہیں کیا گیا ہے لیکن معنوی قرائن، لامحدود کی طرف سفر، شعر کا خیال اور شاعر سے ہماری واقفیت ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کہ یہ نعت کے شعر ہیں۔ "ورق تمام ہوا" ____ غالب نے یہ شعر تجمل حسین خاں کے لیے اپنی مدحیہ غزل میں کہا تھا مگر یہ ملبوسِ شعری، خاں صاحب کے قد سے کہیں بڑا تھا، اور یوں زبانِ خلق نے اس

شعر کو نعت کا شعر بنایا۔ اسی غزل کا ایک اور شعر تو آپ نے ذکر رسول اعظم ﷺ کی محفلوں میں اکثر مقررین کی زبانی سنا ہو گا

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

بچارے تجمل حسین خاں اس شعر کا مصداق کب ہو سکتے تھے، اسی لئے ہمارے اجتماعی ذوقِ شعری نے اس شعر کو خراج عقیدت کا وسیلہ اور ذریعہ بنا کر سرکار دو عالم کی بارگاہ عالیہ میں پہنچا دیا۔ احسان دانش مرحوم کے شعر اور گفتگو کے حوالے سے یہ بات پیش کی جا چکی ہے کہ شاعر جو کچھ کہتا ہے خود اس پر اس کے مکمل معانی منکشف نہیں ہوتے۔ اقبالؔ کا شعر "تو مری رات کو" یقیناً نعت کا شعر ہے کیونکہ ساقی کی علامت اقبالؔ نے بہت سے مقامات پر محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے استعمال کی ہے۔ اقبالؔ نے کہیں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک دین عطا کیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ملت بنایا ہے۔ وہ مے خانۂ ملت کے ساقی ہیں۔ حسرت موہانی کے مزاج، ان کی شخصیت اور حب نبی ﷺ سے واقف ہر شخص ان کے شعر کو نعت کا شعر قرار دے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لفظوں کے معانی کو بدل دیتی ہے (۱) ہم عام طور پر "عشق رسولؐ" کی ترکیب استعمال کرتے ہیں حالانکہ عشق کا لفظ قرآن میں کہیں استعمال نہیں کیا گیا ہے کیونکہ عشق میں جنوں کا پہلو بھی آجاتا ہے۔ مولانا حسرت نے جنوں کا لفظ شدید وابستگی کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

فیض صاحب کے شعر کے سلسلہ میں چند باتیں اور ایک واقعہ ــــ اس شعر کا اسلوب محدود سے لامحدود تک سفر کی بہترین مثال ہے۔ لفظوں کو ایسی لسانی فضا عطا کی گئی ہے کہ وہ حدود اور تنگیوں کو توڑ کر وسعتوں کی طرف پرواز کرتے نظر آتے ہیں۔

ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک

کوئی دنیوی محبوب ہوتا تو عاشق صرف اپنی راہ کو اس تک پہنچنے کی راہ قرار دیتا اور یہاں ہر راہ ــــ، حضور

---

(۱) الفاظ کے معانی میں تبدیلی کے کئی اور اسباب بھی ہیں بالخصوص جب کسی زبان کے الفاظ دوسری زبان میں استعمال ہونے لگتے ہیں تو ان کے معانی اور تلفظ بھی بدل جاتے ہیں۔ کئی اور لسانی تبدیلیاں بھی رونما ہوتی ہیں۔ اخبار عربی میں خبر کی جمع ہے مگر اردو میں واحد استعمال ہوتا ہے "اخبار آگیا"۔ پھر اردو میں خبر تو مونث ہے مگر اخبار مذکر۔ خواص اردو میں اپنے عربی معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر شاہی محل کی کنیز بھی خواص کہلاتی ہے۔ "محشر" اسم ظرف ہے، میدانِ حشر کے معنی میں، لیکن اردو میں محشر کا لفظ حشر کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں محبت اور عشق دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں لیکن محبت کو کم شدید اور ہلکی چیز سمجھا جاتا ہے اور عشق کو محبت کی قوی تر صورت قرار دے دیا گیا ہے۔ بے اعتدالی اور عدم توازن اور جنون کا پہلو اردو کے تصور عشق میں شامل نہیں، ویسے تو مرزا نے کہا ہے

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

ﷺ کے اُمتی اپنے اپنے کارِ حیات کو ان تک پہنچنے کا راستہ بنا لیتے ہیں۔ عالم اپنے علم کو، شاعر اپنے شعر کو، مجاہد اپنی تلوار کو، استاد اپنے درس کو، زاہد اپنے زہد کو اور حکام اپنے عدل کو انؐ کے طرزِ حیات سے وابستہ کر کے محبت کے قرینوں کو کامیابی اور وصالِ دوست کا راستہ بنا لیتے ہیں۔ (۲)

یہ اہلِ سیف و قلم، صاحبانِ جود و عطا

نقوشِ پا سے ہوئے کتنے کارواں پیدا

فیض صاحب کی زندگی اور ان کی شاعرانہ لغت میں مذہب کے گہرے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے جیل کے ساتھیوں کی شہادت موجود ہے کہ وہ ایامِ اسیری میں درسِ قرآن حکیم دیتے تھے۔ پھر یہ روایت کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اپنے آبائی وطن گئے اور وہاں نماز کی امامت کی۔ ان کی شاعرانہ لغت اور امیجری میں بھی مذہب اور اس کی روایات بہت نمایاں ہیں۔ "شورشِ زنجیر بسم اللہ"، "آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی"، "ترا دستِ عیسیٰ، تری یادِ روئے مریم" ایسے شاعر کے کلام میں مجھے کوئی نعت نظر نہ آئی اور پھر ہوا یوں کہ ٹیلی ویژن کے ایک مذاکرے میں، میں نے کہا کہ اُردو کے ہر بڑے شاعر کے کلام میں ہمیں نعت نظر آتی ہے۔ شعراء اپنے دیوان یا کلیات کا آغاز حمد و نعت کے اشعار سے کرتے تھے۔ آج بھی یہ دستور قائم ہے، لیکن عہدِ حاضر کے ایک بڑے اور اہم شاعر کے کلام میں ہمیں نعت کا جلوہ نظر نہیں آتا۔ شاید یہ بات اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح کہی گئی تھی کہ سننے والوں کا ذہن فیض صاحب کی طرف منتقل ہو جاتا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد بہن ہاجرہ مسرور نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میں وقت پر پہنچ گیا۔ فیض صاحب پہلے سے موجود تھے، دوسرے مہمان ابھی نہیں آئے تھے۔ میں نے فیض صاحب کو سلام کیا، انہوں نے نہایت بے دلی سے جواب دیا۔ یہ وہ فیض صاحب نہیں تھے جن سے میں واقف تھا۔ کمرے میں ایک خاموشی طاری تھی۔ ذہن میں آیا کہ فیض صاحب ناراض ہیں۔ دل کا چور زبان پر آ گیا۔ میں نے کہا "فیض صاحب کیا بات ہے، آپ کچھ ناراض سے معلوم ہوتے ہیں۔" فیض صاحب نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور پھر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہنے لگے کہ جس ذاتِ گرامی کے حوالے سے آپ نے ٹیلی ویژن پر اپنے غصے یا دوسروں کی کوتاہی کا جس طرح اظہار کیا تھا، اس انداز کا اس ذات سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ کسی گنہ گار یا خطاکار کے کانوں میں جو بات کہنی چاہیے اس کو دنیا میں یوں پھیلانے کا خلقِ عظیم محمدی ﷺ سے کیا تعلق اور آپ تو ادب کے استاد ہیں۔ کیا آپ اپنے طالب علموں کو اس ہفت ہزار شیوہ سے متعارف نہیں کراتے جسے غزل کہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمدردی اور دلِ بیدار کے ساتھ میری غزلوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو نعت کے

---

(۲) اس خیال کی تفصیل مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "کاروانِ مدینہ" کے مضمون "امت کے وفود آقا کے حضور میں" میں ملاحظہ کیجیے۔

اشعار مل جاتے اور اس مختصر گفتگو کے بعد فیض صاحب نے اپنا یہ شعر پڑھا۔

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ

جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

اور شاید یہ فیض صاحب ہی کا فیضان نظر ہے کہ غزل کی ماہیت کا یہ پہلو مجھ پر روشن تر ہو گیا اور غالباً یہ مضمون اسی گفتگو کا نتیجہ ہے۔ (۳)

خاصے عرصے سے اس بات پر نعت کے نقاد گفتگو کر رہے ہیں کہ نعت کو غزل کی تنگنائے سے نکالا جائے۔ بعض صاحبان مختلف اصناف اور نئی اصناف (ہائیکو وغیرہ) کے استعمال میں نعت کی جدت کا سراغ لگا رہے ہیں۔ صورت کا نیا پن، کچھ دل آویزی تو رکھتا ہے مگر حقیقی جدت اور خلاقانہ صلاحیت کا تعلق تخیل اور فنی تازہ کاری سے ہے۔ اُردو غزل کا مطالعہ آپ پر اس حقیقت کو واضح کر دے گا کہ خلاقانہ عناصر کیا ہیں۔ ولی سے ناصر کاظمی تک غزل میں اسالیب اور تخیل کی کیسی موج سامانی، تنوع اور فنکار کی ذات کی نمود نظر آتی ہے۔

غزل صرف ایک صنف سخن نہیں ہے بلکہ وہ ہماری ثقافت کی مظہر ہے۔ اردو کے باغی شاعر میرا جی نے کہا تھا کہ ہماری ثقافت کی دو سدا سہاگنیں ہیں ایک تو غزل اور دوسرے دِلّی۔ دِلّی وہ جغرافیائی اکائی نہیں جو ہندوستان کا دار السلطنت ہے بلکہ وہ دیار جس کے حدود میں آج بھی مسجد قوۃ الاسلام کا مینار جنوبی ایشیا میں اسلام کی وراثت و عظمت کی گواہی دے رہا ہے، وہ دیار جو بائیس خواجاؤں کی چوکھٹ ہے اور جہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، قطب صاحب، حضرت چراغ دہلی، حضرت امیر خسروؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے اکابر آسودۂ خاک ہیں، جہاں غالب کا مزار اُردو کی زندگی کی شہادت دے رہا ہے۔ اقبالؔ نے کہا تھا

سوادِ رومۃ الکبریٰ میں دِلّی یاد آتی ہے

وہی تہذیبی اور ثقافتی، دِلّی کل بھی ہماری جاگیر تھی، آج بھی ہماری ملکیت ہے اور کل بھی ہماری عظمتوں کی گواہ رہے گی۔

دِلّی کے بارے میں اس جملۂ معترضہ کے لیے معذرت خواہوں۔ بات ہو رہی تھی غزل کی،

---

(۳) اس کے کئی سال بعد فیض صاحب کی کلیات "نسخہ ہائے وفا" شائع ہوئی۔ میں نے اس کا پہلا ایڈیشن خریدا۔ اس کے کئی برس بعد بلقیس کو کسی تقریب میں "نسخہ ہائے وفا" ہدیہ کے طور پر پیش کی گئی۔ جب بلقیس گھر آئیں اور ہم نے ریپر کھولا تو میں نے بے ساختہ کہا کہ یہ کلیات تو ہمارے پاس موجود ہے اور پھر آخری صفحہ دیکھا تو اس پر نعت موجود تھی۔

اے تو کہ ہست ہر دل محزوں سرائے تو   آوردہ ام سرائے دل از برائے تو

فیض صاحب کی دردمندی اور عوام دوستی اور غم گساری کا سرچشمہ وہی ذات اقدس تھی۔ ﷺ

از اشک تر ز دردِ غریباں ردائے تو

غزل ساغر و مینا کے اشاروں کے سہارے مشاہدہ حق کی گفتگو کا نام ہے۔ غزل کا کمال یہ ہے کہ اس کے شعر ہماری روزمرہ کی گفتگو کا جزو بن جاتے ہیں اور یوں ہماری گفتگو کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ذکر ہماری زندگی کا حصہ ہے اور غزل ہی اس ذکر کو جذباتی آہنگ عطا کرتی ہے۔ غزل ہماری زندگی کا زندہ حصہ اور عنصر ہے۔ غزل ہمارے جذبات کی تہذیب اور ترفع کا وسیلہ ہے۔

عظمت اللہ خاں، کلیم الدین احمد اور جوش ملیح آبادی نے غزل کو ان معیاروں سے پرکھنا چاہا جو غزل کے لیے وضع نہیں ہوئے ہیں۔ غزل کو غیر فطری صنف سخن قرار دینے والے جوش ملیح آبادی نے "یادوں کی برات" میں اپنے ماضی اور زندگی کو غزل کے اشعار کے ذریعے ہی دہرایا اور یاد کیا ہے۔ میرے موضوع "غزل میں نعت" کا تقاضا ہے کہ میں اس صنف کے امکانات پر بھی گفتگو کروں۔ حضور ﷺ ایک "خیالِ واحد" اور "ایک موضوع" کے طور پر ہماری زندگی اور یادوں میں نہیں آئے۔ وہ ہر خیال میں شامل ہیں، ہر جذبہ کا آہنگ اور ہر موضوع کا نمایاں پہلو ہیں۔ یوں صنف غزل ہی آپؐ کے ذکر کو ہمارے لئے وِرد اور وظیفہ بنانے کا فریضہ ادا کر سکتی ہے۔ اور کسی صنف میں یہ توانائی اور امکانات نہیں۔

غزل کی توانائی اور امکانات کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ قصیدہ، مسدس، مثنوی، نظم کی مختلف ہیئتوں، نظم معریٰ اور نظم آزاد کے ہوتے آج بھی غزل ہمارے ادب کی سب سے اہم اور سب سے مقبول صنف ہے اور ہمارے بہترین تخلیقی ذہنوں نے غزل کے ذریعہ اپنا اظہار کیا ہے۔ غزل کے کمالات میں سے ایک کمال یہ ہے کہ وہ نہایت گراں بار اور مشکل خیالات کو دل اور جذبہ کے آہنگ میں ڈھال کر عام آدمی کے احاطۂ تفہیم میں لے آتی ہے اور تعلیم یافتہ افراد کے لئے مشکل خیالات میں نشاط اور لطف پیدا کر دیتی ہے۔ غزل ایک طرزِ حیات اور ہماری جمالیاتی اور ثقافتی اقدار کا وسیلۂ اظہار ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا
(میر)

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقش پا پایا
(غالب)

محمدؐ بھی ترا، قرآن بھی، جبریل بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں، ترجماں تیرا ہے یا میرا
(اقبال)

گاہ مری نگاہِ تیز، چیر گئی دلِ وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں
(اقبال)

ان چند شعروں سے غزل کی دنیا کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بے حدود دنیا، پہنائیوں کی دنیا اور افق تا افق پھیلی ہوئی دنیا ____ ایسی صنف ہی نعت کے بارِ امانت کو اٹھا سکتی ہے۔ رشید احمد صدیقی مرحوم نے مولانا

سید ابو الحسن علی ندوی کی کتاب "نقوش اقبال" کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے

"نعت گوئی اتنا ہی مشکل اور معظم فن اور عبادت ہے جتنی عظیم و مکرم وہ شخصیت ہے جس کے طفیل یہ وجود میں آئی...... یہ وہ عظیم شاعری ہے جو صحف سماوی کی مانند لازوال ہوتی ہے، اس لیے کہ انہی صحائف کی دی ہوئی اور انہی کی ترجمان ہوتی ہے۔ یہ شاعری مذہب کو تہذیب سے، تہذیب کو مذہب سے اور دونوں کو زندگی سے مربوط، مستحکم اور تازہ کار رکھتی ہے۔"

(نقوش اقبال، تیسرا ایڈیشن کراچی ۱۹۷۳ء، صفحات ۱۴ اور ۱۵)

رشید صاحب ہمارے نثری ادب کی آبرو ہیں، مگر اس بیان میں قدرے اور احتیاط کی ضرورت تھی۔ نعت اس عظیم و مکرم شخصیت کے ذکر اور مرتبہ کا پرتو ہے اور صحف سماوی کی جھلک نعت میں ملتی ہے اور اس کی یہ "لازوالیت" اسی ذکرِ مکرم کا صدقہ ہے، لیکن نعت کو صحف سماوی کی مانند لازوال کہنا نیت کی صداقت کے باوجود زیادتی ہے۔ ہاں رشید صاحب کے اس قول سے یہ بات ذہن میں آئی کہ غزل کے "ربط" کا صحف سماوی بالخصوص قرآن حکیم کے اثر سے رشتہ ہے۔ قرآن حکیم کا تسلسل اور ربط انسانی تصانیف سے یکسر مختلف ہے۔ ہر رکوع یا دو چار مسلسل رکوع ایک خطبۂ ربانی کا درجہ رکھتے ہیں اور ہر خطبہ کا رشتہ اپنے پہلے اور بعد کے خطبوں سے ہوتا ہے۔ الگ بھی اور ایک دوسرے سے وابستہ بھی۔ (میں تو یہ بھی عرض کروں گا کہ قرآنی سورتوں میں بھی یہ ربط ملتا ہے۔) غزل کے اشعار کے اس رشتہ کو "جذب باہمی" کا نام دیا جا سکتا ہے۔ آسمان پر چھلکے ہوئے ستارے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوئے بھی "بزم انجم" کی تشکیل کرتے ہیں۔

ہیں ربط باہمی سے قائم نظام سارے

اور جب غزل کا ربط قرآن حکیم کے اثرات اور اسلوب کا نتیجہ ہے، تو غزل سے زیادہ اور کون سی صنف ذکر رسول مکرم و معظم کا بوجھ اٹھا سکتی ہے۔ اردو کے غزل گو شعراء کا دین اور اسلامی روایات و ثقافت سے جو رشتہ تھا اور ہے، اس کے پیش نظر ان اثرات سے انکار کرنے کے لیے جرات سے زیادہ جہالت درکار ہو گی۔

(۲)

غزل، مثنوی، قصیدہ اور دوسری اصناف میں جو نعتیں کہی گئی ہیں انہیں عام طور پر نعت کا نام دیا گیا ہے۔ (مثنوی یا قصیدہ وغیرہ کا نہیں) اصنافِ سخن کی تقسیم ہیئت کے اعتبار سے بھی کی گئی ہے اور موضوع کے لحاظ سے بھی۔ عشقیہ شاعری کے اعلیٰ نمونے غزل کے علاوہ مثنوی میں بھی ملتے ہیں۔ مزاحیہ شاعری غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی اور دوسری اصناف میں کی گئی ہے۔ ان دونوں تقسیموں اور زمرہ بندی پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مطالعہ میں ہم اُن نعتوں کو شامل نہیں کریں گے جو غزل کے فارم میں لکھی گئیں اور شاعروں نے انہیں نعت کا عنوان دیا۔ حصول برکت کے لیے شعراء حمد اور نعت سے اپنے

مجموعوں کا آغاز کرتے تھے اور یہ رسم آج بھی جاری ہے۔ ہم اس کلام کا مطالعہ کریں گے جسے شاعروں نے غزل کے طور پر پیش کیا اور جس میں نعتیہ مضامین ملتے ہیں۔ ایسی غزلوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ بعض مکمل نعتیہ غزلیں ہیں اور بعض غزلوں میں حیات و کائنات کے دوسرے مضامین و موضوعات کے ساتھ سرورِ دنیا و دیںؐ کی ثناخوانی بھی کی گئی ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنی "مکمل نعتوں" کے لیے بھی غزل کی اصطلاح ہی استعمال کی ہے

بارگاہِ حضورؐ میں حسرت
کاش ہو جائے یہ غزل بھی قبول

حسرت نے اپنی زندگی کو خانوں میں تقسیم نہیں کیا تھا۔ انہوں نے تضادات کو اپنی قوتِ کردار سے ایک وحدت بنا دیا تھا۔ اپنی طبیعت کو انہوں نے "اک طرفہ تماشا" کہا تھا، مگر سچ یہ ہے کہ وہ انسانی ذات کی قوت کی علامت تھے۔ غزل سے ان کا رشتہ اس شعر میں سمٹ آیا ہے

عشق حسرت کو ہے غزل کے سوا
نہ قصیدہ، نہ مثنوی کی ہوس

ہم غزل کے ان اشعار کو بھی آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جن کا موضوع ہمارے خیال میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی مدح و ثنا ہے، خواہ شاعر کو شعر کہتے وقت یہ خیال بھی نہ آیا ہو۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ تخلیقِ شعر ایک بے حد پیچیدہ اور طلسماتی عمل ہے۔

عہدِ حاضر کے کئی نمایاں اور صاحب طرز شاعروں نے غزل کے پیکر میں نہایت اعلیٰ نعتیں لکھی ہیں جو شعر و ادب کے کڑے سے کڑے معیار پر بھی پوری اُتریں گی، مگر وہ ہمارے دائرہ مطالعہ میں شامل نہیں۔ بہر حال دل چاہتا ہے کہ ایسی نعتوں کے چند شعر آپ کو سنا دیں۔

اس نام پہ دل دھڑکا، اب گھر میں کہاں ٹھہرے   ہم کو یہ اشارے بھی آوازِ اذاں ٹھہرے
سرکارؐ کے قدموں سے اُٹھ کر دلِ دیوانہ   جائے تو کہاں جائے ٹھہرے تو کہاں ٹھہرے
(سرشار صدیقی)

عناصر پاؤں دھرتے ہیں ادب سے   کوئی بتلائے یہ کس کی گلی ہے
یہ کس کا ذکر لب پر ہے کہ خوشبو   ذہن سے گفتگو کرنے لگی ہے
(رضی اختر شوق)

اس کی شاخوں پہ آکر زمانے کے موسم بسیرا کریں
اک شجر جس کے دامن کا سایہ بہت اور گھنیرا بہت

ایک آہٹ کی تحویل میں ہیں زمیں آسماں کی حدیں
ایک آواز دیتی ہے پہرا بہت اور گہرا بہت

(سلیم کوثر)

اور مطالعہ کا آغاز کرنے سے پہلے ایک بات اور ____ میں نے میر، غالب، اقبال، حسرت موہانی اور فیض کا انتخاب کیا ہے۔ میں نے اکثر یہ بات عرض کی ہے کہ اٹھارہویں صدی میر کی ہے، انیسویں صدی غالب کی اور بیسویں صدی اقبال کی ____ ان کے ساتھ ساتھ حسرت موہانی اور فیض کو چنا گیا ہے۔ اس انتخاب کی وجوہ بھی واضح ہیں۔ حسرت ہمارے "انتقالی شاعر" ہیں۔ انتقالی شاعر سے میری کیا مراد ہے!! اس کا جواب حسرت کی زبانی سنئے

غالب و مصحفی و میر و نسیم و مومن
طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

رنگینی نسیم ہے، سوز و گداز میر
حسرت ترے سخن پر ہے حسن سخن تمام

اور حسرت بیسویں صدی میں اردو غزل کے فروغ اور ارتقاء کے اسباب میں سے ہیں۔

فیض صاحب ہماری شعری روایات کے ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ نئی حسیت اور غزل کے ایک نئے عہد کا دیباچہ ہیں۔ فیض کے بعد کے شعراء کی نمائندگی کے لیے میں نے چند ایسے شعراء کا انتخاب کیا ہے جن کے ہاں مجھے لامحدود کی طرف سفر کرنے کا رجحان نظر آیا۔ سلیم کوثر کے ہاں شعر کا یہ رخ نمایاں ہے۔ قاسمی صاحب اور سراج الدین ظفر، فضل احمد کریم فضلی، صہبا اختر، عرش صدیقی کی مثالوں سے مقالہ کا یہ حصہ وقیع تر ہو گیا ہے۔

(۳)

میر تقی میر محض ایک شاعر نہیں بلکہ اردو غزل کی خود مختاری کا اعلان بھی ہیں۔ میر کی شاعری ان کی ذات کا بیان ہے۔ تصوف ان کے لیے محض حال نہیں تھا بلکہ ان کا اسلوب حیات تھا۔ "ذکر میر" سے ان کے خاندانی رجحانات، والد کے اثرات، بے نیازی اور اس "بے دماغی" و "بد دماغی" کا سراغ ملتا ہے جو توکل علی اللہ کی ایک شکل ہے۔ میر صاحب کے ہاں نعت کے بعض اشعار "راست اسلوب" میں ملتے ہیں جن میں غزل کی رمزیت اور اشاریت نہیں ہے مگر یہ شعر رسمی نہیں۔ میر شاعری کے حسن قبول کا سبب بھی مدح رسول کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے ایسے نعتیہ اشعار میں حضور ﷺ سے شخصی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

کیا میرؔ تجھ کو نامہ سیاہی کا فکر ہے
ختم رسلؐ سا شخص ہے ضامن نجات کا

اس شعر میں وہ رشتہ بھی سمٹ آیا ہے جو کسی بھی اُمتی کا اپنے رسول سے ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ میر کی فردیت بھی قائم ہے۔ پھر دوسرے مصرع میں "شخص" کا ایسا خلاقانہ استعمال کہ یہ لفظ لغت کی ساری تنگیوں کو توڑتا ہوا سرکارِ دوعالم ﷺ کی عظیم بشریت سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسن قبول کا   دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسولؐ کا
جن مردماں کو آنکھ دیا ہے خدا نے، وے   سرمہ کریں ہیں رہ کی تری خاک دھول کا

نعت کے لفظ کو میرؔ صاحب نے لغوی معنوں میں استعمال کیا ہے یعنی مدح و ثنا۔ یہاں نعت صنف سخن کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوئی ہے۔ اس سے یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ثنائے خواجہ، شاعری کا ایک حصہ اور جزو ہے۔ دوسرا شعر فارسی کے شعر کا عکس ہے "صاحب نظراں خواہد بود" لیکن نسبتِ سلطانِ مدینہ نے اس مضمون کی حدود کو اتباع سنت سے ملا دیا ہے۔ حضور ﷺ کے راستے کو اپنا راستہ بنانا اور اس راستے کی خاک کو اپنے لیے اندازِ نظر بنانا ہی صاحب نظر ہونے کی دلیل ہے۔ یہ شعر اقبال کے مشہور شعر کی یاد دلاتا ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

ہاں میر صاحب شرک فی النبوت کے مرتکب نہیں ہوئے۔ فارسی شعر کا ترجمہ بھی میر صاحب کے ہاں ملتا ہے۔ وہ بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ ان دونوں شعروں کے تقابل سے وہ نکتہ واضح تر ہو سکے گا جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔

آنکھ اس سے نہیں اُٹھنے کی صاحب نظروں کی
جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کفِ پا کا

انسان (آدم، انسانیت، آدمیت، مقام بندگی و مقام آدمی) میر صاحب کی شاعری کے مرکزی موضوعات میں سے ہے۔ اپنے آپ کو آدمی بنانا ہی ہماری معراج ہے۔ انسان کے ظہور سے پہلے، یہ عالم آب و خاک و باد، ہر مفہوم سے بے گانہ تھا۔ یہ کارگہ اسی لئے ایجاد کی گئی تھی کہ یہاں انسان کو اپنے خالق کے شاہکار کے طور پر آنا تھا۔ آفاق کی یہ کارگہ شیشہ گری اس کی منتظر تھی جسے آہستہ سانس لینے کا سلیقہ عطا کیا گیا تھا۔ انسان کے بنیادی معنوں میں مانوس ہو جانا، اظہارِ انسیت و محبت شامل ہے۔ انسان کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ وہ اپنا اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار خود کرتا ہے۔ اللہ نے اسے قوت تمیز، قوتِ ارادہ اور عقل کے ساتھ پیدا کیا، اس کے سامنے راستے کھول دیئے گئے اور راہ کے انتخاب کا حق اسے دے دیا گیا۔ انسان

کے لفظ کا مادہ ان سے ہے، اور اس مادہ کے مفاہیم میں مشاہدہ، دیکھنا اور احساس کرنا شامل ہیں۔ انسان نے اس خاک داں میں آکر آنکھ یوں کھولی کہ زمین اور آسمان کے مشاہدے کو تعمیر حیات و ذات کا وسیلہ بنالیا۔ اس نے زمین کو دیکھا، فلک کو دیکھا، مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو دیکھا اور یوں پہلے آپ کو پہچانا، اپنے خالق کو پہچانا، اس مادہ کے معانی میں یقین، ادراک اور معرفت کے مفاہیم بھی شامل ہیں۔ ان مفاہیم کو سامنے رکھتے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ختم المرسلین، فخر دو عالم ﷺ کے ظہور کے واسطے اور وسیلے سے آدمی نے اپنے آپ کو پہچانا۔ وہی اس کارگہ شیشہ گری کی تخلیق اور ایجاد کا سبب تھے۔ وہ انسانیت کا نقطہ معراج اور عبد و معبود کے درمیان وصل کی علامت تھے۔ مشاہدہ انفس و آفاق، احساس کی انتہائی نزاکت اور دیکھنے کا کمال اعلیٰ ذات میں مجتمع ہو گیا تھا اور اسی لئے آدمی، انسان، اس کے کمالات اور امکانات پر غور کرنے والا ہر شخص اسی بارگہ مصطفوی میں پہنچ جاتا ہے۔ "انسان کامل" کے فلسفہ کو مسلمان فلسفیوں نے جس طرح پیش کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب یا فکری نظام اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ نطشے کے "مرد کامل" میں جو وحشت ہے اس کا سبب یہی ہے کہ وہ مقام کبریا کے ساتھ ساتھ مقام محمد (ﷺ) سے بھی بے خبر تھا۔ مسلمان مفکر، شاعر اور ادیب جب بھی انسان کے بارے میں سوچتے ہیں وہ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے سوچتے ہیں۔ انسان صرف قوانین فطرت سے واقف نہیں بلکہ اللہ نے اس کے لیے زمین و آسمان کی اشیاء اور قوتوں کو مسخر کر دیا ہے اور انسان ہی کے لیے قوانین فطرت معطل کر دیئے جاتے ہیں۔ معراج اس کی عظیم ترین مثال ہے۔ انسان کو وہ صلاحیتیں اور جوہر عطا کیئے گئے ہیں کہ اس کا مرتبہ نوریان فلک پرواز سے بڑھ گیا ہے۔ دنیا انسان اور اللہ کی رفاقت اور ہم کاری کے نتیجے میں اس درجہ حسین بن گئی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے اسلوب حیات نے ویرانۂ ہستی کو گلشن بنا دیا ہے۔ ان کے راستوں کا غبار سروِ رواں بن گیا۔ "سرو" موزونیت اور حسن کی علامت۔ یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی عظمت کے مظہر بن گئے۔ روح القدس ان کے لیے پیغام ربانی لے کر آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا دورہ کراتے۔ کبھی انسانی شکل میں مجمع صحابہ کرام میں آکر شریک ہو جاتے اور ایسے سوال کرتے جن کا جواب دیتے ہوئے مخبر صادق ﷺ اسلام، ایمان، احسان کے نکات اور علامات قیامت کو پیش فرما دیتے۔ میر تقی میر قدرے شوخی کے ساتھ نبی آخر الزماں کے ساتھ جبریل امیں کے رشتے کو پیش کرتے ہیں ؎

نقش قدم سے اس کے، گلشن کی طرح ڈالی ؎   گرد رہ اس کی لے کر، سرو رواں بنایا

روح القدس کو سہل کیا یار نے شکار   اک تیر میں وہ مرغ بلند آشیاں گرا

قرآن حکیم میں قصہ آدم انسان کے علم اور اجزائے ترکیبی کی تمثیل ہے۔ آدم کو علم الاسماء عطا کیا گیا۔ یہ علم اسؐ ذات کا جوہر بھی تھا جو اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ آب و گل کے درمیان تھے۔

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! نبوت آپ کے لیے کب واجب (ثابت) ہوئی۔ فرمایا کہ جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔" (۴)

یہی علم انسان کو فرشتوں پر فوقیت عطا کرتا ہے۔ اللہ نے آدم کو پوری طرح علم الاسما عطا کیا۔ انسان نے فرشتوں کے سامنے اس علم کا اظہار کیا۔

"تب اللہ نے آدم کو حکم دیا کہ آدم! تم ان (فرشتوں) کو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب آدم نے ان کو ان کے نام بتائے تو اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی ہوئی باتیں جانتا ہوں تو تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور پوشیدہ کرتے ہو مجھے سب معلوم ہے۔"

(سورہ البقرہ: آیت ۳۳)

اس علم کے ساتھ انسان کو جو تقدس اور ذوق عبودیت عطا کیا گیا وہ فرشتوں کی ہمہ وقت تسبیح و تہلیل سے بڑھ کر ہے۔ ہر وقت ذکر الٰہی فرشتوں کی تخلیق کا منشا ہے لیکن انسان کو کار جہاں سنوارنے اور انجام دینے کے لیے بھیجا گیا اور اسلوبیہ شرف عطا کیا گیا کہ تلاش رزق، نکاح، افزائش نسل، نیند، باہمی گفتگو غرض کہ ہر عمل کو عبادت کا درجہ بخشا گیا۔ پھر انسان کو ارادہ اور اختیار دیا گیا جس سے فرشتے محروم ہیں۔ انسان کا یہ شرف ذات محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اپنی انتہائی تکمیل کے ساتھ ملتا ہے اور یوں کہ سرکار ﷺ انسانی عظمت کا اشارہ بن گئے۔ یوں تذکرۂ شرف آدمی، دراصل ذکر مصطفیٰ (ﷺ) ہے۔

باوجود ملکیت نہ ملک میں پایا
وہ تقدس کہ جو ہے حضرت انسان کے بیچ

آدمی سے ملک کو کیا نسبت
شان ارفع ہے میرؔ انساں کی

ذکر نبی کریم میرؔ صاحب کی شاعری میں کہیں کہیں اس سطح پر نظر آتا ہے جو انسانی تخیل، زبان و بیان و اظہار کے فن اور ذہن و دل کی یکجائی اور ہم آہنگی کی آخری سطح ہے۔

سو رنگ کی جب خوبی پاتے ہو اسی گل میں
پھر اس سے کوئی اس بن کچھ چاہے تو کیا چاہے

اس شعر میں "اسی" کا استعمال تعین مفہوم کے لیے نہایت اہم ہے۔ یہ کوئی ایسا گل، ایسا مجموعہ خوبی اور مراد

---

(۴) مشکوٰۃ (بحوالہ ترمذی) باب فضائل سید المرسلین صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ

دل و جاں ہے جس کے بارے میں سننے والوں کو پوری خبر ہے۔ کہنے والے اور سننے والوں کے درمیان اس بارے میں مکمل ذہنی ہم آہنگی ہے۔ یہ ایسا گل ہے جس کا اکثر تذکرہ ہوتا ہے اور اس کے عشاق اگر خاموش بھی بیٹھے رہیں تو اس کا نام دلوں کی دھڑکنوں کی صورت فضا میں گونجتا ہے۔ "اسی" کے لفظ میں یہ سارے معانی یک جا ہیں اور یہ محبوب وہ ہے کہ چاہنے والے اس سے اس کے سوا اور کیا مانگ سکتے ہیں۔ یاد کیجیے وہ لمحہ جب غزوۂ حنین کے بعد نو مسلموں کو تالیف قلب کے طور پر ان کے حصے سے زیادہ مال غنیمت دیا گیا تھا اور بعض انصار کے ذہن میں یہ خیال بھی پیدا ہوا تھا کہ مہاجروں کو ان پر ترجیح دی گئی ہے اور اس وقت قرار جاں صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز فضا میں بلند ہوئی تھی کہ اے انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ دوسرے تو مال و متاع دنیوی اپنے گھروں کو لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاؤ (مفہوم) یہی ذات اور یہی نام ہمارے لیے سرمایۂ دین و دنیا ہے، حرفِ دعا ہے۔

رنگ کی جب خوبی پاتے ہو اسی گل میں
پھر اس سے کوئی اس بن کچھ چاہے تو کیا چاہے

یہ شعر وہی کہہ سکتا تھا جس کے باپ نے اسے لڑکپن بلکہ بچپن میں یہ سبق دیا تھا۔ بیٹا! عشق کو اختیار کرو، عشق ہی نورِ حیات ہے اور نارِ حیات تھا (ملاحظہ ہو ذکرِ میر) اور یہ سبق میر صاحب کو ہمیشہ یاد رہا۔

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

اور اسی شعر کے پہلو میں اس دوسرے شعر کی نکہت اور رنگ سے اپنے دیدہ و دل کو معطر اور منور کر لیجیے۔ اس شعر کی تفہیم میں بنیادی لفظ نقش پا ہے۔

کیا گل مہتاب و شبو، کیا سمن، کیا نسترن
اس حدیقے میں نہ نقش پاتے اس کے پائے گل

اور سرِ لولاک سے ایک ہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ زمین (مکان) بھی محمد ﷺ ہیں اور زماں بھی محمد ﷺ ہیں۔

انسان ہو جو کچھ ہے ادراکِ سرِ لولاک
ناداں زمیں، زماں سے مطلوب آدمی ہے

"انسان ہو"، "انسان ہو" مرتبۂ انسان کو پہنچانو ــــــ میر صاحب یہ سبق تخلیقِ محمد ﷺ اور سیرتِ محمد ﷺ کی روشنی میں دے رہے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہی ہے کہ آدمی فرش پر فلک مرتبت ہو سکے، اور اس مرتبہ کے حصول کے لیے ان کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا جو "لولاک لما خلقت الافلاک" کا بھید ہیں۔

اور سرلولاک سے ہمارا یہ رشتہ اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ دائمی زندگی فردوس کی سب سے بڑی نعمت بھی رفاقتِ محمد ﷺ ہی ہو گی۔ انہیں کے دیدار سے جنت ہمارے لیے جنت بنے گی اور جنت میں داخلہ سے پہلے ہنگامہ محشر بپا ہو گا۔ اس ہنگامے میں بھی ہمیں صاحب کوثر کا آسرا ہو گا۔ وہ مقام شفاعت کبریٰ پر فائز ہوں گے اور شورشِ حشر میں اہل ایمان کو دیدارِ محمدی ﷺ کا ایسا اشتیاق ہو گا کہ ان شاء اللہ جب سورج سوا نیزے پر ہو گا ان کے دیدار کا بادل ہمیں قیامت کی تپش سے بچالے گا۔

دیدار کے مشتاق ہیں سب جس کے، اب اس کی
کچھ شورش ہنگامہ محشر میں خبر ہے

جس طرح نبی آخرالزماں اور ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے فاسق و فاجر، تقویٰ کی مثال بن گئے، رہزن رہنما بن گئے، ہر خیانت میں مبتلا امانت کے مجسمے بن گئے، اسی طرح آپ کی نسبت سے زندگی اور شعر و ادب کی روایات ایمان لا کر اپنے تلازمے بدل لیتی ہیں۔ اردو غزل کی ایک روایت ایسی ہے جس پر بجا طور پر ہمیشہ تنقید کی گئی ہے، لیکن دیکھیے انسانی قلوب کے تزکیہ کرنے والے کی نسبت نے اس روایت کو کیسے بدل دیا اور یہ روایت فسق و فجور کے دائرے سے نکل کر نور اور خیال افروزی کے قالب میں ڈھل گئی۔

کیوں نہ اے سید پسر دل کھینچے یہ موئے دراز
اصل زلفوں کی تری گیسوئے پیغمبرؐ سے ہے

یہ نسبتِ محمدی مٹی کو سونا، فسق و فجور کو تقویٰ اور زمین کو آسمان بنا دیتی ہے۔ میرؔ صاحب اپنے باب میں بھی اس روایت پر نازاں ہیں

کیا خانداں کا اپنے، تجھ سے کہوں تقدس
روح القدس، اک ادنیٰ دربان ہے ہمارا

روح القدس کے ناروا استخفاف سے قطع نظر میرؔ صاحب کے اس شعر میں نسلی امتیاز کی بات نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ایک انعام پر شکر کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ ایسا شکر جس میں فخر بھی شامل ہو۔ میرؔ صاحب نے جس طور اپنی زندگی گزاری وہ ہمارے سامنے ہے اور یہ نسبت رسول اعظم ﷺ ہی تھی جس نے انہیں غموں کے سامنے سپرانداز نہیں ہونے دیا۔ ان کے سر میں ہمیشہ نعت رسول کا خیال رہا اور یہی خیال تھرو مندانہ زندگی کا وسیلہ بن گیا۔

ہے حرفِ خامہ دل زدہ حسن قبول کا
یعنی خیال سر میں ہے نعت رسولؐ کا

میر کے بعد اگلی صدی یعنی انیسویں صدی میں غالبؔ نے اردو غزل کے حدود کی توسیع کی اور

دو غزل کو زندگی کا قدِ آدم آئینہ بنادیا۔ اس آئینے کا جوہر ذکر فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ غالب کی
ہنی اور فکری دنیا کی تعمیر اسی ذات سے ہوئی ہے۔ غالب نے مرتبۂ نبوت اور کارِ نبوت کو جس طرح سمجھا اور
پنے ایک فارسی شعر میں بیان کیا ہے اس کی کوئی مثال میری نظر سے نہیں گزری۔ صنفِ نعت کا وسیع
طالعہ رکھنے والوں سے بھی میں نے سوال کیا مگر وہ بھی کسی ایسے شعر کی نشان دہی نہ کر سکے جو غالب کے اس
عر کے مقابل پیش کیا جا سکے۔

تیر قضا ہر آئینہ از ترکش حق است
لیکن کشودِ آں ز کمانِ محمد ست

ضا کا، تقدیر کا، امر کا ہر تیر اللہ تعالیٰ کے ترکش سے چلتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی کمان سے ___
اں حضور ﷺ ادارہ نبوت کے نمائندہ بن جاتے ہیں۔ یہ دنیا دارالاسباب ہے اور اس میں ہر واقعہ کے
اتھ سبب اور علت وابستہ ہوتا ہے ہاں مگر جب اللہ چاہے تو یہ سبب بھی درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ دنیا میں
سان کی تقدیر کی اصلاح اور تعمیر کا کام رسولوں کے ذریعہ ہوتا ہے اور حضور ﷺ تو قیامت تک کے لیے
ندہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

غالبؔ کے اس شعر سے سورہ النجم کی آیت ذہن میں آجاتی ہے :

فکان قاب قوسین او ادنی

چہ یہ جبریل امین اور رسولِ امیں کی قربت کا ذکر ہے (۵) مگر یہ بات ذہن میں رہے کہ جبریل وحی الٰہی کا
ب سے اہم وسیلہ تھے۔ جبریل اپنی صورت اصلیہ میں سرورِ دنیا و دیں کے اتنے قریب آگئے کہ دو کمانوں
ے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ اس اظہار کے ساتھ عربوں کی ایک عادت، روایت اور رسم وابستہ
۔ جب دو شخص انتہا درجہ کی قربت اور اتحاد آپس میں قائم کرنا چاہتے تو اس کے اظہار کے لئے اپنی کمانوں
ے چلوں کو ملا لیتے۔ یوں سمجھئے کہ دو کمانوں سے ایک تیر چلائے جانے کا امکان حقیقت بن جاتا۔ جبریل امیں
یہ قربت حق تعالیٰ اور نبی محترم کے قرب کا استعارہ ہے۔

"کارِ جہاں" کے سلسلہ میں اللہ اور رسول کی قربت اور ہم کاری دوسرے استعاروں کی مدد سے
ں قرآن حکیم میں پیش کی گئی ہے مثلاً

و ما رمیت اذ رمیت والکن اللہ رمی (سورہ الانفال : آیت ۱۷)

---

۵) یہ فاصلہ کن کے درمیان تھا اس بارے میں دو قول ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت
ہریرہؓ، حضرت مجاہدؒ، حضرت ربیع بن انسؓ، ابن کثیرؒ، رازیؒ اور ابن جریرؒ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ
لام ہیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری، کتاب التفسیر) حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سورۃ النجم کی
ائی آیات کے مطالعہ سے سیاق و سباق کے مطابق جو معنی ابھرتے ہیں ان سے پہلے قول کو تقویت پہنچتی ہے۔

جب معرکہ بدر گرم تھا تو جبریل امین کے کہنے سے حضور ﷺ نے مٹی اور کنکروں کی تین مٹھیاں کفار کے لشکر کی طرف پھینکیں اور ان تین مٹھیوں کی مٹی اور کنکر اس طرح پھیلے کہ دشمنوں میں سے کوئی ایک فرد ایسا نہ رہا جس کی آنکھوں اور چہروں پر یہ کنکر اور یہ مٹی نہ پڑی ہو۔ اس معجزے سے دشمن کی صفیں منتشر ہو گئیں، ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

غالب کا یہ شعر اللہ اور رسولؐ کے اسی اتحاد، اسی رشتے، رفیق اعلیٰ اور اس کے رفیق کے اسی تعلق کی دستاویز ہے۔ فارسی میں تو غالب کی باضابطہ نعتیں موجود ہیں جن میں سے اس نعت کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی ہے جس کے ایک شعر پر گفتگو آپ نے ملاحظہ کی۔ آج ہمارے معاشرے میں فارسی کا ذوق ختم ہوتا جا رہا ہے اور فارسی کی تعلیم کی طرف کم توجہ دی جا رہی ہے مگر غالب کی یہ فارسی غزل ہمارے عام آدمی کے لئے بھی اجنبی نہیں اور ہمارے نزدیک یہ بات دربار رسالت میں اس کی مقبولیت کا اشارہ ہے۔

واعظ حدیث سایہ طوبیٰ فرو گزار کایں سخن ز سرو روان محمد ست
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد ست

اردو میں غالب نے کوئی باضابطہ نعت نہیں کہی، لیکن اس کی غزلیں سید الابرار شہ دوسرا ﷺ کا ذکر اپنے دامن میں رکھتی ہیں۔ غالب کے خطوط اور فارسی کلام ان کی شخصیت پر دین کے اثرات کا آئینہ دار ہیں۔ مسائل تصوف کو اپنے فن سے اعلیٰ درجہ کی شاعری میں ڈھالنے پر غالب کو ناز تھا۔ تصوف کے زیر اثر غالب تجلیٔ رب اور ظہور کائنات کے مسائل پر غور کرتے ہوئے وجود مصطفوی ﷺ کو ظہور کا سبب قرار دیتے ہیں۔

منظور تھی یہ شکل، تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رُخ سے ظہور کی

جنت کے موضوع پر غالب کے شعر ضرب المثل کے درجے پر پہنچ چلے ہیں۔ شوخی اندیشہ فردوس اور دوزخ کے درمیان ہر "حد" اور "خط" کو مٹانے کے درپے نظر آتی ہے۔

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یا رب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

لیکن غالب جنت کے منکر نہیں، اس دنیا کے رند کو اس دنیا میں بھی رحمت حق کی بنا پر شراب ملنے کی امید تھی۔ مگر غالب کے نزدیک جنت کی معنویت اسی صورت میں ابھر کر سامنے آسکتی تھی کہ وہ کسی کی جلوہ گاہ ہو۔ غالب نے دعائیہ انداز میں یہ مضمون باندھا ہے۔ یہ ندرتِ اسلوب کی مثال ہے ورنہ اسے یقین تھا کہ جنت جلوہ گاہِ مصطفیٰ ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی اہل ایمان کے لئے جنت ہے

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو

عہد غالب میں بھی میلادالنبی مسلمانوں کا اہم جشن اور تہوار تھا۔ حضور ﷺ کی ولادت اور تشریف آوری اس عہد کے بہت سے شاعروں کا موضوع تھی۔ میلاد ناموں کے علاوہ شعری مجموعوں میں بھی ایسا کلام نظر آتا ہے۔ مرزا کا ایک شعر ہمیں ۱۲ ربیع الاول کی صبح کا بیان معلوم ہوتا ہے۔

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے	کہ غیر جلوۂ گل، رہ گزر میں گرد نہیں

غالب کے نفس گرم کی حدت سے لفظ پگھل کر اپنے معانی روشن اور ظاہر کر دیتے تھے۔ غالب کا دعویٰ ہے کہ جو لفظ ان کے اشعار میں آتا ہے وہ گنجینۂ معنی کا طلسم بن جاتا ہے۔ غالب نے خون جگر کے ایک ایک قطرے ہی کا حساب نہیں دیا، انہوں نے جو لفظ بھی اپنے شعر میں استعمال کیا اس کا حساب بھی اپنی معنویت اور فنی کمال کی صورت میں دیا ہے۔ اگر یہ کسی اور "محبوب" کی آمد کا ذکر ہوتا تو غالب "بہشت شمائل" کے الفاظ استعمال نہ کرتے "بہار شمائل" یا ایسا ہی کوئی دوسرا اظہار ہمیں اس شعر میں ملتا اور یہ رہ گزر تاریخ اور زندگی کی رہ گزر ہے۔ "جلوۂ گل" میں اس صبح سعادت آثار کی تمام کیفیت سمٹ آئی ہے ورنہ تاریخ کی رہ گزر جلوۂ گل اور خاک دونوں کا بیک وقت نظارہ پیش کرتی رہی ہے۔

غالب کی نہایت مشہور اور نمائندہ غزل ہے "نہیں ہوں میں" جس کے کئی شعر دہرائے جاتے ہیں ــــ گفتگو میں، تنقیدوں میں، مطالعہ غالب میں اور ہماری تنہائیوں میں

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

اس غزل میں تین شعروں میں سرکار ختمی مرتبت سے تخاطب ہے۔ اس نکتے کو غالب نے ہمارے لیے حل کیا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ تخاطب کس سے ہے اور غالب نے جواب میں سوال کرنے والے سوال کیا کہ آخر وہ کون ہے جس کی نظروں میں لعل و زمرد و زر و گوہر کی کوئی وقعت نہیں تھی، جس نے فقر کو اپنا فخر قرار دیا۔ وہ کون تھا جس نے مہر و ماہ پر قدم رکھا اور اس کا یہ شرف معراج کہلایا۔ وہ کون تھا کہ آسمان کو جس کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ شعر ملاحظہ ہوں۔ نعتیہ ادب میں ایسی کوئی چیز تلاش کرنا، فعل رائیگاں ہوگا۔ غالب کی عظمت اور انفرادیت غزل کے ان نعتیہ اشعار میں نمایاں ہے۔

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے	لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہوئے قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ	رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے	کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

یہ لہجہ، شاہِ دوراں اور سلطان مدینہ سے یہ قربت، وقار و تمکنت کے ساتھ دل گرفتگی کا یہ اظہار ــــ کہیں اور کیوں ملنے لگا؟ اتنا ظرف کس میں ہوگا۔ غالب اپنے اُمتی رسول ہونے پر ہمیشہ نازاں رہے اور اس سے زیادہ سچا ناز اور کون سا ہوگا۔ اسم پاک محمد ﷺ سے وہ ہر بند دروازے کے کھل جانے پر

یقین رکھتے تھے۔

اس کی اُمت میں ہوں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

"اقبال مردِ مومن تھے۔ ایمان و یقین پر انہیں پورا بھروسا تھا۔ وہ اسے اپنی قوت کا راز اور سرمایۂ اعزاز سمجھتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ علوم و معلومات کا دفتر بے پایاں سیدھے سادے ایمان کے سامنے بھی ہیچ ہے —— اسی طرح پیغام محمدی اور شخصیت نبیؐ سے انتساب انہیں ہر شے سے بڑھ کر عزیز تھا۔ وہ ان کے سوا کسی اور مکتبِ فکر سے استفادہ اور کسی اور سرچشمہ سے سیرابی (کو) غیرت و محبت کے خلاف سمجھتے تھے۔ وہ اپنے ایک شعر میں بڑے پر تاثیر لہجے میں عرض رساں ہیں

خواجہ ما نگاہ دار، آبروئے گدائے خویش
آنکہ ز جوئے دیگراں، پر نہ کند پیالہ را"

(۶)

ان چند لفظوں میں علی میاں نے ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اقبال کے تعلق کی داستاں کو سمیٹ لیا ہے۔ حضور ﷺ کی ذات اقبال کے لیے سب سے بڑا حوالہ، نقطۂ تناظر اور محل تناظر ہے۔ وہ ختمی مرتبت ﷺ کے حوالے سے زندگی کو دیکھتے ہیں اور زندگی کے احوال، اطراف و جوانب کا جائزہ لیتے ہوئے انہیں اس ذاتِ اقدس و اکمل کی گیرائی و وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس دنیا میں جہاں کہیں "جہان رنگ و بو" نظر آئے جس کی زمین سے آرزو اور تمناؤں کے ہزار رنگ پھول اُگ رہے ہوں —— اس جہاں رنگ و بو میں حضور ﷺ کا نور نظر آتا ہے —— یا جہاں کہیں نور ہے، آرزو ہے، رنگ و بو ہے وہاں ہر شے، ہر وجود تلاش مصطفیٰ ﷺ میں مصروف نظر آتا ہے —— ذاتِ خاتم الانبیاء اسلام کی پوری تاریخ ہے —— یہ وہ سنگم ہے جہاں بوریا، تخت شاہی پر خندہ زن نظر آتا ہے، جہاں غار کی تنہائیوں نے قوم و آئین جہانبانی کو جنم دیا —— یہ وہ ذات اقدس ہے جس کی تلوار میدانِ جہاد کو لوہے میں پگھلا دیتی تھی اور جس کی آنکھوں سے وقتِ نماز آنسوؤں کے موتیوں کا آبشار بہتا اور انسان کو اپنی آنکھوں میں محترم بنا دیتا —— یہ وہ ذات گرامی ہے جس کی قوت نے سلاطین کے اقتدار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے انسان کو عبدیت کے اعلیٰ

(۶) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، صفحات ۴، ۲۶۳، تیسرا ایڈیشن کراچی

مرتبہ پر پہنچادیا۔ حضور ہماری چادر ہیں اور اس چادر نے ہمیں اقوام عالم کے درمیان بے ردائی اور بے لباسی سے بچالیا ہے۔ یہ وہی ذات ہے کہ جب حاتم طائی کی بیٹی ایک جنگ کے بعد اس کے سامنے آئی تو وہ بے پردہ تھی، اس کے پیروں میں زنجیر تھی اور گردن شرم و حیا سے جھکی ہوئی تھی تو اس ذاتِ گرامی نے اپنی چادر کو اس کے چہرے کی ردا بنادیا۔ اقبال کے سامنے یہ سارے پہلو تھے اور انہیں اس نے اپنی شاعری کا موضوع اس طرح بنایا کہ زندگی، تاریخ اور انسان کے مقاماتِ بلند سامنے آگئے۔ میں نے اوپر کی سطروں میں اسرارِ خودی کے چند اشعار کے مفہوم کو پیش کیا ہے۔

در شبستانِ حرا خلوت گزید قوم و آئین و حکومت آفرید
وقتِ ہیجا تیغ او آہن گداز دیدۂ او اشکبار اندر نماز
در دعائے نصرت آمیں تیغ او قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغ او
از کلید دیں، درِ دنیا کشاد ہم چو او بطنِ ام گیتی نزاد
در مصافے پیش آں گردوں سریر دختر سردارِ طے آمد اسیر
پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چو نبیؐ بے پردہ دید چادر خود پیش روئے او کشید

اقبال کی پوری شاعری اور اس کا فلسفۂ خودی، عشق و عمل، تعلق بالرسول سے عبادت ہے۔ اقبال کی نعتیہ شاعری پر مستقل کتابیں لکھی جاچکی ہیں لیکن ہمارا یہ مطالعہ غزلِ اقبال میں نعتیہ مضامین اور اشعار تک محدود ہے، اسی لئے مناسب سمجھا گیا کہ اقبال کی نعتیہ شاعری کی وسعت اور گیرائی کے بارے میں چند اشارے پیش کردیے جائیں۔

اقبال کی فکر کی اساس ذاتِ محمدی ﷺ ہے۔ اس عظیم مفکر اور دانش ور، فلسفی و شاعر نے مشرق و مغرب کے فکر اور فلسفہ کو اپنے اندر سمولیا، وہ تہذیب انسانی پر گہری نظر رکھتا تھا، عمرانیات و اقتصادیات اور سیاسیات کے عالمی رجحانات اور مسائل کا تجزیہ کرسکتا تھا۔ اس کو مشرق و مغرب کے فکر نے بجز تشنگی اور مایوسی کے کچھ نہ دیا۔

پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں گریبانِ لالہ چاک نہیں

اور پھر اس نے خاصۂ خاصانِ رسلؐ کے در پر دستک دی اور فریاد کی

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زناری

یہ مسلمان دانش وروں کی فریاد تھی اور آخر خواجۂ طیبہ نے اپنے اس گدا کی لاج رکھ لی جس کے پیالے میں

غیروں کی فکر کا پانی نہیں تھا۔

اُردو غزل کے پیرائے میں اقبالؔ کی نعتیہ شاعری بہت زیادہ نہیں ہے، کیونکہ وہ ان کی مجموعی فکر کی آئینہ دار ہے۔ اقبالؔ ایک سالم اور مربوط شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا علم، ان کا عرفانِ کائنات، ان کی عمرانی اور معاشرتی آگاہی، ان کا دل اور جذبات ـــــ یہ سب ایک دوسرے سے وابستہ اور پیوستہ ہیں۔ یہی نہیں کہ وہ راہِ مدینہ کے مسافر ہوں اور ساربان سے کہتے ہوں کہ لمبے راستے سے طیبہ چلنا کہ سوزِ فراق تیز ہو، یہی نہیں کہ وہ گنبد خضریٰ کی فضا اور نظارے کو دل میں اُتارنے کے لیے بے قرار ہوں، بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ہیئتِ اجتماعیہ اور مسلم معاشرے کو مے خانۂ اسلام کے ساقی کے ارشادات کے مطابق ڈھالنے کے لئے بے قرار تھے۔ وہ مسلم قومیت کے تصور تک فکری طور پر نہیں پہنچے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کو اپنی آنکھوں سے ایک زندہ واقعہ کی طرح دیکھ کر انہوں نے تشکیل ملت کو سمجھا۔ یوم فرقان میدانِ بدر میں مسلم قومیت کا مسئلہ حل ہو گیا تھا جب اسلامیوں کے لشکر میں ابوبکر صدیق تھے اور مشرکین مکہ کے لشکر میں ان کے صاجزادے، جنھوں نے اسلام لانے کے بعد اپنے والد گرامی سے کہا کہ "ابا جان! میدانِ بدر میں آپ کئی بار میری زد پر آئے مگر میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ باپ پر ہاتھ کیسے اٹھایا جا سکتا ہے" اور اس صدیق، اس جانثار مصطفیٰ ﷺ نے جواب دیا تھا کہ "اللہ کی قسم! اگر تم میری تلوار کی زد پر آجاتے تو ابوبکر کا ہاتھ خطا نہ کرتا۔"

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصار ملت کی، اتحاد وطن نہیں ہے

ان فکری اور عمرانی تصورات سے اردو کی نعتیہ شاعری کلیتہً خالی تو نہیں تھی (اس کی اولین جھلک حالیؔ کے ہاں ملتی ہے) مگر اسے یہ یقین، یہ پختگی اور وقار اقبالؔ نے عطا کیا۔ اقبالؔ نبی کریم ﷺ کی ذات اور پیغام کو ملت اسلامیہ کی گزشتہ رفعتوں کا بھی سبب سمجھتے تھے اور انہیں یہ اعتماد اور یقین بھی تھا کہ مستقبل کی تعمیر بھی انہیں بنیادوں پر ہوگی۔ حال کے سناٹے میں مستقبل کی یہ نوید صاف سنائی دے رہی ہے ؎

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

اقبال کا دور اسلامیانِ عالم کے لیے سخت آزمائشوں کا دور تھا۔ مسلمان ملکوں اور بالخصوص دنیائے عرب کے کانوں میں ساحر مغرب نے "قومیت" اور "وطنیت" کا منتر پھونک دیا تھا۔ مشرقِ وسطیٰ میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کی گئیں۔ سلطنت عثمانیہ بکھر گئی اور مسلمانوں کی مرکزیت منتشر ہو گئی۔ ہماری زمینوں کے وسائل سے اغیار فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اس صورتِ حال سے بھی اقبالؔ حوصلہ نہ ہارے اور ملت کے مستقبل اور نشاۃ الثانیہ پر ان کا ایمان متزلزل نہ ہوا۔ اُنہیں معلوم تھا کہ "خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر

پیدا" ان تاریک دنوں میں ان کی نظر روضۂ رسول اعظم ﷺ پر جمی رہی۔ ان کے دل کی دھڑکن انھیں یہی پیغام دیتی تھی کہ سورج اسی روضۂ اطہر کو سلام کرنے کے لئے اُبھرتا ہے اور اسی روضہ کے مکین کو سلام کرتے ہوئے واپسی کا سفر اختیار کرتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ وہ باد صبا کے وسیلے سے اپنے رسول ﷺ تک اپنا سلام اور پیغام بھیجتے رہے۔

اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بے چاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی

اس شعر کی بلاغت پر غور کیجئے۔ یہ شعر ادب کے سمندر میں بہتے ہوئے گلیشیر کی طرح ہے جس کا صرف ایک حصہ سطح آب پر ہے اور نو حصے پانی کے اندر ہیں۔ کیا صرف یہی پیغام بھیجا گیا کہ "قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی؟" یا پھر کیا اقبال کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ان کے رسول ﷺ اپنی اُمت کے حال سے بے خبر ہیں؟ اقبال کا یہ شعر حضور ہادی برحق میں ایک استغاثہ ہے، ایک فریاد ہے، ایسی ہی مناجات ہے جو ان سے پہلے حالی پیش کر چکے تھے اور اقبال نے یہ فریاد سرگوشی کی صورت میں صبا کے ذریعہ سرکار کی خدمت میں پہنچائی۔ حالی کے ہاں استغاثہ بلند آواز میں پیش کیا گیا ہے اور بہت تفصیل سے

اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دُعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

اور

فریاد ہے اے کشتی اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

مگر اقبال نے یہ ساری روداد اور داستان ایک مصرع میں سمیٹ دی ہے "قبضے سے اُمت بے چاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی" —— یہ اقبال کا کمال بھی ہے اور غزل کی کرامت بھی۔ کون سی صنف سخن اتنے معانی، ایسی اداسی، ایسی فریاد اور پیغام کو چند لفظوں میں سمیٹ سکتی ہے۔

ہم اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ اقبال کے خیال میں ہمیں محمد ﷺ نے ایک ملت بنایا ہے۔ اپنی شاعرانہ حسیت اور رسول اکرم فداہ امی و ابی سے اُمت کے جذباتی رشتہ کے پیش نظر اقبال کو آپؐ کے لیے ساقی کا لقب بہت پسند ہے۔ ہر مے کش اپنے ساقی سے اپنے تعلق خاطر کی بناء پر دوسرے مے کشوں کو اپنے وجود کا حصہ سمجھتا ہے۔ اقبال کو ساقی کی ردیف بھی بہت عزیز تھی اور پھر یہ ردیف ان کے عہد میں ان کے قلب کی صدائے باز گشت بن کر اُردو شعر کے آسمان پر سایہ ابرِ مہرباں کی طرح

چھا گئی۔ ساقی نامہ کے مطالعے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ساقی کس ذاتِ گرامی کو قرار دیا گیا ہے۔

شراب کہن پھر پلا ساقیا — وہی جام گردش میں لا ساقیا
ہری شاخ ملت ترے نم سے ہے — نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دلِ مرتضیٰؓ، سوزِ صدیقؓ دے

اور اب اقبال کی غزل کے یہ شعر ملاحظہ ہو۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے مے خانے بند — اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ — تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

اقبال مسلمانوں کی لامرکزیت کے ساتھ ساتھ "فکر کی ہندش" کے بھی مرثیہ خواں تھے۔ نہ کہیں جدتِ فکر نہ کہیں شوخیٔ کردار و گفتار۔ "تین سو سال" ہمارے عہد زوال کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ یہ ایک طویل مدت کا اظہار ہے۔ اقبال حضرت شاہ ولی اللہ کے قائل تھے اور ان کی عظمت کے معترف۔ شاہ صاحب کے بعد کئی اور بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے عمل سے مسلمانوں کے احوال کی اصلاح کی کوششیں کیں لیکن ان میں شاہ صاحب کے بعد کوئی ایسا مفکر نہیں تھا جو بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکتا۔ اقبال اس فکری انحطاط کا سبب اس حقیقت کو قرار دیتے ہیں کہ ان مے خانوں کا رشتہ مے خانہ نبوت سے منقطع ہو گیا ہے۔ شرابِ حجاز کی فراہمی بند ہو گئی ہے۔ ساقی کی ردیف میں اقبال کی ایک دوسری غزل میں یہی مضمون باندازِ دگر نظر آتا ہے۔ ہند کی جگہ ایران نے لے لی ہے۔ اقبال عالم اسلامی کے شاعر اور مغنی ہیں۔ ان کی فکر بھی عالمی ہے۔ جو نقشہ ہند میں ہے وہی منظر ایران میں ہے اور ہند و ایران تو عالم اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں، محض دو ملک نہیں ہیں۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے — وہی آب و گلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی
متاعِ دین و دانش چھن گئی اللہ والوں کی — یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

رومی کو آب و گل ایران اور سرزمین تبریز نے نہیں پیدا کیا۔ رومی کے فکر میں تو نفس مصطفوی ﷺ سے زندگی تھی اور "کافر ادا" میں ہر غیر اسلامی تہذیب، دانش اور قرینہ و اسلوبِ فکر و حیات شامل ہے۔ ہماری یہ رات، یہ عہد زوال، یہ انحطاط اسی آب نشاط انگیز سے دور ہو سکتا ہے جسے اشارہ محمدی، صراطِ مصطفوی اور سنت رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ یہی وہ مہتاب ہے جو مکہ سے طلوع ہوا، جس کا افق ثانی مدینہ تھا اور آج جس کا افق یہ آفاق اور کائنات ہے۔

بال جبریل کے حصہ دوم کی ایک مسلسل غزل میں ہمیں وہ شعر ملتے ہیں جن کی مثال ہمیں کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتی۔ ہاں اگر ملتی ہے تو اقبال ہی کے ہاں

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار صفاتی نام ہیں، وہ نام جن میں معرفت محمدی ﷺ کے دائروں کی وسعت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہا ہے اور ناموں کی معنویت کی تفہیم کی حدیں بھی بڑھتی رہی ہیں۔ "دانائے سبل" دین و دنیا کی ہر راہ، عرفان الٰہی کا ہر راستہ، انسانی معاملات (سیاست، اقتصادیات، تمدن و معاشرت) کی ہر راہ انؐ کی تعلیمات سے روشن ہے، ذہن و نفس انسانی کی ہر گہرائی انؐ کے علم سے منور ہے۔ رسالت انؐ پر ختم ہوئی اور انسان آخری تعلیمات الٰہی اور سنت رسول کی روشنی میں اپنے معاملات کو نطے اور حل کرنے کے قابل ہو گیا اور اس طرح کہ آج ہر زمین اور ہر شعبہ حیات اندھیروں سے دور ہے۔ اکثر ذہنوں میں "اول و آخر" سے خلش ہوتی ہے لیکن یہ الجھن ہماری پیدا کردہ ہے۔ حضور ﷺ خلق میں اول ہیں اور رسالت میں آخر۔ "وہ پہلی کرن آخری روشنی" ان پانچ لفظوں میں شاعر نے اس نکتہ کو واضح کر دیا ہے پھر اول و آخر، انسان کے تناظر میں کہا گیا ہے۔ کیا کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اولیت کے سامنے بھی اُن کے عبدِ کامل اور رسولِ آخر کی اولیت کا ذکر کر سکتا ہے اور کیا کوئی صاحب ایمان اس حقیقت کو نظر انداز کر سکتا ہے کہ "اس دن بس ہمارے رب کا "چہرہ" باقی اور قائم رہے گا۔

"زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور صرف تیرے رب کی عظمت اور عزت والی ذات باقی رہ جائے گی۔ (سورہ الرحمٰن: آیات ۲۷-۲۶)

اللہ تعالیٰ کو اسی لئے "اول الاولین" اور "آخر الآخرین" کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قول کے مطابق قرآن کہا گیا ہے۔ اُن کی سیرت قرآن تھی۔ مجسم قرآن۔ اقبال نے حروفِ مقطعات کے آئینے میں بھی چہرۂ اقدس کی ضیا دیکھی ہے۔ وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ، حروف مقطعات کے معانی اس کو معلوم ہیں جس نے یہ کتاب نازل کی اور اس کو معلوم ہیں جس پر کتاب نازل ہوئی۔ ہم توذاتِ رسالت مآب سے ان حروف کو متعلق کر کے انہیں اپنے لیے عزیز تر بنا دیتے ہیں اور ویسے بھی محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر اس حرف، لفظ اور اسم کی مراد ہیں جو ہماری زندگی کو با معنی بناتا ہے۔ پھر یہ معانی اور مفاہیم ہر دور پر محیط ہیں۔

آپ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے
میرے سرکار ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ

(راقم الحروف)

اقبال کی مشہور غزل ہے

وہ حرفِ راز جو مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں

اس غزل میں ہمیں یہ نعتیہ شعر ملتا ہے

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

نبی آخر الزماں ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ "معراج" تھا اور معراج تو معراج کبریٰ تھی۔ معراج مصطفیٰ ﷺ، معراج آدم بھی ہے۔ معراج کے تجربے کو سمجھنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہے لیکن اس معراج کے نتیجے میں ہمیں نماز کا تحفہ ملا اور نماز معراج المومنین ہے۔ ہر نبی کو اپنے مرتبے کے مطابق معراج حاصل ہوئی لیکن یہ اکرام کسی کے حصے میں نہیں آیا کہ اس کی اُمت کو بھی معراج ملی ہو۔ یہ اکرام و اعزاز صرف حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کو حاصل ہوا۔

رسول کا حد درجہ شخصی اور ذاتی تجربہ بھی اُمت اور انسانوں کی فلاح اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ یہ بات صوفیانہ تجربے کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ اقبال نے اپنے خطبات "فکر اسلامی کی تشکیل جدید" کے پانچویں خطبے میں حضرت عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آگئے۔ میں ہوتا تو ہرگز واپس نہ آتا۔" صوفی کی معراج ہی اپنے آپ کو ذاتِ الٰہی میں گم کر دینا ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

لیکن نبی کی عظمت یہ ہے کہ وہ قربِ الٰہی سے نئی قوت حاصل کر کے دنیائے انسانیت کی طرف واپس آتا ہے اور تاریخ کے دھارے کو موڑ دیتا ہے۔

اقبال کی شاعری اردو نعتیہ شاعری کی معراج ہے جس نے ہماری اجتماعی فکر اور فن کو نئے دھارے اور رجحانات عطا کئے ہیں۔

مولانا حسرت موہانی نے کتنے حج کئے؟ یہ بات تو ہمیں کوئی ایسا محقق ہی بتا سکتا ہے جو مولانا کی زندگی پر تحقیقی کام کرے مگر یہ بات تو معروف ہے کہ مولانا تقریباً ہر سال حج کرنے جاتے۔ کہتے ہیں کہ کسی نے اُن سے پوچھا کہ مولانا آپ ہر سال حج کے لئے کیوں جاتے ہیں؟ مولانا نے سادگی سے فرمایا کہ میں تو اپنے جدِ امجد کے روضہ پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہوں۔ راستے میں مکہ بھی آجاتا ہے تو حج کر لیتا ہوں ورنہ زندگی میں حج ایک بار فرض ہے (اور طوافِ دیارِ محبوب کی تحدید کون کر سکتا ہے) مولانا بہت ہی محدود وسائل کے آدمی

تھے، پھر ہر سال سفر حجاز ان کے لئے ممکن کیسے ہوتا؟ اس سوال کا جواب مولانا سے سنئے۔

مدینے چلو کیوں نہ ہر سال حسرت
بلائیں جو خود تاجدارِ مدینہ

مولانا حسرت موہانی کی شاعری اس سرشاری کا دوسرا نام ہے جو کوئے محبوب سے کسی خوش اوقات "زائر" کو حاصل ہوتی ہے۔ مولانا کی نعتیہ شاعری اور نعتیہ غزلوں کو اُن سے محبت کرنے والے بعض نقاد بھی چنداں درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ اس کے اسباب کا تجزیہ کرنے بیٹھا تو کئی باتیں ذہن میں آئیں۔ مولانا مضمون آفرینی کے قائل نہیں۔ ان کی ردیفوں میں وہ جدت نہیں جس کا آج کا قاری عادی ہو گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ سادگی بڑی دھوکہ دینے والی چیز ہے۔ سیدھے سادے الفاظ کے ذریعہ جو سچے جذبات و خیالات پیش کئے جاتے ہیں، کتنے ہیں جو اُن کے ساتھ انصاف کر سکیں۔ بڑے شاعروں سے مرعوب ہو کر واہ واہ کرنا تو آسان ہے مگر اُن کے ایسے اشعار کی گہرائیوں میں کتنے لوگ اُتر کر سانس لے سکتے ہیں۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

زندگی کیا ہے آج سے اے دوست سوچ لیں اور اُداس ہو جائیں

اور ایک اہم بات یہ کہ مولانا کے "بے پناہ" نعتیہ اشعار کا رشتہ ادب کے ناقد اور قاری اُن کے حقیقی مصداق سے قائم نہیں کر سکے ہیں۔ مولانا کے درج ذیل اشعار کا مطالعہ میرے معروضات کی روشنی میں کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کیا ان اشعار کو نعت کے حوالے اور حب رسول کریم ﷺ کے تناظر کے بغیر سمجھا جا سکتا ہے؟ حسرت کی افتادِ طبع کو بھی سامنے رکھئے۔

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

ہیچ ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے رتبے عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں

یہ کار تھے باصفا ہو گئے ہم ترے عشق میں کیا سے کیا ہو گئے ہم

دل میں جا، دے کے، ترے درد کو اربابِ ہوس
اب بھی گر چاہیں تو گنجائش ایماں کر لیں

دل کو جمالِ یار کے فیضانِ عشق نے قندیل عرشِ حق کے مماثل بنا دیا

اے حسنِ بے مثال تری دید کے لیے درکار دیدۂ دلِ بینائے عشق ہے

ان اشعار کی نعت صفتی پر شاید کسی طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ مضمون، اسلوب اور الفاظ کے انتخاب سے ان کی جہت کا تعین ہو جاتا ہے۔ "نگاہِ یار" کا عام عشقیہ شاعری میں کردار یہ ہے کہ وہ تغافل برتتی ہے، عاشق کے جذبات کا اعتراف کرتی ہے، شرما جاتی ہے، آنکھ حسن محبوب کا دریچہ ہے مگر آشنائے راز کا تلازمہ نہیں ملتا۔ آنکھ عشق کے راز کو وا ضرور کرتی ہے مگر راز سے آشنا کرنا ایک دوسری اور بلند تر سطح کا عمل ہے۔ اس راز سے تو عاشق بھی آگاہ نہیں تھا۔ یہ آگاہی، یہ معرفت نگاہِ ناز نے عطا کی ہے "ہیچ ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے" یہاں کلیدی لفظ "ہیچ" ہے۔ دو عالم کو بھلا دینا، غم جاناں کو اپنا کر غم دوراں اور آلام روزگار کو آساں بنالینا، ستم ہائے روزگار کے باوجود کسی کے خیال سے غافل نہ ہونا _____ ان واردات و کوائف سے عشقیہ شاعری کا دامن بھرا ہوا ہے مگر دو عالم کو ہیچ جاننا، عشق محمدی ﷺ ہی کا عطیہ ہے۔ اور پھر اس عشق کے نامعلوم اور غیر دریافت شدہ مراحل کا بوجھ گویائی کب سہار سکتی ہے۔ عاشق تو بس اتنا اشارہ ہی کر سکتا ہے "ربّ عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں" "آگ کو راکھ میں بدل دینا، دوسروں کے درد و غم کا احساس پیدا ہو جانا، جذبات کی نرمی _____ یہ سب باتیں کسی بھی محبوب کی محبت میں حاصل ہو سکتی ہیں مگر "باصفا" صرف عشق محمد ﷺ بنا سکتا ہے۔ اس شعر میں صحابہ کرامؓ سے لے کر ہر دور کے وہ برگزیدہ اُمتی اپنی سوانح سناتے نظر آتے ہیں جن کو نگاہ محمد ﷺ نے تقویٰ اور صفائے قلب کا امام بنا دیا۔

غزل کی عام روایت تو یہ ہے کہ "قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا" / اور / زنار باندھ سبحہ صد دانہ توڑ دے / تو مولانا حسرت اس روایت کو روایت ہوس قرار دیتے ہیں اور ارباب ہوس سے کہتے ہیں کہ رسولِ عربیؐ کی محبت کو دل میں جگہ دے کر / "اب بھی گر چاہیں تو گنجائش ایماں کر لیں" / اور یہ محبت تو وہ ہے جو دل کو "قندیل عرش حق کے مماثل" بنا دیتی ہے۔

راقم الحروف کو قیام ارض مقدس کے دوران اردو کا کوئی اور شاعر اتنا یاد نہیں آتا جتنا مولانا حسرت موہانی (اور اُن کے اشعار) یاد آتے ہیں۔ غالباً یہ دل بیدار حسرت کے نغموں کی جزا ہے۔ اکثر میں نے اپنی کیفیت مولانا کے شعروں کے ذریعہ بیان کی ہے یا مولانا میری دید میں شامل ہو گئے ہیں۔ "گنبد" اور "دریا" کے درمیان کوئی ذہنی اور شعری تلازمہ نہیں ہے مگر دور سے جب گنبد خضریٰ پر نظر پڑتی ہے تو مولانا یاد آجاتے ہیں۔

جب دور سے وہ گنبد خضریٰ نظر آیا
بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آیا

مولانا کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسوؤں نے اس تلازمہ کو جنم دیا ہے۔

ایک بار میں نے غارِ ثور تک پہنچنے کا قصد کیا لیکن اپنی صحت اور غار کے راستے کی دشواریوں کے خیال اور اندیشے سے اس قصد کو فسخ کیا۔ اس مجبوری اور بے قراری کی ملی جلی کیفیت اور فضا میں مولانا یاد

آئے۔

غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مرے شوق کی بلندی، مرے حوصلے کی پستی

ایک بار مدینہ منورہ میں ہمارے شب وروز اس طرح گزر رہے تھے کہ غم دنیا اور کاروبار حیات کا خیال تک نہ آتا تھا۔ ہمارے دل فکر دو عالم سے آزاد تھے۔ اپنی سیاہ کاری کے درمیان صفا کی چمک پچھ یوں محسوس ہو رہی تھی کہ دل کی سیاہی چھٹتی معلوم ہوتی تھی۔ اس حسن بے مثال کی کیمیا اثری ہمارے وجود کو بدل رہی تھی۔ کسی نے پوچھا کہ شب وروز کیسے گزر رہے ہیں بے اختیار زبان پر مولانا کا مصرع آ گیا

میں نے غم دنیا کی صورت بھی نہ پہچانی

اور

دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

مولانا حسرت موہانی کی نعتیہ شاعری اُن کی سوانح حیات کا باب جلی ہے۔ وہ اردو غزل کی حیات نو کے مسیحا ہونے کے ساتھ ساتھ "سید الاحرار" بھی تھے۔ بیسویں صدی میں سیاسی سطح پر آزادی کامل کا نعرہ سب سے پہلے حسرت نے بلند کیا۔ اُس وقت جب گاندھی جی اور کانگریس کی اعلیٰ قیادت ہندوستان کے لیے درجہ نو آبادیات (ڈومینین اسٹینس) مانگ رہی تھی۔ آزادی کی اس عملی جدوجہد میں اس ذات عالیہ کی یاد اور اس کی امداد کا یقین ہر لمحہ حسرت کے ساتھ رہا جو اس خاک داں میں انسان کی زنجیر غلامی کاٹنے اور اللہ کی عبدیت کے وسیلہ سے انسان کو کو آزادی عطا کرنے آیا تھا۔ حسرت کی نعتیہ شاعری میں یہ روئداد نظر آتی ہے۔

فرمائیں مدد سیدِ والائے مدینہ
ڈر غلبہ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک

قید میں بے گماں درود شریف
اسم اعظم ہے قیدیوں کے لیے
ہم کہاں اور کہاں درود شریف
یہ بھی اک فیض عشق ہے ورنہ

اب تو انصاف اس ستم کا دستِ پیغمبرؐ میں ہے
قبضہ یثرب کا سودا دشمنوں کے سر میں ہے

شان لاخوف علیہم، شیوہ لایحزنوں
اہل ایماں رکھتے ہیں کامل بہ فتویٰ جنوں
گرچہ دیوانے ترے ظاہر میں ہیں زار و زبوں
کامیاب و کامراں ہیں، شادکام و شادماں

حسرت کی زندگی کا خاصا حصہ قید فرنگ میں گزرا، اور قید کی صعوبتوں اور آزمائشوں نے بھی اُن کے معمولات اور طرز حیات کو متاثر نہیں کیا۔ یادِ سید والائے مدینہ نے انہیں جدوجہد آزادی کی کامیابی کا

یقین بھی دلایا اور قید کے شب و روز کو سہل بنایا۔ وہ جو بظاہر صید زبون فرنگ نظر آتے تھے، ان کے دلوں میں نہ کوئی حزن تھا نہ خوف اور شاد کام و شادماں لمحوں کے مالک تھے۔ بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں کے تیور ایسے تھے کہ سرزمین حجاز اغیار کا ہدف تھی۔ حسرت کو یقین تھا کہ ستم شعار خاسر و نامراد رہیں گے اور رسول عربی کا دستِ غالب غیروں کی تدابیر کو دیوانے کے خواب میں بدل دے گا۔

مولانا حسرت موہانی کے نعتیہ اشعار میں غزل کی روایات کی دل آویزی بڑے توازن کے ساتھ نظر آتی ہے۔ مولانا اپنی زندگی میں تو بہت سے معاملات میں انتہا پسند تھے لیکن بارگاہِ رسالت میں نفس گم کردہ نظر آتے ہیں۔ غزل کی روایات کے ساتھ ساتھ اُن کے عہد کی نعت گوئی کے لوازم بھی ہمیں مولانا کے یہاں ملتے ہیں۔ ردیفوں میں نعت کا روایتی رنگ ملتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ عشق کے وہ پہلو جو نعت گوئی میں روایتی ہونے کے باوجود روایتی نہیں۔ صحرائے مدینہ سے وابستگی، قامت دل جوئے دوست کا تذکرہ، دشت یثرب کے غبار کی نظر افروزی، درود و سلام کی تکرار اور خوشبوئے رسالت سے دل و جاں کا معطر ہونا۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کے التفات کی تمنا اور آپ کے التفات پر یقین، نعتوں کی یہ ساری فضا آشنا آشنا سی ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ اس میں مولانا کی ذات کی جلوہ گری بھی ہے۔ مولانا جب مواجہ شریف میں اپنا سلام اپنے جد کے حضور پیش کرتے ہوں گے تو یقین ہے کہ انہیں جواب ضرور ملتا ہوگا "وعلیکم یا ابنی" اور یہ یقین اس وعدے کی بناء پر ہے کہ مواجہ شریف میں سلام پیش کرنے والے خادموں کے سلام کا جواب وہ آقائے رحمت لقب خود دیتا ہے۔ سلام اس پر، درود اس پر

اہل دل کرنے لگے ہیں جس کو نقشِ لوحِ جاں
ہے الف اللہ کا، یا قامتِ دلجوئے دوست

خوشبوئے رسالت سے ہے ازبسکہ معطر
ہر ذرۂ آبادی و صحرائے مدینہ

سرمہ طور میں کہاں وہ اثر
دشتِ یثرب کے جو غبار میں تھا

نور سے ایمانِ خالص کے معطر تھا جہاں
اب کہاں سے آئے وہ عہد درخشانِ رسولؐ

حسرتِ محروم ہے اُمیدوارِ التفات
اس طرف بھی اک نظر میر سامانِ رسول

میں بھی ہوں اک فقیر حاجت مند
کرم اے بادشاہِ جود و سخا

تہذیب نظر سے ترے دیدار کے طالب
پورے تو کریں پہلے زیارت کے شرائط

خیالِ غیر کو دل سے مٹا دو یا رسول اللہؐ
خرد کو اپنا دیوانہ بنا دو یا رسول اللہؐ

شوق پہنچا حد جنوں کے قریب ہے ہوا داریٔ دیار حبیب
لے جا پھر کشاں کشاں ہم کو دل اسی ارضِ محترم کے قریب
لو مدینے کو پھر چلے حسرت دیدنی ہے یہ ماجرائے غریب

کون جانے کہ حسرت کا شمار جنت البقیع کے مکینوں میں ہو۔ اس کے کرم کے پہلو عجیب ہیں

فیض صاحب اس درجہ اور بلندی پر فائز نہیں کہ ہم میر، غالب اور اقبال کی طرح انہیں "عظیم" شاعر کہہ سکیں، لیکن وہ اردو کے بہت اہم شاعر ہیں۔ عہد حاضر کی شاعری کے معماروں میں سے ہیں اور فنی طور پر ان کی سی مرصع سازی کی زیادہ مثالیں ہمارے ادب و شعر میں نہیں ملیں گی۔ وہ کمال کے صناع ہیں اور وہ ہماری زبان میں حافظ کی یاد دلاتے ہیں۔ اُن کی ایجادِ معانی تو خداداد ہے مگر ان کی صناعی ان کی محنت اور خونِ جگر کی رہین منت ہے۔ فیض صاحب کے نعتیہ شعر /"ہر راہ پہنچتی ہے تری چاہ کے در تک"/ کے سلسلہ میں ہم نے عرض کیا تھا کہ "لفظوں کو ایسی لسانی فضا عطا کی گئی ہے کہ وہ حدود اور تنگیوں کو توڑ کر وسعتوں کی طرف پرواز کرتے نظر آتے ہیں۔"

فیض صاحب کے دو شعروں پر تو گفتگو آپ کے سامنے آچکی ہے اب چند اور شعر ملاحظہ کیجئے

رنگ و خوشبو کے حسن و خوبی کے تم سے تھے، جتنے استعارے تھے

یہ جفائے غم کا چارہ، وہ نجات دل کا عالم ترا حسن دست عیسیٰ، تری یاد روئے مریم

سیکھی یہیں مرے دلِ کافر نے بندگی ربِ کریم ہے تو تری رہ گزر میں ہے

تیسرے شعر میں لہجے کا گداز اور نرمی دیدنی ہے۔ یہ سوز اور لفظی و معنوی تلازمے عہد حاضر کی غزل میں فیض صاحب کی شناخت ہیں۔ بندگی کا لفظ اس شعر کے معانی کی کلید ہے۔ محبت سے آدمی عاجزی سیکھتا ہے، غریبوں کی حمایت سیکھتا ہے، یاس و حرمان اور دکھ درد کے معانی سیکھتا ہے۔ محبت کے یہ اخلاقی اور سماجی معاملات اور پہلو فیض صاحب کی نظم "رقیب سے" میں اس طرح آگئے ہیں کہ اس نظم کو ہمارے شعری ادب میں ایک منفرد حیثیت حاصل ہو گئی ہے (اگرچہ رقیب کے بارے میں ان احساسات کا اظہار دوسرے شاعر فیض صاحب سے پہلے کر چکے تھے) لیکن بندگی کا علاقہ دنیوی محبت سے قائم نہیں ہوتا۔ پھر دل کافر تو عشقیہ شاعری میں ایک خوبی کا درجہ رکھتا ہے۔ اور محبوب کی رہ گزر تو جنت کی راہوں سے عزیز تر ہوتی ہے اور رب کریم کی تلاش اس کوچے کے شعری قرائن سے علاقہ نہیں رکھتی۔ شہر تاریخ انسانی میں سب سے آباد اور ہمہ گیر رہ گزر محمدی ﷺ ہے۔ اس رہ گزر پر شاہی سر جھکا کر چلتی ہے، اور فقیری کی روش

میں ہر دو جہاں سے بے نیازی نظر آتی ہے۔ اس رہ گزر پر سنت رسول اکرم کا سایہ، سروں پر چھایا ہوا ہے، یہاں بندگی کے چراغ روشن ہیں۔ ملکوتی صفات انسانی عمل کے قالب میں ڈھل کر یہاں جلوہ گر نظر آتی ہیں اور یہ صفات رب کریم تک ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ نبوت محمدی ﷺ، اثبات حق کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ دیدہ صدیق سے دیکھو تو

از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

ایمانیات کے درس میں توحید پہلے آتی ہے اور نبوت اس کے بعد، مگر مومن کی زندگی میں نبوت محمدی ﷺ پہلے آتی ہے اور توحید اس کے بعد۔ حضور ﷺ کی زندگی اور سیرت کو دیکھ کر سابقون الاولون ایمان لائے اور یہ سلسلہ آپ کے وصال کے چودہ سو سال بعد بھی جاری ہے۔

فیض صاحب کا یہ شعر ذاتِ رسول کریم سے وابستگی کی عجب مثال ہے۔ احسان دانش صاحب کے حوالے سے میں یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ ممکن ہے شاعر کو اپنی تخلیق کے تمام معانی، محرکات اور وسعتوں کی خبر نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے کسی محدود موضوع یا تجربہ پر کوئی ایسا شعر کہا ہو جو حدود کو پھلانگ کر لامحدود کی قلمرو میں قدم رکھ دے۔ ہم میں سے کون، کسی شاعر کے کلام کے پس منظر اور محرکات ذہنی کے بارے میں یقین سے کہہ سکتا ہے مگر فیض صاحب کے پس منظر، دینی ادب سے ان کے شغف اور شخصیت کے اجزائے ترکیبی، اور اسی کے ساتھ ساتھ ان کے فنی سلیقہ اور الفاظ کے استعمال کے سلسلہ میں ان کے رویے کے پیش نظر ہم یہی کہیں گے کہ فیض صاحب کا یہ شعر نعت کا شعر ہے۔ پھر "جتنے چراغ ہیں......" کے سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ فرمایا تھا اس سے بھی ہمارے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے اور ان کے ارشاد کی روشنی میں ہم نے ان کے اس شعر کو بھی نعت کا شعر کہا ہے۔

رنگ و خوشبو کے، حسن و خوبی کے
تم سے تھے، جتنے استعارے تھے

اور آخر میں فیض صاحب کا ایک ایسا شعر جس نے نعت کے ایک پرانے مضمون کو نئی جہت دے دی ہے۔ جنت کے مقابلے میں مدینہ کو ترجیح دینا روایتی نعت گو شعراء کا شعار بن گیا ہے۔ میں اس پر اپنے ایک گزشتہ مضمون میں تفصیلاً لکھ چکا ہوں۔ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مدینہ تو سرکار دو عالم کی نسبت سے ہمیں عزیز ہے اور جب سرکار کی محفلیں جنت میں آراستہ ہوں گی تو کسی دوسرے مقام سے مقابلہ کا کیا سوال۔ پھر یہ کہ جنت مومن کے لیے اللہ کا انعام اور اجر ہے اور اس کی رضا کا اشارہ۔ غالب نے اس "تقابل" کی فضا کو ختم کیا یہ کہہ کر کہ خدا کرے جنت کسی کی جلوہ گاہ ہو ــــــ فیض صاحب نے "راہ جاناں" اور "جنت" دونوں میں مطابقت پیدا کر دی ہے۔ ان کے شعر میں رحمت حق کا نہایت وسیع پہلو ہے۔ اسی کی رحمت سے آدمی کو اس راہ پر سفر کی توفیق ملتی ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں سے واقف ہیں مگر رحمت حق سے انہیں اُمید ہے کہ اس "سمت" بھی وہ

سفر کریں گے، زندگی کی نہج بدلے گی، زندگی کا نیا منظر نامہ کھلے گا۔ جنت ان کا مستقر ٹھہرے گی، مگر وہ یہ سفر "براہِ رہِ جاناں" کرنا چاہتے ہیں۔ یہ شعر اردو نعت کے مختصر ترین انتخاب میں بھی ممتاز جگہ پانے کا مستحق ہے۔

رحمت حق سے جو اس سمت کبھی راہ ملے
سوئے جنت بھی براہِ راہ جاناں چلئے

خدا کرے کہ اُن کی یہ تمنا حقیقت بن گئی ہو۔

عہد حاضر کی غزل میں کئی رجحانات اُبھرے ___ قیام پاکستان کے فوراً بعد لٹے ہوئے قریوں، چھوڑی ہوئی گلیوں، بچھڑنے والے احباب اور مناظر کی تصویریں غزل کے ذریعہ ہمارے ادب کا حصہ بن گئیں۔ اس دور میں شعوری اور غیر شعوری طور پر میر صاحب کے اسلوب اور لغت شاعرانہ (ڈکشن) کی تقلید کی گئی۔ یہ اسلوب ناصر کاظمی، ابن انشاء، شکیب جلالی، محشر بدایونی اور دوسرے شعراء کے ہاں ملتا ہے۔ بے ثباتی دنیا کا نقش پچاس کے عشرہ کی شاعری میں ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی سیاسی رنگ بھی اس دور کی غزل میں نمایاں ہے۔ حفیظ ہوشیار پوری، عابد علی عابد وغیرہ بھی اس سے گریز نہ کر سکے۔ اس انداز کے نمایاں ترین شاعر احمد ندیم قاسمی ہیں۔ اس کے بعد تجربہ کا رنگ اُبھرا۔ ہمارے شعراء تنہائی کے جزیروں میں اپنے آپ کو مقید سمجھنے لگے۔ جب معاشرتی رشتے کمزور پڑتے ہیں تو زندگی کے مسائل کی جگہ تجریدی خیالات غالب آجاتے ہیں۔ مرزا غالب نے اس حقیقت کو پالیا تھا

کوئی آگاہ نہیں باطن یک دیگر سے
ہے ہر اک شخص جہاں میں ورق ناخواندہ

پھر "لایعنیت" کا ایک دور آیا۔ یہ دور کچھ تو حالات کا پیدہ کردہ تھا اور کچھ دو نہایت اچھے اور "شریر" شاعروں کا کارنامہ جنہوں نے دوسروں کی راہ کھوٹی کی اور چپکے چپکے مسکراتے رہے اور پھر سنجیدہ، فکری شاعری کی طرف لوٹ آئے۔ اُس دور میں ایسی غزل سامنے آئی جسے ماضی میں "ہزل" کہا گیا تھا۔

گھر میں سب کے قفل پڑے تھے
باہر کیوں گائے ہندھی تھی

چھپکلی نے اپنے منہ میں داب رکھا ہے مجھے
اور میں کیڑے مکوڑوں کی طرح لاچار ہوں

لایعنیت کے جواز میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جب زندگی ہی ایک کارِ عبث اور مہمل بات نظر آئے تو ادب اس تاثر سے خالی کیسے ہو سکتا ہے۔ ادب تو زندگی کا عکس ہے۔ یہ دلیل بظاہر تو بہت معقول معلوم ہوتی ہے لیکن اگر اسے قبول کر لیا جائے تو ادب کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ ادب تو انسانی ذہن اور جذبات کے ایسے ربط اور ہم آہنگی کا نام ہے جو زندگی کو معنویت عطا کرتی ہے اور اسے انسانی سطح پر جیے جانے کے قابل بناتی ہے۔ ماحول میں جتنا انتشار ہو گا ادیب و شاعر کی ذمہ داری اسی درجہ بڑھ جائے گی۔

اردو غزل کو اس لایعنیت سے نکالنے اور اس کو اس کی گم شدہ فکری اور جذباتی سطح دلانے کا سب سے بڑا سبب اور محرک ذکر و ذاتِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ ہمارے ادب کی بیشتر اقدار اسلام کا عطیہ ہیں۔ حریتِ فکر، عمل، کائنات سے رشتہ، انسانوں کا باہمی تعلق، انسان اور اللہ کے درمیان ربط، کائنات اور اس کے نظام میں انسان کی مرکزیت ____ اردو کا غزل گو اپنے اس ورثہ سے بہت دیر تک لاتعلق نہیں رہا اور اسی تعلق کے دوبارہ جڑنے کے بعد ہماری غزل اس راستے پر آگے بڑھتی رہی جو انسان کے مقدر اور کائنات کے حسن اور مفہوم کا راستہ ہے۔ اس لایعنیت کے دور میں بھی ایسے شاعر موجود تھے جو زندگی کو رنگ اور خوشبو، حسن اور خیر سے عبارت جانتے تھے اور جن کی تخلیقات راہ گم کردہ ساتھیوں کو لوٹنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ احمد ندیم قاسمی، فضل احمد کریم فضلی، سراج الدین ظفر اور شیر افضل جعفری ایسے ہی شاعروں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اختصار کے ساتھ ان کی غزلوں میں نعت کے جلوے اور جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔

قاسمی صاحب کا مجموعہ جلال و جمال شائع ہو چکا تھا اور قیامِ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں شاید یہ سب سے ضخیم شعری مجموعہ تھا۔ اور اس کی ضخامت شاعر کے "پُر دم" ہونے کی دلیل تھی۔ یہ بات بھی میرے نزدیک اہمیت رکھتی ہے۔

اُن دنوں شاعری ہماری خلوتوں کی بھی رفیق تھی، بزمِ یاراں میں موضوعِ گفتگو بھی تھی اور ہمارے خطوں میں ہمارا ذریعہ اظہار بھی تھی۔ قاسمی صاحب کی ایک غزل میں کسی کے لیے مجھے اپنے جذبات کی ترجمانی نظر آئی اور جب میں کسی کو خط لکھنے بیٹھا تو اس شعر نے میرا مدعا بیان کر دیا

یہ کیا طلسم ہے دریا میں بن کے عکسِ قمر
رُکے ہوئے بھی تھی ہو، رواں دواں بھی تھی

لیکن اس غزل کا ایک دوسرا شعر میں خط میں نہ لکھ سکا

خدا کا شکر، مرا راستہ معین ہے
کہ کارواں بھی تھی، میر کارواں بھی تھی

مجھے شدت سے احساس ہوا کہ آج کا کوئی محبوب اس شعر کا مصداق نہیں ہو سکتا اور یہ میں، ایک فردِ واحد

نہیں ایک اُمت ہے۔ انسانوں کی ایک مسلسل جماعت ہے جو اپنے میر کارواں کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ کی راہوں سے گزر رہی ہے۔ اور اُس وقت سے اب تک چالیس سال کی اس مدت میں، میں نے جسے بھی یہ شعر سنا کر اس کے مطالب پر گفتگو کی اس نے یہی کہا کہ یہ نعت کا شعر ہے۔ یہ شعر ہمارے اجتماعی سفر، ہمارے راستے اور ہماری منزل کا سراغ ہمیں دے رہا ہے۔

فضل احمد کریم فضلی پختہ اور بیدار ملی شعور کے مالک تھے۔ ان کی نظمیں اس کی شاہد ہیں۔ ان کے ناول پاکستان کی قومی اور سیاسی زندگی کی دستاویزوں کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی دردمندی کا فنی اظہار ہیں۔ غزل میں بھی اُن کا یہ انداز کہیں کہیں اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ اُن کی ایک غزل میں نعت کا یہ سادہ، پرتاثیر اور وسیع پس منظر کا حامل شعر نظر آتا ہے۔

جب کوئی آپ کا بن گیا ہے
آدمی ہی نیا بن گیا ہے

سرورِ کائنات ﷺ کی نظر کیمیااثر سے آدمی، کردار اور اعمال کے اعتبار سے یکسر بدل جاتا ہے۔ رات، دن کی چادر اوڑھ لیتی، وحشت، انس اور شائستگی میں بدل جاتی ہے۔ سیرت سازی قرآن حکیم کا موضوع اور نبی اکرم ﷺ کے راستے اور سنت کا حاصل ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی تذکارِ محمد ﷺ سے آدمی کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ فضلی صاحب یہ شعر تصویر نہیں بلکہ مرقع ہے۔

سراج الدین ظفر ہمارے اُن شعراء میں سے ہیں جن کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ انہیں بس شراب و شباب کا شاعر قرار دے کر عبدالحمید عدم کے خانے میں رکھ دیا گیا یا پھر اردو غزل کا مطالعہ کرتے ہوئے ریاض خیر آبادی، جگر مراد آبادی اور اختر شیرانی کے تذکرے کے بعد ان کا نام بھی بعض دوسرے شاعروں کے ساتھ شمار کر لیا جاتا ہے۔ سراج الدین ظفر کا لہجہ دوسرے خراباتی اور خمریاتی شاعروں سے مختلف ہے۔ وہ بہت سجا کر شعر کہتے ہیں اور اردو میں شعری صناعی کے نمائندوں میں سے ایک ہیں۔ ظفر مضبوط شاعرانہ شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے نعت بھی اپنے لہجہ خاص میں کہی

سبوئے جاں میں چھلکتی ہے کیمیا کی طرح
کوئی شراب نہیں عشق مصطفیٰ ؐ کی طرح
قدح گسار ہیں اس کی اماں میں جس کا وجود
سفینہ دوسرا میں ہے ناخدا کی طرح

سراج الدین ظفر کی رندی، اپنے دامن میں ایک ذہنی سرشاری رکھتی تھی۔ اس رندِ باصفا کو نسبت رسول

امین پر بڑا اعتماد تھا اور اس کا اعتماد غزل کے اس شعر میں ڈھل گیا

دیرینہ مراسم بُت چالاک سے رکھیے

اُمید کرم پھر شہ لولاک سے رکھیے

بات سراج الدین ظفر تک محدود نہیں۔ کتنے ہی لوگ ہمیں زندگی میں ملتے ہیں جو بظاہر بہت مذہبی نہیں ہوتے بلکہ اپنی عقیدتوں اور محبتوں کو چھپاتے ہیں۔ عرش صدیقی ایسے لوگوں میں سے تھے۔ ان کے افسانوں اور شعر میں کوئی مذہبی رنگ نہیں تھا مگر نسبت سلطانِ مدینہ ان کے خمیر میں شامل تھی۔ اہل ایمان کی مٹی ان روایتوں سے گوندھی جاتی ہے جن میں اللہ محمد اور قرآن کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عرش دوبارہ مذہب اور ایمان کی بارگاہ میں اسی محبت نبیؐ کے وسیلے سے پہنچے۔ ان کا یہ شعر ان کی سوانح ہے۔

کہتے ہیں کہ ہے عرش نگوں پائے نبیؐ پر

ایسا وہ کوئی صاحب ایماں تو نہیں تھا

اور پھر ان کے آخری دنوں میں یہ رنگ گہرا ہوتا گیا۔ ان کے دوہوں کا مجموعہ "کملی میں بارات" نعتیہ ہے اور شاید اپنے انداز کا پہلا مجموعہ ہے۔

عرش صدیقی سے ظہور نظر اور عارف عبدالمتین یاد آگئے جنہوں نے اشتراکیت کے خیمے میں زندگی کے بہت سے ماہ و سال گزارنے کے بعد طیبہ نگر کی شہریت قبول کی اور یوں کہ ان کے دماغ کے ساتھ ساتھ ان کا دل بھی حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کا مسکن بن گیا۔

اب کسی تبصرے اور تمہید کے بغیر چند اور غزل گو شاعروں کی غزلوں کے نعتیہ شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

مرد خدا کی عظمت کردار دیکھ کر عرش بریں پہ شان خدا جھومنے لگی

(شیر افضل جعفری)

کہ جس کا چاند پر، نقش قدم سلگتا ہے یہ کون سوچ پہن کر گیا ہے سوئے فلک

(شیر افضل جعفری)

شیر افضل جعفری کی طرح پیرزادہ قاسم تصوف کی روایتوں کے امین ہیں۔ حضور ﷺ کی محبت اپنے والد، خاندان کے بزرگوں اور اپنے جد امجد حضرت ابو بکر صدیقؓ سے انہیں ورثہ کی طرح ملی ہے۔ چاند کو دیکھ کر انہیں معراج نبی یاد آئی اور پھر انہوں نے مشاہدہ قمر کو ایک بڑا شعری تجربہ بنادیا۔

اک لمحہ قربت کا طلب گار رہا چاند

انساں کے لیے کب سے تھا آغوش کشا چاند

یہ دشت خلا کس کی گزرگاہ ہے سوچو

وہ کون کہ جس کا ہے یہ نقش کف پا چاند

(پیرزادہ قاسم)

بہار ہو کہ خزاں کارگاہ ہستی میں انہیں کسی سے غرض کیا، جو تیرے ہو جائیں

(صہبا اختر)

سورج، چاند، ستارے سارے، ازل، ابد، یہ جگ اُجیارے
اُتر دکھن، پورب پچھم، پھیلی ہے تیرے نور کی خوشبو

(رفعت القاسمی)

پہنچ جاتا ہوں اک جست میں شہر مدینہ تک
اگرچہ سرزمین خواب ناہموار ہوتی ہے

(عثمان رمز)

وہ دل کو آشنائی دے گیا ہے گدا کو بادشاہی دے گیا ہے

(محمد رئیس علوی)

ہمیں یہ منصب عالی بہت ہے ترے کوچے میں مثل خاک ہونا

(امتیاز ساغر)

جلیل عالی ان شاعروں میں سے ہیں جن کو کسی حلقہ اثر (Lobby) نے نہیں اپنایا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے نام اور تخلص نے کبھی ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور واضح اسباب کی بناء پر جمیل الدین عالی کی تقریباً ہم نامی نے جلیل عالی کو نقصان پہنچایا ہے۔ بہر حال انکے ہاں اسلوبی انفرادیت ہے، اور بعض تصورات و مضامین پر انہوں نے اپنی چھاپ لگادی ہے۔ اِسم سے فعل بنانا اردو کی ایک معروف ادا ہے۔ مثلاً برف سے برفانا اور برق سے برقانا، لیکن اس بنیاد پر زبان کو وسعت دینے کے عمل سے ہم پرہیز ہی کرتے ہیں۔ جلیل عالی کے ہاں اس طریق کار کی مثالیں بہت ہیں۔ ممکن ہے کہ پنجابی میں یہ طریق لسانی مستعمل ہو۔ اردو والے اسم کے ساتھ کرنا کے لاحقہ سے "فعل" بناتے ہیں مثلاً غسل کرنا، تعمیر کرنا، تسخیر کرنا وغیرہ۔ جلیل عالی نے "تسخیرے"، "تعمیرے"، "اسیرے" وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مجموعے شوق ستارہ کی پہلی غزل میں یہ اسلوب حضور ﷺ کی ثنا کے لیے اختیار کیا ہے۔ اس غزل پر "نعت" نہیں لکھا ہے بلکہ " ؑ " کا اختصاریہ (abbreviation) استعمال کیا ہے۔ غالباً قاری کی سہولت کے لیے۔ یہ سرکار کی نسبت اور رشتہ سے پیدا ہونے والے اعتماد، ناز، اور نتائج کی ثمر آوری کا اعلانیہ ہے۔ صاحبِ معراج کی محبت نے جس شخص کی تعمیر کی ہو دنیا اسے تسخیر نہیں کر سکتی، جس کا سفر مدینہ کی طرف جاری ہو وہ خزف ریزوں کو اپنے قدموں سے گہر بنا سکتا ہے۔ فخر رسل ؐ کا نام ہماری بے وصفی کو توقیر میں بدل دیتا ہے۔

دُنیا کیا تسخیرے مجھ کو
شوق ترا تعمیرے مجھ کو
تیرے دھیان کے اپنے موسم
کیسے وقت اسیرے مجھ کو
تیرے نگر کی سمت رواں ہوں
کنکر، پتھر، ہیرے مجھ کو
میں بے وصفا، میں بے ہنرا
نام ترا توقیرے مجھ کو

کائنات کے فصیح ترین انسان کے ذکر کی یہ کرامت تو دیکھئے کہ یہ اظہار (تسخیرے، تعمیرے) اجنبی نہیں محسوس ہوتا۔ جلیل عالی نے اپنے سارے اظہار اُس ذاتِ عالیہ کے نام کر دیئے ہیں جو دلوں کو بھی تسخیر کرتی ہے اور لفظوں کو بھی

وہ جس کا شوق سوچوں میں ستارے ٹانکتا ہے
اُسی کے نام ہیں عالی مرے اظہار سارے

سلیم کوثر آج کے اُن شاعروں میں سے ہے جن کو آج کی شاعرانہ زبان اور حساسیت وادراک کے ساتھ مدحتِ شاہِ مدینہ کا منصب سونپا گیا ہے۔ سلیم کوثر ایسا درویش اور فقیر ہے جو صنعتی شہر کے شوروشغب کے درمیان اپنے لئے ایک "زاویہ" اور خانقاہ تعمیر کر لیتا ہے اور اس میں مراقب ہو جاتا ہے۔ وہ حُبِ نبیؐ سے وقت کو تسخیر کر لیتا ہے۔ چاروں طرف گونجتے ہوئے شور میں اس کی ذات کی خانقاہِ سکوت اور چپ کدہ گونجتا ہے کیونکہ وہ ہمہ وقت اسم محمد ﷺ کی تسبیح خوانی میں مصروف ہے

یہ دل تسبیح پڑھتا ہے کسی کی
میں اپنے چپ کدے میں گونجتا ہوں

سلیم کوثر جب زندانِ معاش سے فارغ ہوتا ہے تو حلقۂ سادات میں اپنا وقت گزارتا ہے۔ آج کے سیدوں سے پٹھ ملے یا نہ ملے ____ یہ اس کا مسئلہ نہیں۔ اس کے لیے تو یہی بہت ہے کہ یہ سید، سید السادات سے نسبی رشتہ رکھتے ہیں۔ وہ سید السادات جو تخلیق کدۂ ارض و سما کا واحد عالی نسب ہے۔

وہ جس کی ذات سے سب عظمتیں منسوب ہیں، ہم بھی
اسی اک شخص کو عالی نسب تسلیم کرتے ہیں

"اسی اک شخص" "ذات"، "سب عظمتیں" یہ سارے اشارے کتنے واضح ہیں۔ ہماری غزل کیسی مومنہ ہے

کہ حبِ رسول کے کوہِ گراں کو اس نے سنبھال رکھا ہے۔

سلیم مثالیہ کی تلاش میں کوچہ حرف و دیارِ سخن میں سرگرداں رہا، متلاشی رہا، اس لیے آنکھیں کاسہائے ذوق نظر بن گئیں اور رحمت للعالمین کی رحمت کو کیسے گوارا ہو تا کہ وہ ناکام رہتا

جز ترے قریہ عالم میں نہیں جچتا کوئی
آنکھ میری سہی، معیارِ نظر تیرا ہے

حضور ﷺ کی بشریت کو سلیم کوثر نے جس نزاکت خیال اور آداب ایمان کے ساتھ سمجھا اور پیش کیا ہے اس کی مثال میں کہاں سے لاؤں۔ بہت دنوں کی بات ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں نعیم حامد علی صاحب سے کہا کہ "مکہ معظمہ میں سانس لیتے ہوئے بھی ایک جلال کی کیفیت محسوس کرتا ہوں اور مدینہ منورہ میں جیسے میرے سینے کی کشادگی بڑھ جاتی ہے۔ میں اپنی اس کیفیت سے ڈرتا ہوں۔ شاید میں بہت کمزور ہوں۔ قرب الٰہی کے تصور سے کانپ جاتا ہوں، حالانکہ جانتا ہوں کہ وہ ذات میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔" اور نعیم صاحب نے میرا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا "خوف کی ضرورت نہیں۔ بات یہ ہے کہ آدمی، آدمی کے کام آتا ہے اور ہمارا آدمی تو ساری دنیا کے آدمیوں کی تسلی ہے" سلیم نے اس حقیقت کو کس طرح اپنی گرفت میں لیا ہے۔

نہ آسماں، نہ کبھی خاک ہی کی نذر ہوئے
ہم آدمی تھے سو اک آدمی کی نذر ہوئے

قارئین کرام! وادیٔ مدحت شاہِ مدینہ میں اتنے لمحات گزارنے کے لیے میں نے ربِ محمد ﷺ سے توانائی کی دعا مانگی تھی سو وہ قبول ہوئی مگر اب میں اس سفر میں تھک گیا ہوں۔ آخر میں سلیم کوثر کے چند اور شعر آپ کی خدمت میں پیش کر کے اجازت چاہوں گا تاکہ اس نام کی تسبیح خوانی کر سکوں، درود کی چھاؤں میں آرام کر سکوں اور اسم گرامی کو وظیفۂ جاں بنا سکوں۔

مسافرانِ جنوں گرد ہو گئے، لیکن   کھلا نہیں کہ تری رہ گزر کہاں تک ہے

اک نظر ہو تو کیا سے کیا ہو جاؤں   میں جو پتھر ہوں آئینہ ہو جاؤں
ان کی گلیوں کا قرض ہوں میں تو   دیکھیے کب وہاں ادا ہو جاؤں

اللھم صل علی محمد و علی ال محمد و علی ازواج محمد و علی اصحاب محمد و علی بنات محمد

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت
ساری اچھائیاں ایک انسان میں

(محشرؔ بدایونی)

منجانب

جاوید غوری (کراچی)

ڈاکٹر سید یحیٰی نشیط (بھارت)

اردو نعتیہ شاعری میں شمائل النبیؐ

نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۵ میں میرا ایک مضمون "اردو نعت کے موضوعات" پر شائع ہوا تھا۔ بعد میں اسی رسالے کے شمارے نمبر ۶ میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے بھی نعت کے چند نئے موضوعات تلاش کیے تھے۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے زیر نظر مضمون میں اردو کی نعتیہ شاعری میں شمائل النبیؐ کی ڈھونڈنے کی سعی کی گئی ہے اور صرف ان کتابوں پر تنقیدی و تحقیقی نگاہ ڈالی گئی ہے جو مستقلاً اسی موضوع پر مشتمل ہیں یا ان نعتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو خالصتاً آپ ﷺ کے شمائل ہی کے لئے مختص ہیں۔

"نعت" صرف آنحضرت ﷺ کے اوصاف حمیدہ و جلیلہ کی مدح ہی نہیں بلکہ وہ تمام موضوعات نعت کے زمرے میں آجاتے ہیں جو حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے کسی بھی پہلو سے متعلق ہوں۔ اسی لئے ایک خاص مکتبہ خیال کے لوگ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے نسبت پانے والے الفاظ کو بھی نعت شمار کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے نعت کا دائرہ کافی وسیع ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے خصائص و عادات کا بیان بھی بہ ایں نعت ہی کہلائے گا۔ شاید اسی لئے صاحب ترمذی نے حضور ﷺ سے متعلق احادیث کے مختلف ابواب مکمل کر لینے کے بعد آپ ﷺ کے شمائل کا ایک علیحدہ باب قائم کیا ہے۔

"شمائل" عربی میں جمع کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی عادتیں اور خصلتیں ہوتے ہیں۔ اسی کا واحد "شمال" عربی ہے۔ جس طرح لفظ "نعت" اصطلاحاً حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی تعریف اور آپ ﷺ کے اوصاف بیانی کے لئے مختص ہے اسی طرح "شمائل" کا اطلاق حضور ﷺ کے خصائص کبریٰ پر ہوتا ہے۔

اردو کے قدیم سرمایہ میں نعتوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے لیکن ہمارے شعراء نے تکمیل ذوق اور عقیدت کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے خلاق تخیل سے جام کوثر حاصل کرنے کے جتن منظوم شمائل لکھ کر کیے ہیں۔ آپ ﷺ کے شمائل کے بیان میں ان کی عقیدت اور ایمان و یقین کا یہ حال ہے کہ بعض شعراء نے تو دعویٰ تک کر دیا ہے کہ اگر کوئی انہیں اتنے بار پڑھے گا تو فلاں فائدے سے ہمکنار ہوگا اور یوں پڑھے گا تو

ایسا ہو جائے گا۔ جہاں ان شمائل کو پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے وہاں ان پر یقین نہ کرنے والوں کو ڈرایا بھی گیا ہے۔ شمائل النبی کے بیان میں بہت سی باتیں تو یقیناً کتب احادیث میں مل جاتی ہیں اور تواتر کے ساتھ ملتی ہیں، لیکن بعض واقعات ایسے بھی ان میں شامل کر دیئے گئے ہیں جن کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں یا ہے بھی تو کسی دوسرے مذہب یا اشخاص سے متعلق اور کھینچ تان کر انہیں آپ ﷺ کی ذات اقدس سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ یہ قصص و روایات غیر مستند ہوتی ہیں یا اساطیریت کے گھنے کہر میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان روایات کو جوشِ عقیدت میں کبھی درایت پر پرکھنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ انہیں بالائے تنقید سمجھا جاتا ہے۔ اردو میں ایسے مستند و غیر مستند روایات کے ہالے میں ترتیب دیئے ہوئے کئی "شمائل نامے" ملتے ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل مذکور کیے جا رہے ہیں۔

(۱) باز و فاختہ

حضور ﷺ کے شمائل میں یہ اردو کی پہلی مستقل تصنیف ہے۔ اس کا ایک نسخہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اسی عنوان سے کریمی پریس بمبئی سے ۱۳۳۹ھ میں ایک کتابچہ شائع ہوا تھا۔ یہ مطبوعہ نسخہ اس وقت راقم کے پیش نظر ہے۔ اس کا مصنف / شاعر طالبؔ ہے۔ یہ غیر معروف شاعر ہے۔ اس تخلص کے دو تین شعراء کا کلام حیدر آباد کے کتب خانوں میں دستیاب ہے لیکن کسی کے حالات زندگی اردو تذکروں میں مذکور نہیں۔ ان دونوں نسخوں میں حضور ﷺ کے ایثار و قربانی اور سخاوت کے متعلق ایک قصہ مثنوی کی ہیئت میں نقل ہوا ہے۔ قصہ اس طرح ہے کہ ــــــ

"ایک روز حضور ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک فاختہ اڑتی ہوئی آئی اور آپ ﷺ کے کپڑوں میں چھپ کر نہایت عاجزی سے ملتجی ہوئی کہ میں تین دنوں سے اپنے بچوں سے بچھڑی ہوئی ہوں۔ ایک باز میرا پیچھا کر رہا ہے اور مجھے کھا جانا چاہتا ہے۔ ماں کے بغیر میرے بچوں کا کیا حال ہوگا اتنے میں باز بھی وہاں پہنچ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ (فاختہ) میری غذا ہے لہٰذا اسے میرے حوالے کر دیجئے۔ میرے بچے تین دنوں سے بھوکے ہیں میں اس فاختہ کو خود بھی کھاؤں گا اور بچوں کو بھی کھلاؤں گا۔

حضور ﷺ اس سے کہتے ہیں کہ فاختہ میری امان میں ہے تو چاہے تو میں اس کے بدل تجھے اپنا گوشت دے سکتا ہوں۔ باز رخسار کا گوشت لینے پر راضی ہو جاتا ہے تو خلفاء راشدین اپنے رخساروں کا گوشت دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن باز سبھی کا انکار کرتا ہے بالآخر چھری سے حضور ﷺ خود اپنے رخساروں کو کاٹنا چاہتے ہیں تو باز اپنی اصلی شکل میں آکر حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے فاختہ بھی اپنی اصل شکل میں آجاتی ہے۔ باز کہتا ہے کہ میں عزرائیل ہوں اور یہ (فاختہ) جبرئیلؑ ہیں۔ ہم ایثار و قربانی اور سخاوت

بں آپ کا امتحان (خدا کے حکم سے) لے رہے تھے۔"

یہاں مطبوعہ نسخے کا قصہ ختم ہو جاتا ہے لیکن حیدر آباد کے مخطوطہ میں آگے فرشتوں کا عرش پر پہنچنا اور وہاں آپ ﷺ کی توصیف بیان کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔

ایسا ہی ایک قصہ "کبوتر نامہ" کے عنوان سے امیر مینائی نے بھی نقل کیا تھا لیکن ان کے یہاں اصل قصہ کی بجائے حسنِ بیانی کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ تینوں قصے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں حضور ﷺ کی سخاوت، خدا ترسی وغیرہ شمائل باطنہ کی موثر انداز میں ترجمانی کرتے ہیں۔ لیکن معمولی سی ترمیم کے ساتھ یہ قصہ غواصی نے اپنی مشہور تصنیف "طوطی نامہ" میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ "طوطی نامہ" میں "فاختہ" کی بجائے "کبوتر" کا ذکر ہے اور فرشتے ان کے یہاں میکائیل و جبرئیل ہیں۔ غواصی قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

سنی ہوں جو یک روز موسیٰ نبی   جو اپنا کلیم اس کھیا ہے ربی
جو بیٹھا نبوت کے جوں تخت اوپر   انگے آکبوتر یک اوس وقت اوپر
کھیا اے خدا کے نبی منج سنبھال   کہ ظالم مرے تک لگیا ہے دنبال
دیں ایسے منے پیٹ لگ ایک باز   کھیا اے نبی جو ہے توں کار ساز
بھوکا آج ہوں میں کبوتر کے پئے   لگیا سوچپا آترے پاس وے
دے من کوں جو بھوک استے اپنی گنواؤں   جماکر لے خاطر کوں تک امن پاؤں
سو اس وقت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ   کبوتر کوں انپڑا نہ دے اوس کے ہات
منگے جو دیوں اوس کبوتر کے بھار   اپن انگ کا گوشت کاڑ ایک بار
پکڑ ہات در حال او باز ویں   کھیا اے کلیم خدا محض میں
ہوں میکال میں ان سو ہے جبرئیل   کرن امتحاں تجھ کو رب الجلیل

(غواصی: طوطی نامہ۔ حیدر آباد، ص ۷۶۔ ۱۷۵)

لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ ٹھیک اسی طرح کا قصہ برادرانِ وطن کی اساطیری روایات میں بھی ملتا ہے۔

"اجین کے بادشاہ شیبی رانا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک دن وہ اپنی قبا کھولے دربار میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور ان کی قبال میں گھس گیا۔ پیچھا کرتا ہوا ایک باز دربار میں بادشاہ کے سامنے آکر کہنے لگا کہ مجھے میری خوراک (کبوتر) لوٹا دو۔ شیبی رانا نے اپنے ماحون (کبوتر) کو لوٹانے سے انکار کر دیا اور اس کے عوض اپنے سینہ کا گوشت دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ جب گوشت کاٹا جا رہا تھا تو تکلیف کی وجہ سے رانا کی داہنی آنکھ میں آنسو آ گئے۔ باز نے کہا کہ تم گوشت دینے میں مخلص نہیں ہو مجھے تمہارا

گوشت منظور نہیں۔ اس پر رانا نے جواب دیا کہ میری داہنی آنکھ سے گرنے والے آنسوؤں کی وجہ سے میرے اخلاص پر شک مت کرو۔ یہ آنکھ تو اس لئے رو رہی ہے کہ قربانی میں صرف میرے جسم کا بایاں حصہ ہی شامل ہے داہنا حصہ بھی اس میں شامل ہو جائے تو اس کے بھی مقدر چمک جائیں گے۔ بادشاہ کا جواب سن کر وہ پرندے اصلی ہیئت میں آگئے ان میں سے ایک نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں اگنی ہوں اور یہ ورون دیوتا ہے۔ اندر نے تمہارا امتحان لینے کے لئے ہمیں بھیجا تھا۔"

اس طرح یہ ایک روایت تینوں مذاہب میں ایک جیسی ملتی ہے۔ ادبیات عالم کے ایسے کئی موضوعات ہیں جو تاریخ واساطیری روایات کے مرہون احسان رہے ہیں۔ ادبی حسن کو دوبالا کرنے اور اس میں نکھار پیدا کرنے میں ان روایات نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ کسی بھی زبان کا ادب ان پر اپنی اجارہ داری ثابت نہیں کر سکتا۔ ایک ہی روایت کا مختلف مذاہب میں مل جانا تہذیبی و تمدنی اثرات کے ارتسام اور ردو قبول ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس میں نصوص واحادیث سے یہ کبھی ثابت نہیں ہو سکا کہ فرشتوں کا نزول کبھی حیوان وطیور کی شکل میں ہوا ہو۔ سورۃ ہود، مریم میں ابراہیم علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور مریم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتے کا شکل انسانی میں آنے کا ذکر ہے۔ کسی حیوان یا پرندے کی شکل میں آنے کی ایک بھی مثال نہیں ملتی۔ ہاں نصرانی اور یہودی علماء نے البتہ کبوتر یا باز کی شکل میں فرشتے کے نمودار ہونے کی داستانیں ضرور گھڑی ہیں۔ ایسے روایتی قصے درایت سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ یہ قوی الایمانی کا تو نہیں ضعیف الایمانی کا ذریعہ ضرور بن جاتے ہیں۔

(۲) قصہ ہرنی کا

وحوش وطیور کے ساتھ آپ ﷺ کی خدا ترسی، صلہ رحمی اور مروت کی کئی روایات کتب السیر میں ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض روایتیں صحیح ہیں اور بعض کا حقائق سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ بلکہ وہ موضوع اور منکر بھی ہوتی ہیں۔ صحیح روایتوں میں سے دو کافی مشہور ہیں۔

(ا) ایک بار ایک اونٹ پاگل ہو گیا تھا۔ اونٹ کا مالک یہودی کافی پریشان ہو کر آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور اپنی بپتا سنائی۔ آپ ﷺ یہودی کے حالات سن کر اس کے گھر تشریف لے گئے اور اونٹ کا کان پکڑ کر اس میں پھونک ماری جس سے اونٹ کا پاگل پن دور ہو گیا اور وہ آپ کا مطیع ہو کر آپ کے سامنے سجدے میں گر گیا۔

اونٹ کے بیمار ہو جانے پر ازراہ ترحم آپ ﷺ کا یہودی کے گھر جانا اور اونٹ کے کان میں پھونک مارنے کو میلاد خوانوں نے معجزہ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرا ایک واقعہ بھی اونٹ کے متعلق ہی ہے۔

(ب) روایت میں آیا ہے کہ انصاری کے باغ میں ایک اونٹ دھوپ میں بندھا ہوا تھا۔ اتفاق

سے آپ ﷺ کا گزر اسی طرف سے ہوا۔ اونٹ آپ ﷺ کو دیکھ کر بلبلانے لگا اونٹ کی آواز سن کر جب حضور ﷺ اس کے قریب گئے تو اونٹ کی آنکھوں میں آنسو دکھائی دیئے۔ آپ ﷺ نے فوراً اونٹ کے مالک کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ اونٹ تمہاری شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

اس نوع کے اور بھی کئی قصص من گھڑت اور غیر مستند ہمیں ملتے ہیں۔ لیکن وہ اس تواتر کے ساتھ نقل ہوئے ہیں کہ ان کا ضعف جاتا رہا۔ ایسی روایات میں کبوتری کا قصہ اور ہرنی کا قصہ کافی مشہور ہوا ہے۔

کبوتری کا قصہ یوں ہے کہ "ایک صحابیؓ جنگل سے کبوتری کے دو بچے پکڑ لائے۔ کبوتری اپنے بچوں کی خاطر ان کے ساتھ اڑتی اڑتی مدینہ آگئی۔ حضور ﷺ نے جب کبوتری کی بے چینی کو محسوس کیا تو بچوں کو آزاد کروادیا۔"

ہرنی کا واقعہ اس طرح ہے کہ ______

ایک یہودی جنگل میں شکار کے لئے پہنچا تو جال میں اس نے ایک ہرنی کو پکڑ لیا اور شہر لے آیا۔ حضور ﷺ جب اس یہودی کے پاس سے گزرے تو ہرنی گریاں کناں ہوئی اور نہایت آہ و زاری سے کہنے لگی کہ بچوں کو دودھ پلا کر لوٹنے تک میری ضمانت لے لیجئے۔ میں ابھی انہیں دودھ پلا کر جنگل سے واپس آتی ہوں۔ حضور ﷺ نے اس ہرنی کی ضمانت لے لی۔ بچوں کو دودھ پلا کر جب وہ واپس آئی تو یہودی یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا اور فوراً آپ ﷺ کے ہاتھوں بیعت ہو کر ایمان لے آیا اور ہرنی کو آزاد کر دیا۔

اس روایت کو اتنی بار دہرایا گیا ہے کہ اس پر اصلیت کا رنگ چڑھ گیا۔ پھر اس کی رقت انگیزی بلا کی ہے کہ دلوں کو تڑپا دیتی ہے اور جذبات پھوٹ پڑتے ہیں۔ شاعری میں ایسے واقعات اپنی مثال ہوتے ہیں۔ اس لئے شعراء صحیح واقعات کی بہ نسبت غیر مستند روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔ مجالس میلاد میں ان قصوں کو بڑے موثر انداز میں گایا جاتا ہے کہ ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ ہرنی کے اس قصہ کی نشاندہی ڈاکٹر سید محی الدین زور نے اپنی تالیف تذکرہ اردو مخطوطات میں کی ہے۔ اس کے علاوہ یہ قصہ سالار جنگ میوزیم، آصفیہ لائبریری، کتب خانہ، جامع مسجد بمبئی وغیرہ کئی جگہ مطبوعہ و مخطوطہ دونوں شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ انیس اشعار کی مثنوی ہے جس کا شاعر مجہول الاسم ہے۔ تقدم زمانی کے لحاظ سے یہ گیارہویں صدی ہجری سے قبل کی تصنیف ہے۔ نظم میں ردیف کا التزام ہے لیکن قوافی کا کوئی اہتمام نہیں۔ شعر حسن سے عاری یہ مثنوی حسن عقیدت کا اچھا نمونہ ہے۔

(۳) قصیدہ معجزہ

آنحضرت ﷺ کی صلہ رحمی کے متعلق ایک اور قصہ جنونی گجراتی نے قصیدے کی ہیئت میں لکھا ہے۔ زور مرحوم نے اس کا سنہ تصنیف ۱۱۰۲ھ بتایا ہے۔ اس قصیدے میں شاعر نے آنحضور ﷺ سے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ ایک مسلمان حضور ﷺ کے پاس ایک یہودی کے کتے کی شکایت لے کر حاضر ہوا۔ کہنے لگا کہ اس کا کتا مجھ پر بھونکتا ہے اور کپڑے پھاڑ دیتا ہے۔ مسلمان کی شکایت سن کر آپ ﷺ یہودی کے گھر پہنچے اور کتے کو بھوکا نہ رکھنے اور باندھنے کی تلقین کی۔ اس پر کتا کہنے لگا کہ میں ایک جن ہوں میں کسی کو گزند نہیں پہنچاتا۔ صرف اس آدمی پر بھونکتا ہوں کیونکہ یہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے متعلق اپنے دل میں بغض رکھتا ہے۔ کتے کی بات سن کر مسلمان تائب ہوا اور یہودی مسلمان ہو گیا۔ چوبیس اشعار میں قلمبند ہوا یہ قصہ یوں ختم ہو جاتا ہے۔

یہ سارے قصص و روایات حضور ﷺ کی صلہ رحمی، خدا ترسی، ایثار و قربانی اور سخاوت و جود عطا جیسے اوصاف حمیدہ اور طبائع پاکیزہ کے بیان میں ہیں۔ آپ ﷺ کے یہ خصائص چونکہ طبائع باطنہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن شمائل میں داخل ہیں اس لئے یہاں انہیں پیش کر دیا گیا ہے۔ نیچے اب آپ کے شمائل ظاہرہ کے متعلق نعتیہ شاعری پر غور کیا جائے گا۔

(۴) شمائل النبیؐ

یہ عبدالحمد ترین نامی دکن کے غیر معروف شاعر کی شمائل پر مختصر لیکن مستقل تصنیف ہے۔ اس میں شاعر نے حضور پر نور ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے۔ یہ ترین کی طبع زاد نظم نہیں بلکہ پشتو سے کیا ہوا ترجمہ ہے۔ اس میں آپ ﷺ کے گیسوؤں کے متعلق نہایت ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ مثلاً

محمدؐ کے اس سر مبارک اوپر — اتھے بال کیتے رکھو یاد کر
اتھے لاک بارا او تیرا ہزار — دیگر تین سو تین اندر شمار

(ورق ۔ ا ۔ الف)

گیسوئے مبارکہ کے بیان میں ایک اور مستقل کتاب رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔ یہ کتاب محمد علی اکرم آروی کی تالیف ہے۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف نے "المسك الاذفر فی شعر النبی الاسود والاحمر" نام سے ۴۷ ابواب میں سو سے زائد حدیثیں حضور ﷺ کے موئے مبارکہ کے متعلق جمع کی تھیں۔ بعدہ اپنے شیخ (مولانا شاہ محمد بدرالدین پھلواریؒ) کے کہنے پر اس کا اردو میں

ترجمہ کیا۔ بشیر نامی کسی شاعر نے بعد میں اس کتاب کا منظوم ترجمہ کر دیا تھا۔ اردو میں اس کتاب کا نام "گیسوئے مبارکہ" ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ گیسوئے مبارکہ پر کوئی تیسری مستقل تصنیف مجھے نہیں مل سکی۔

"شمائل النبیؐ" پر ایک اور منظوم کتاب عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے شعبہ مخطوطات میں عثمان کی "شمائل محمدیہ" بھی ملتی ہے۔ اس میں شاعر نے آپ ﷺ کی عادات شریفہ کو نہایت معتقدانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ترین کی کتاب سے تقدم زمانی کے لحاظ سے عثمان کی کتاب بعد کی تحریر ہے۔ عثمان کی "شمائل محمدیہ" کا تا حال ایک ہی نسخہ دریافت ہوا ہے۔

رامپور کے کتب خانے میں ایک اور کتاب "تحفۃ المجید فی نعت الرسول الحمید" ہے۔ اس کے مولف و مترجم مولوی محمد امداد العلی امروہوی ہیں۔ یہ کتاب دو مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقالہ اول دربیان احوال فرخندہ قال سید المرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ الصلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ اسے چار مقاصد میں اور پھر ہر مقصد کو کئی تذکروں میں بانٹا گیا ہے۔ مقصد اول میں آپ ﷺ کے خصائص بابرکت کا بعثت تک بیان ہے۔ اس مقصد کے تیسرے تذکرے میں فضائل و شمائل الرسول کا بیان ہے اور چوتھے میں حلیہ شریف و پیکر لطیف آں محبوب القلوب اہل ایمان ہندی اشعار میں بیان ہوا ہے۔ ورق ۲۹ تا ۳۲ الف میں لکھے گئے اشعار سادگی و پرکاری کا عمدہ نمونہ ہیں۔

(۵) ہشت بہشت

دکنی اردو میں شمائل النبیؐ پر سب سے مبسوط و مدلل کتاب محمد باقر آگاہ کی "ہشت بہشت" ہے۔ یہ آٹھ عنوانات پر الگ الگ حصوں میں لکھی گئی ہے۔ اس کے تمام حصص کے کل اشعار آٹھ ہزار چھ سو پچاس ہیں۔ اس طویل مثنوی میں آگاہ نے حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ بڑی شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔ جس میں عقیدت و شیفتگی اور والہانہ شگفتگی کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ آگاہ نے اس مثنوی میں شاعرانہ خیال آرائی کو تفحص و تلاش اور تحقیق کی باگ لگائی ہے۔ سیرت کے ایک ایک واقعہ کو صحت واستناد کی میزان پر پرکھ کر شامل کتاب کیا گیا ہے۔ شاعر نے دیباچہ میں مروجہ شمائل ناموں کے اسقام اور ان میں غیر مستند، ضعیف، موضوع روایات کی بھرمار کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ آگاہ نے اس کتاب کے لئے معتبر ماخذوں سے رجوع کیا ہے۔ چنانچہ صحاح ستہ کے علاوہ فتح الباری، شرح ترمذی، رسالہ مولود شریف مصنفہ جلال الدین سیوطی معارج النبوہ، مدارج النبوہ، تحفۃ الاخیار، جواہر المعتقدین اور جذب القلوب اس کے مراجع میں داخل ہیں۔ اس مضمون میں "ہشت بہشت" کے دو حصے "آرام دل" حصہ پنجم اور "راحت جاں" حصہ ششم پر ہی بحث کی گئی ہے۔ "آرام دل" میں شمائل رسول ﷺ منظوم ہوئے ہیں اور "راحت جاں" میں آپ ﷺ کی تخصیصات بیان کی گئی ہیں۔

"شمائل رسول" کے بیان میں اردو شعراء نے بالعموم شمائل ترمذی ہی کو پیش نظر رکھا ہے لیکن بعض مواقع پر غیر مستند روایات سے بھی پہلو تہی نہیں کی۔ آگاہ نے شمائل رسول ﷺ کے بیان میں ترمذی کی ترتیب کو برقرار رکھا ہے۔ چنانچہ "آرام دل" جو ۱۲۵۲ اشعار پر مشتمل ہے شاعر نے اسے تین ابواب میں منقسم کیا ہے۔ باب اول میں شمائل باب دوم میں اخلاق حمیدہ اور سوم میں عاداتِ شریفہ بیان ہوئے ہیں۔ شمائل کے بیان کرنے میں آگاہ نے اپنے عجز و فروتنی کا اعتراف کیا ہے۔ پھر شمائل کے مختلف عنوانات قائم کر کے انہیں منظوم کیا ہے۔ باب اول کے چوبیس شق ہیں۔

۱۔ درصفتِ مبارک آنحضرت ﷺ — ۲۔ درصفتِ روئے مبارک آنحضرت ﷺ
۳۔ درصفتِ جبین مبارک آنحضرت ﷺ — ۴۔ درصفتِ ابروئے مبارک آنحضرت ﷺ
۵۔ درصفتِ چشم مبارک آنحضرت ﷺ — ۶۔ درصفتِ گوش مبارک آنحضرت ﷺ
۷۔ درصفتِ بینی مبارک آنحضرت ﷺ — ۸۔ درصفتِ دہن ولب و دنداں آنحضرت ﷺ
۹۔ درصفتِ تبسم وضحک مبارک آنحضرت ﷺ — ۱۰۔ درصفتِ دہن آنحضرت ﷺ
۱۱۔ درصفتِ آواز آنحضرت ﷺ — ۱۲۔ درصفتِ فصاحت آنحضرت ﷺ
۱۳۔ درصفتِ موئے آنحضرت ﷺ — ۱۴۔ درصفتِ ریش آنحضرت ﷺ
۱۵۔ درصفتِ گردن آنحضرت ﷺ — ۱۶۔ درصفتِ دودوش مبارک آنحضرت ﷺ
۱۷۔ درصفتِ سینہ آنحضرت ﷺ — ۱۸۔ درصفتِ پشت مبارک آنحضرت ﷺ
۱۹۔ درصفتِ دست ہائے آنحضرت ﷺ — ۲۰۔ درصفتِ قدم آنحضرت ﷺ
۲۱۔ درصفتِ قامت آنحضرت ﷺ — ۲۲۔ درصفتِ رنگ آنحضرت ﷺ
۲۳۔ درصفتِ رفتار جانفزائے مبارک آنحضرتؐ — ۲۴۔ درصفتِ بوئے خوش و عرق مبارک آنحضرتؐ

آپ ﷺ کے ہر شمائل کو منظوم کرتے وقت باقر آگاہ نے احادیث نبویہ سے استنباط کیا ہے۔ صرف خیال آرائی یا آرائش وحسن شاعری کے لئے انہوں نے الفاظ کا گورکھ دھندا اپنے اشعار میں اٹھا نہیں رکھا بلکہ حدیث یا صحیح روایت کی کسوٹی میں ہر شعر کو پرو دیا ہے۔ مثلاً درصفت روئے مبارک آنحضرت ﷺ کے تحت انہوں نے جو اشعار قلمبند کئے ہیں ان میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہی گویا منظوم کر دی گئی ہے۔

گری سوئی مجھ ہاتھ سے برز میں — لگی ڈھونڈنے میں اسے ہر کہیں
کہ اتنے میں آیا سراج الانام — کہ ہے نور سے جس کے عالم تمام
پڑا اوس کے چہرے کا اس طرح تاب — کہ مجھ کو ملی سوئی میری شتاب

(ورق ۱۱۷ الف)

کتاب السیر اور مشکوٰۃ المصابیح و مسلم شریف میں یہ حدیث ملتی ہے جس کی راوی خود حضرت عائشہؓ ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ "ایک رات میرے ہاتھوں سے سوئی چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ بہت تلاش کی مگر وہ نہیں ملی کہ اتنے میں حضور ﷺ گھر کے اندر تشریف لائے تو میں نے آپ کے چہرے کی روشنی میں سوئی کو پالیا۔" ہمیں حدیث اور اس کی روایت کی صحت سے کوئی سروکار نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آگاہ نے مناسب موقع پر مناسب حدیث کا استعمال کیا ہے۔

آپ ﷺ کے لب و دندان مبارکہ کے بیان میں بھی آگاہ نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ عقیدت سے بھرپور یہ اشعار بھی ایک حدیث کا ترجمہ ہی ہیں۔ آگاہ فرماتے ہیں۔

او سلطان دیں بات کرتا تھا جب   چمکتا تھا نور اوسکے دانتاں سوں تب
تصدق سوں اوس لب کے اے کردگار   مجھے ذکر میں اوسکے رکھ برقرار

(ایضاً ورق ۱۱۹ الف)

یہاں دکنی قواعد کے مطابق دانت کی جمع دانتاں اور قدیم املے کے مطابق اوس (اس) اور اوسکے (اس کے) تحریر ہوئے ہیں۔ حدیث میں حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ "حضور ﷺ کے اگلے دانت کشادہ تھے جب گفتگو فرماتے تھے تو ایک نور سا نظر آتا۔" (ترمذی شریف شمائل حدیث ۱۴) غرضکہ "آرام دل" کے ہر باب میں کسی نہ کسی حدیث یا مشہور و معتبر روایت کا چربہ ضرور دکھائی دے گا۔

اس کے دوسرے باب میں آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ منظوم ہوئے ہیں۔ شاعر نے یہاں بھی برابر قرآن و حدیث کی روشنی ہی میں روایات منظوم کی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں استفسار کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو ؟ اور خلق محمدی ﷺ کی تعریف میں آپ نے "خلقه القرآن" کہہ کر ساری آسمانی کتاب کو حضور ﷺ کے اخلاق سے جوڑ دیا۔ اس حدیث میں آئے حضرت عائشہؓ کے کلیدی قول کو آگاہ نے یوں منظوم کر دیا ہے۔

کہی عائشہ اوس کے اے ہوشیار   ہے تفصیل اوسکی نہایت سو بسیار
و لیکن میں کہتی ہوں اب مختصر   کہ "خلق اوس کا قرآن تھا سربسر"

(ورق ۱۲۵ الف)

پھر آپ ﷺ کی حیاء رحمت و شفقت وغیرہ اخلاق کے بیان کو منظوم کرتے وقت قرآن کی آیات سے مذہب کیا گیا ہے۔ جیسے۔

بیاں کروں اوس کی شرم و حیا   "فیستحی منکم" ہے قول خدا

سراہا ہے اوسکو خدا و قرآں
میں رحمت کا اوسکی کروں کیا بیاں
"رؤف و رحیم" بھی اے شاد کام
رکھا رحمت العالمیں اوس کا نام

یہاں پہلے شعر میں سورۃ الاحزاب کی آیت کریمہ کے ایک ٹکڑے "ان ذالکم کان یوذی النبی فیتحی منکم" (تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں، مگر وہ حیا کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے) کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زینبؓ کے ولیمے کی دعوت رات کے وقت دی گئی تھی۔ عام لوگ تو کھانے سے فارغ ہو کر چلے گئے لیکن دو تین حضرات وہیں باتیں کرتے ہوئے بیٹھے رہے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو حضور ﷺ اٹھ کر ازواج مطہرات کے ہاں چلے گئے۔ لوٹ کر آئے تو انہیں وہیں بیٹھا ہوا پایا تو آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے۔ اچھی رات گزرنے کے بعد جب آپ ﷺ ان لوگوں کے چلے جانے کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ حضرت زینبؓ کے مکان میں تشریف لائے۔ حضرت زینبؓ کے ولیمے کے روز یہ حرکت اذیت رسائی کی حد سے گزر گئی پھر بھی آپ ﷺ اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے برداشت کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی شرم و حیا ان ناشائستہ لوگوں کو کچھ کہنے میں مانع رہی۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

چونکہ "آرام دل" یہ مثنوی بحر متقارب مثمن محذوف (فعولن فعولن فعولن فعل) کے ارکان میں لکھی ہوئی ہے اس کے رکنی اوزان میں عربی کی ترکیب لفظی "رحمت للعلمین" سما نہیں سکتی تھی۔ اس لئے شاعر نے اس ترکیب سے "ال" (حرف جارہ) کو ہٹا دیا۔ جس سے عربی کی یہ ترکیب لفظی بھونڈی اور بدنما ہونے کے ساتھ قاعدے کے مطابق غلط ہو گئی۔ یہ غلطی شاعر کے عجز کا پتہ دیتی ہے۔ اس شعر میں شاعر نے "وما ارسلناك الا رحمته للعلمین" کی توضیح کر دی ہے۔ اس کتاب کے باب سوم میں آپ ﷺ کی عادات شریفہ کو بڑے موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ شیفتگی و شگفتگی جذبات کے حامل یہ اشعار دل کو چھو لیتے ہیں۔

محمد باقر آگاہ کی "ہشت بہشت" کے باب ششم کا نام "راحت جاں" ہے اور علاحدہ تصنیف ہے۔ یہ ۱۱۸۶ھ میں لکھی گئی اور اس میں ۶۰۲ ابیات ہیں۔ اس میں حضور ﷺ کے خصائص کبریٰ کو منظوم کیا گیا ہے۔ شمائل کے ایک باب کی صورت میں بعض علماء نے آپ ﷺ کے خصائص نقل کئے ہیں۔ ارباب سیر نے ان خصائص کی توسیع و کثرت کو حضور ﷺ کی فضیلت کا معیار قرار دیا۔ اسی لئے بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی حضور ﷺ کی خصوصیات سے جوڑنے کی کوشش کی گئی۔ مثلاً حافظ ابو سعید نیشاپوری نے آپ ﷺ کے ساٹھ خصائص بتائے ہیں مگر علامہ سیوطیؒ نے ان پر سینکڑوں کا اضافہ کیا ہے۔ آگاہ نے ان خصائص کو مختلف ابواب میں منظوم کر دیا ہے۔ چند ابواب اس طرح ہیں۔

۱۔ خصائص کہ بر آنحضرت محمد ﷺ فرض بودند

۲۔ چیزہائے کہ بر آنحضرت محمد ﷺ حرام بودند و برامت حلال

۳۔ چیزہائے کہ بر آنحضرت محمد ﷺ مباح بودند و برامت حرام وغیرہ۔

پھر آگاہ نے آپ ﷺ کے خصائص کو "دینوی" و "اخروی" میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان تخصیصات میں بعض اس طرح ہیں۔

۱۔ عام مسلمان بشرط عدل چار بیویاں رکھ سکتا ہے اس سے زائد مسلمان پر حرام ہے لیکن آپ ﷺ زیادہ رکھ سکتے ہیں۔

۲۔ عام مسلمان کے لئے حضور ﷺ کے بعد امہات المومنین سے نکاح کرنا حرام ہے لیکن حضور ﷺ کسی بھی بیوہ سے نکاح کر سکتے ہیں۔

۳۔ حضور ﷺ پے در پے روزے رکھ سکتے ہیں لیکن عام مسلمان کو دائم الصوم کی اجازت نہیں ہے۔

۴۔ کوئی نبی اپنی امت کی شفاعت نہیں کرے گا لیکن حضور ﷺ اپنی امت کی شفاعت روز قیامت فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

ایسے اور ان جیسے بہت سارے خصائص آگاہ نے "راحت جاں" میں منظوم کر دیئے ہیں۔ ان خصائص کو نقل کرتے وقت بعض جگہ انہوں نے ضعیف، موضوع، تاویل اور بعید روایتوں کا خیال نہیں رکھا۔ شاعر نے بعض ایسے امور بھی خصائص میں داخل کر لئے ہیں جو عام مسلمان کے لئے تو نہیں لیکن امراء امت اور خلفاء اسلام کا ان سے اتصاف جائز ہے۔ لیکن یہ نکات علماء دین کی بحث کا موضوع ہیں اس لئے ہم اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ بہر حال! آگاہ کی یہ کاوش اردو کی اولین کوشش ہے اس لئے نہایت اہم مقام کی حامل ہے۔ اس کتاب کے تعلق سے خود آگاہ نے دعویٰ کیا ہے۔ وہ اپنے دعوے میں حق بہ جانب ہیں۔ اسے خود ستائی یا تعلّی پر محمول کرنا ان کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

آگاہ کے بعد شمائل پر ایک طویل عرصہ تک خامہ فرسائی نہیں ہوئی۔ لے دے کر ہمیں مومن کے دور میں شمالی ہند کے ایک غیر معروف شاعر کافی کا کلام ملتا ہے۔ ان کا نام عبدالکافی اور تخلص کافی تھا۔ مہدی علی خاں ذکی مراد آبادی شاعری کے فن میں ان کے استاد تھے۔ ان کے نعتیہ کلام میں "حلیہ شریف" "مولود بہاریہ" "بہار خلد" اور "تجمل دربار نبی کریم" خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

ثنائے محمدی کو انہوں نے حرز جان بنالیا تھا۔ "بہار خلد" میں کافی نے آپ ﷺ کے شمائل کو منظوم کیا ہے اور ماخذ کی صورت میں صحاح ستہ کی کتاب "ترمذی شریف" سے رجوع کیا۔ "بہار خلد" کے ہر باب کا عنوان انہوں نے ایک شعر میں پیش کیا اگر تمام ابواب کے اشعار یکجا کر لئے جائیں تو پوری کتاب کا

خلاصہ منظوم شکل میں ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ شمائل محمدی ﷺ کو نظم کرنے کے لئے اگرچہ بحر بیکراں درکار ہے لیکن شاعر نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے "بہار خلد" کو ایجاز بیانی میں کافی کا اعجاز سمجھنا چاہیئے۔ اشعار میں روانی، خیالات میں بلندی، زبان میں سادگی اور بندش الفاظ میں نغمگی کے ساتھ ساتھ شاعری میں حسن شعری کے تمام فنی محاسن کافی کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے باری تعالیٰ سے شمائل بیان کرنے کے لئے ملاحت وفصاحتِ زبان طلب کی تھی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کرلی تھی۔ فرماتے ہیں ؎

مجھے شیریں زبانی دے الٰہی   کہ ہوں مصروف نعتِ مصطفائی
ملاحت شعر میں چاہتا ہوں   ملیحان عرب کا خاک پا ہوں
فصاحت ہو سخن میں یہ دعا ہے   فصیحان عرب سے دل لگا ہے

"بہار خلد" میں شمائل ترمذی کا منظوم ترجمہ ہے۔ جو ابواب صاحب ترمذی نے شمائل ترمذی میں مختص کردیئے ہیں کافی نے ان ہی ابواب کو منظوم کر دیا ہے۔ ترمذی کے باب "ماجاء فی خلق رسول اللہ" کو کافی نے ترجمہ میں یہ عنوان بنایا ہے ؎

بدل اس کو سنو اے عاشقان صورت احمد   سراپا سید کونین کا کافی سناتا ہے

کافی کا یہ ترجمہ اردو ادب میں نہایت اہم مقام حاصل کر سکتا ہے کیونکہ میر و سودا اور ناسخ کے دور کے بعد کافی کی یہ تخلیق سامنے آئی۔ مومن کے دور سے پہلے شمالی ہند میں اردو ادب کا خزانہ ایسی تخلیقات سے خالی تھا۔ میر و سودا اور ناسخ و مومن کے دور میں شمالی ہند میں کافی کی نعتیہ شاعری کے علاوہ کسی مستقل نعتیہ کتاب کا ثبوت اردو ادب میں تا حال نہیں مل سکا۔ اس لئے بھی کافی کا یہ نعتیہ سرمایہ بڑا اہم ثابت ہوتا ہے۔

آگے ہمیں محسن کاکوروی کے یہاں حضور ﷺ کے "سراپا" پر مستقل مسدس ملتا ہے۔ یاد رہے کہ شمائل میں آپ ﷺ کے سراپا اور حلیہ مبارک کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔ شمائل ترمذی کا باب تو آپ ﷺ کے حلیہ مبارک ہی سے شروع ہوا ہے۔ محسن نے یہ مسدس بعنوان "حلیہ شریف نسل آدم ﷺ" لکھا ہے۔ یہ مسدس شاعرانہ فنکاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ شاعر نے تمام فنی محاسن اور صنائع لفظی و معنوی یکجا کر دیئے ہیں اور ان کے ذریعہ اشعار میں دلآویز معنی آفرینی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ شعری حسن اور فنی محاسن کے دبیز پردے میں حلیہ مبارک ﷺ چھپ سا گیا ہے۔ مثلاً

پردہ کعبہ ہے گیسوئے حبیب یزداں   اور محراب حرم کا ہے اس ابرو پہ گماں
اس میں پاکیزہ مصلا ہے نگہ کا داماں   مردم چشم میں بیٹھا ہوا اک ناظرہ خواں

زیر رخسار مبارک وہ خط ریش لطیف
رحل ہے جس پہ کھلا رکھا ہے قرآن شریف

محسنؔ کا یہ مسدس شعری مرقع کاری کا عمدہ نمونہ ہے اس میں شاعر کی عقیدت اوج پر نظر آتی ہے۔ خیالات کی بلندی اور جذبات کی تہہ داری اس مسدس کا خاص وصف ہے۔ سراپا بصری ہوتا ہے لیکن شاعر نے مسدس میں نہایت مترنم بحر میں پیش کر کے اسے سمعی بنادیا ہے۔ اس طرح یہ مسدس جنت گوش بھی ہے اور فردوس نظر بھی۔ اس کی دلآویزی ایک طرف اس کی اہمیت بڑھاتی ہے تو دوسری طرف خود حضور ﷺ کی حسن قبولیت اس کی عظمت کی ضمانت ہے۔ چنانچہ عبدالحق کانپوری کا خط محسنؔ کے نام اس امر میں ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"مدینہ طیبہ میں ــــــ میرے دوست مولوی محمد مظفر الدین صاحب حیدر آبادی نے اپنا خواب (مجھ سے) بیان کیا ــــــ کہ ایک شب مجلس بابرکت حضرت سرورِ کائنات ﷺ میں باریابی ہوئی تو دیکھا شہیدیؔ اپنا قصیدہ سنارہے ہیں اس پر جناب سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ محسنؔ کا سراپا سناؤ وہ بہت اچھا ہے اور وہ ہمارے یہاں مقبول ہے۔"

(حوالہ اردو شاعری میں نعت: ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری حصہ اول، ص ۴۱۸)

اس سراپے کے علاوہ محسنؔ نے "چراغ کعبہ" کے عنوان سے واقعہ معراج کے متعلق جو مثنوی لکھی ہے اس میں بھی حضور ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے۔ فلک سوم کی سیر کے بیان میں وہ اچانک حضور پر نور ﷺ کا سراپا بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔

کھینچی یہ کمال حسن تدبیر | نقاش ازل نے اپنی تصویر
رخ میں صفتِ جمال دی ہے | صورت میں جان ڈال دی ہے
ابرو پہ جبیں مہ شمائل | رکھی ہوئی رحل پہ حمائل
واللیل کا ترجمہ ہے گیسو | تفسیر اذا سجٰی ہے گیسو
آنکھوں سے لکھوں صفت وہ آنکھیں | مالا عین رات وہ آنکھیں

"چراغ کعبہ معراج نامہ ہے۔ اس میں الفاظ کا دروبست اور شان و شکوہ اسی مناسبت سے آئے ہیں۔ لیکن جب سراپا کے اشعار قلمبند کرتے ہیں تو "جلال معراج" جمال میں بدل جاتا ہے اور شاعر کا پروان تخیل جو ابھی تک براق رسول ﷺ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا یک لخت ٹھہر جاتا ہے اور سیر فلک کی بجائے مشاہدہ رخ انور کرنے لگتا ہے۔ وہ ہر زاویہ سے آپ ﷺ کے سراپا کو تاکتا ہے جو کچھ دیدہ تخیل سے دیکھ رہا تھا اسے جوں کا توں اپنے اشعار میں پیش کرتا چلا جاتا ہے۔ تشبیہات اور استعارات کے استعمال سے محسنؔ کی نعتوں میں بلا کی معنی آفرینی پیدا ہو گئی ہے۔

شمائل رسول ﷺ میں ان کے علاوہ اور بھی معروف وغیرہ معروف تخلیقات موجود ہوں گی جن کا احاطہ بڑا دشوار ہے۔ ان میں سے بعض جو دست رس میں تھے انہیں دانستہ طور پر اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس سے عقیدے کو جلا تو مل سکتی ہے لیکن معنی آفرینی، دلآویزی، شگفتگی اور سب سے بڑھ کر شعریت سے وہ یکسر عاری ہیں۔ پھر یہ مستقل تصانیف بھی نہیں ہیں۔ ام معبد کے نعتیہ تذکرے کے مانند بھی نہیں ہیں کہ ہے تو مختصر لیکن بڑی بڑی کتابوں پر بھاری۔ اس لئے یہاں چنداں انہیں مذکور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ ہاں! البتہ نعتیہ شاعری کے اس علیحدہ باب (شمائل) پر جب کبھی تحقیقی کام ہوگا تو اور بہت سارے شمائل نامے ہماری نظروں کے سامنے ضرور آئیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی

اُردو حمد و نعت کی روایت کے چند اساسی محرکات اور اُن کے فروغ کی عملی صورتیں

ا۔ حمد و نعت کا دینی اور مذہبی محرک

حمد معرفت خداوجدی کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ اس سے معبود اور عبد میں رابطہ قائم ہوتا ہے۔ یہ اللہ، حیات اور کائنات کے مابین تعلق کی تفہیم کا ذریعہ ہے۔ فرد نظام عبدیت واطاعت سے اسی کے سبب مربوط ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ کی آیات بینات میں یہی معانی ومفاہیم رکھے گئے ہیں، جس کا تجزیہ اس طرح کیا جاسکتا ہے۔

(ا) اللہ کی عظمتوں اور فضیلتوں کی حمد	اس کی رب العالمینی کا ذکر	الحمدلله رب العالمين
	اس کی شان رحیمیت ورحمانیت	الرحمن الرحيم
	یوم الدین (آخرت میں اسی کی حاکمیت وقدرت واختیارات)	مالك يوم الدين
(ب) اللہ کی عبدیت واطاعت اور اس سے امور حیات میں اعانت طلبی	اقرار توحید الٰہی کے ساتھ ہی عبدیت واستعانت کا تلازمہ	اياك نعبدو اياك نستعين
(ج) طالب ہدایت اور راہِ مستقیم کی دعا	پوری زندگی میں نفس نفس اور قدم قدم اس کی راہنمائی وہدایت کی درخواست کیونکہ اسی جادہ راست پر ثبات قدمی اس کے انعام یافتگان کا طغرائے امتیاز ہے۔	اهدناالصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم
(د) مغضوبین اور اہل ضلالت سے اجتناب وبریت کا التماس	ایسی ہدایت طلبی جو اس کے عبد کو نفس، شیطان، گمراہوں اور زیر غضب لوگوں کے اثرات بد سے محفوظ ومامون رکھے۔	غير المغضوب عليهم ولا الضالين

یہ نہایت جامع سورۃ (الفاتحہ) اپنے موضوعات و مضامین کے اعتبار سے ثابت کرتا ہے کہ ہماری حمد گوئی، حمد سرائی اور حمد نگاری ہمارا دینی اور مذہبی محرک ہے۔ ہم صاحب ایمان اور مسلم ہو ہی نہیں سکتے اگر ہم اللہ کی توحید کا اقرار و اعتراف نہ کریں، اسے اس کی تمام عظمتوں، قدرتوں، حاکمیت و اختیار کے ساتھ اللہ نہ مانیں، دنیا اور عقبیٰ دونو سلطنتوں کا اسے سلطان نہ سمجھیں۔ تب اس عرفان و معرفت کے ساتھ ہم پر اس کی عبدیت و اطاعت لازم آتی ہے۔ تب ہم شرک کے غبار سے آئینہ ذہن و قلب کو مصفا و مجلّا کر کے صرف اسی کو مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ اسی کو اپنی بخشش و مغفرت کا مالک و مختار گردانتے ہیں۔ اسی سے ہدایت کی استدعا اور اسی سے ہمہ قسم کی ضلالتوں سے گریز و پرہیز کی دعا کرتے ہیں۔ ہماری فضائل خوانی، ہماری عبادت گزاری و تشکر، ہماری نجات طلبی، ہماری ہدایت خواہی، ہماری فریاد، ہمارا استغاثہ، ہماری استمداد صرف اور صرف اسی ذات یکتا و بے ہمتا اور اسی خدائے واحد و مطلق سے منسوب و مخصوص ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں نعمت حیات سے نوزا۔ ہمیں اس کائنات میں اپنی حکمت خاص کے ساتھ چند مقاصد کے تعین کے ساتھ بھیجا۔ اس بھری کائنات میں، جو متنوع ہے اور بے حد و حساب مخلوقات سے پر ہے، ہمیں شرف انسانی کے جوہر سے آراستہ کر کے اور نیابت و خلافت کے منصب پر فائز کر کے یہ کائنات گویا ہمارے حوالے کر دی کہ ہم جہاں ایک طرف حیات و کائنات کے حوالے سے اللہ کی ربوبیت، خلقیت، حاکمیت اور حکمت کا ادراک کریں، وہیں اس کائنات میں اپنے شرف نیابت کے حوالے سے اپنے فرائض محسوس کریں اور انہیں احکام الٰہی اور قوانین خداوندی کی ہدایت میں ادا کریں۔ اپنی خداداد استعداد اور ذہنی و جسمانی و روحانی قوتوں کے وسائل استعمال کر کے اس کائنات میں تخلیق و ایجاد، تعمیر و تزئین اور غلبہ و تسخیر کی صورت میں کارنامے انجام دیں اور اس کائنات کو اپنے علوم و فنون اور اپنی تہذیب و تمدن کے توسل سے وہ تمام ممکن ارتقا بخشیں جو ہماری اپنی تخلیق کا مقصود اصلی ہے۔ اگر ہم حیات و کائنات کے یہ فرائض انجام دیتے ہیں تو گویا ہم ذات الٰہی کی تمام فضیلتوں، عظمتوں اور قدرتوں کی "عملی تفہیم" کرتے ہیں اور اپنے فکر و عمل سے گویا اللہ کی حمد و سپاس کا حق ادا کرتے ہیں۔

قرآن از اول تا آخر حمد الٰہی کا خزینہ ہے۔ اس کی ذات و صفات کا ذکر، اس کے اکرامات و انعامات و احسانات کا ذکر، تمام تر حمد ہے۔ چند اور آیات بینات سے اس کا ثبوت :۔

- الم تعلم ان اللہ له ملك السموات والارض (۲ : ۱۰۷)

  کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے۔

- للہ ما فی السموات و ما فی الارض (۲ : ۲۸۴)

  اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین ہے۔

- ان اللہ کان عزیزاً حکیما (۴ : ۵۶)

بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔

- ان الله على كل شيئى قدير (۲۰:۲)

بے شک اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

- والله عليم بذات الصدور (۳:۱۱۹)

اور اللہ دلوں کی بات جاننے والا ہے۔

- والله ذو الفضل العظيم (۲:۱۰۵)

اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

- ان الله واسع عليم (۲:۱۱۵)

بے شک اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔

- ان الله غفور رحيم (۹ :۵)

بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

- انه كان توابا (۱۱۰ :۳)

کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

- ومن اعرض عن ذكرى فان له معيشة ضنكا (۲۰ :۱۲۴)

جس شخص نے میرے ذکر سے منہ موڑا تو بلاشک وشبہ اس کے لئے تنگ زندگانی ہے۔

احادیث رسول ﷺ میں حمد و سپاس الٰہی کی ہدایت و ترغیب

ترجمہ :

- جس نے اخلاص کے ساتھ لاالہ الااللہ کہا، پس وہ جنت میں داخل ہو گیا۔
- اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا۔
- اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرو، اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہ کرو۔
- اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جنت کی کنجیوں میں سے ہے۔

(اس کے دندانے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنا ہے) اور یہی اقرار و تصدیق انسان کو حمد گزاری کی تحریک کرتا ہے۔

حمد اللہ کے لئے خاص ہے اور حمد گوئی ذکر الٰہی کی منظوم شکل کا نام ہے۔ جو صلاحیت فکر و فن اور استعداد تخلیق ادب ہمیں عطا ہوئی ہے اس کا اولیں تقاضا یہی ہے کہ ہم اس کی حمد کریں۔

_____ ہماری رائے میں یہ دینی اور مذہبی محرک تمام محرکات سے زیادہ اہم، راسخ اور عمیق ہے۔ کیونکہ حمد و شکر ہمارے اسلام و ایمان کے تحفظ کی ضمانت ہے اور ناسپاسی و کفر (اعراض عن

الحمد) ہمارے لئے خسران دنیوی و اخروی کا موجب ہے۔ یہی حمد کیونکہ اپنی عملی صورتوں میں عبدیت و عبادت کے مترادف بھی ہے اس لئے حمد سے اباو گریز ہمیں دائرہ اسلام سے خارج بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہی بنیادی جذبہ مسلمان اہل قلم میں منظوم حمد نگاری کا سبب بنا اور مسلمانوں نے تمام زبانوں میں (خصوصاً عربی، فارسی اور اردو میں) حمدیات خداوندی کے تخلیقی خزانوں کے ڈھیر لگا دیئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

نعت کا دینی اور مذہبی محرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام انسانیت پر، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت اور ظہور قدسی ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا:۔

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آيته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلال مبين (۳ : ۱۶۴)

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب اس نے ان میں ایک (عظیم الشان) رسول انہی میں سے بھیجا۔ وہ اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں قرآن اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔"

اقرار توحید ملزوم و مشروط ہے اقرار رسالت سے۔ لا اله الا الله محمد رسول الله اقرار رسالت سے ہم ہجوم انسانی سے نکل کر اور ممیز ہو کر ایک الگ قوم بنتے ہیں اور ایک الگ ملت اور جداگانہ امت کے طور پر ہم مشخص ہوتے ہیں۔ پھر ہدایات خداوندی اور احکام الٰہی جو بصورت قرآن ہم پر اترے ہیں ان کی تعمیل کے لئے عالم بشریت میں سے ایک شخصیت کبریٰ کی ضرورت تھی جو اپنے اسوہ حسنہ اور سیرت مبارکہ کے منور نمونے اور فروزاں مثالیں ہمارے سامنے رکھے اور ہم اس کے اتباع و تقلید کی صورت میں ایک نیک اور ہدایت یافتہ زندگی گزاریں۔ جس کی اکملیت و جامعیت میں ہر پہلوئے حیات اور ہر شعبہ زندگی کے لئے عملی نظیریں موجود ہوں۔ جو قرآن حکیم کے رموز و مسائل کی شرح و تفسیر کرے۔ جس کے اقوال مبارکہ، ارشادات عالیہ اور احادیث طیبہ قدم قدم پر ہماری راہ نمائی کریں۔ جو دنیا میں بھی ہمارا ہادی، ہمارا معلم، ہمارا محسن اور ہم پر رؤف و رحیم ہو اور جس کی رحمته اللعالمینی، عقبیٰ میں بھی ہماری شفاعت فرمائے۔ جس کے وسیلے سے ہم خدا کو پکاریں۔ خدا کی رحمت سے استمداد کریں۔ جس کے توسل اور تمسک سے ہم اپنے اللہ تک رسائی کریں۔ جو خیر و شر میں اپنے فکر و عمل سے خط امتیاز کھینچے۔ جس کی راہ بری ہمیں جادہ نکوکاری پر استقامت بخشے اور راہ ضلالت و غوایت سے ہمیں محفوظ و مصون رکھے۔ جو انسانیت کو ایک نظام اخلاقیات عطا کرے۔ جو حقوق و فرائض کا ایک نقشہ مرتب کرے۔ جو انسانی معاشرے کو عدل و مساوات سے معمور کر کے طبقاتی تفاوت سے پاک ایک ماحول پیدا فرمائے۔ جو توحید و شرک اور حق و باطل میں امتیاز و تفریق کرے۔ جو ہمیں زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی جانب بلائے۔ جو حیات انسانی کے اصلی اغراض و

مطالب کو واضح کر کے انسان کو تخلیق و تعمیر و تسخیر کے ارفع عمل سے مربوط کر دے۔ اللہ نے ایسی محسن و رحیم شخصیت ہمیں حضرت محمد ﷺ کی صورت میں عطا کی۔ سو ہم پر یہ لازم آتا ہے کہ بہ حیثیت اس ذات گرامی کے کلمہ گو کے، اس کے امتی کے، ہم اس ہستی کامل کے عشق سے اپنے دل کو معمور رکھیں۔ اس کے ذکر مبارک سے اپنی زبان و قلم کو خوش بخت کریں۔ وہ ہستی جس کا منصب عظمیٰ، ورفعنا لك ذكرك سے واضح ہے اس کی اطاعت کریں، اس سے محبت کریں، اس کی (حسب توفیق) توصیف و ثنا کریں اور بصورت نظم اس کی نعت کہہ کر اپنے لئے سرمایہ دارین کا اہتمام کریں۔

نعت، حضرت خیر الانام ﷺ کے فضائل کا مظہر نامہ بھی ہوتی ہے اور اس کے مضامین و موضوعات میں ان کے مقام و منصب نبوت اور فرائض و مقاصد نبوت کی تشریح بھی ہوتی ہے۔ اس میں ان کے جمال صوری کی آئینہ داری بھی ہوتی ہے اور ان کے حسن سیرت کی عکاسی بھی۔ ان کی تعلیمات واحکامات کی تبلیغ بھی، ان کی سیرت مطہرہ کی مختلف اداؤں کی جلوہ نمائی بھی۔ اس طرح نعت ایک معنی میں سیرت نگاری، کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ حضور ﷺ کی تبلیغ سیرت اصل میں ایک دعوت بن جاتی ہے۔ اس آئینہ سیرت میں ایک فرد بھی اپنی حیات کے خدوخال سنوارتا ہے اور ایک ہیئت اجتماعیہ (امت بھی) مثبت اقدار کے ساتھ اپنی کردار سازی کرتی ہے اور نتیجے کے طور پر ایک مہذب فرد اور ایک مرتب و منظم امت (سیرت محمدیہؐ کے سانچے میں ڈھل کر) اقوام عالم کے لئے ایک نمونہ عمل پیش کرتی ہے تاکہ تمام انسانیت اپنی سعادت دنیوی واخروی کے لئے سیرت محمدیہ کو جس کے تقلیدی مظاہر اس کی امت سے جھلکتے ہوں، قبول کر کے اس خطہ ارضی کو محبت، امن اور آسودگی کی جنت بنا سکے۔ نعت دینی اور مذہبی محرک کے طور پر یہی فریضہ انجام دیتی ہے۔

قرآن حکیم جہاں اللہ تعالیٰ کا حمد نامہ ہے، وہیں اس کے رسول ﷺ کا قصیدہ بھی ہے۔ بے شمار آیات بینات نبی آخر الزماں ﷺ کی ثنا و توصیف سے پر ہیں۔ ان کی سیرت اقدس کا تعارف نامہ ہیں۔ ان کی نبوت و ہدایت کا الٰہی نصب العین ہیں۔ قرآن حکیم کے بعد خود حضور ﷺ کی احادیث مقدسہ ان متنوع موضوعات و مضامین سے معمور ہیں جو فضائل نبوت اور مقاصد جلیلہ رسالت کی نشاندہی کرتی ہیں۔

رسالت سے ایک مسلمان کا رشتہ جتنا محکم ہوگا، خدا سے بھی اسی قدر ہوگا۔ لیکن نبی علیہ السلام سے رشتہ عقیدت واطاعت کا اضمحلال اللہ سے ہماری محرومی و خسران کا موجب ہو سکتا ہے۔ رسالت ہی کے رابطے سے اللہ تک تقرب ورسائی ممکن ہے۔ شرک و بدعات سے ہمارا تحفظ اور ہماری بریت اور توحید سے ہمارا ربط محکم رسالت ہی کا مرہون منت ہے۔ امت مسلمہ کی فتوحات، ان کا علمی و تہذیبی ارتقا، اقوام عالم پر ان کا غلبہ و حکومت، سب توقیرات واعزازات کی اساس عشق واطاعت رسول اللہ ﷺ پر استوار ہے۔ امت رسول ﷺ جب غلبہ و حکومت کے ادوار سے گزرتی ہے تو اس کا قلب شکر گزار اور سپاس گزار ہوتا ہے،

رہبر اعظم، ہادی مکرم اور رسول رحمت کا جن کی اطاعت و تقلید نے اس امت کو ظفریاب اور ثمر آور کیا اور جب یہ امت اپنے عہد انحطاط و زبونی سے گزرتی ہے تو نہایت تضرع اور عجز و انکسار کے ساتھ مرکز رسالت کی جانب رجوع کرتی ہے۔ اپنی خفت و ندامت کا اظہار ان کی بارگاہ اقدس میں کرتی ہے اور ان سے عاجزانہ التماس کرتی ہے کہ حضور ﷺ اس استغاثے کو بارگاہ ربوبیت تک پہنچادیں اور امت کے لئے دعا فرمائیں ۔

اے خاصہ خاصان رسلؐ، وقت دعا ہے

گویا امت مسلمہ اپنے عہد عروج میں بھی اور اپنے دور زوال میں بھی حضور پاک ﷺ کی بارگاہ کرم ہی سے وابستہ ہوتی ہے اور ت انہی کی نگاہ التفات سے عقدہ کشائی کی طالب ہوتی ہے۔ اس طرح نعت جو ثنائے رسول ﷺ اور سیرت نگاری کی ایک منظوم صورت ہے، ایک قوی دینی و مذہبی محرک بن کر ظہور کرتی اور رواج پاتی چلی جاتی ہے۔

۲۔ حمد و نعت کا نفسیاتی و ماحولیاتی محرک

اللہ اور رسول ﷺ مسلمان فرد اور جماعت کی نفسیات میں رچی بسی صداقتیں ہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی محبت ان کے رگ و پے میں لہو کی طرح گردش کرتی ہے۔ ان کا ذہن، ان کا مزاج، ان کی طبیعت اسی روشنی سے منور ہے۔ گردش لیل و نہار کا کوئی لمحہ، کوئی ساعت ہو، وہ کسی بھی موسم میں سانس لے رہے ہوں ان کا باطنی موسم ایک ہی ہے۔ بہار ہو کہ خزاں لا اله الا الله ______ نفس اولیں سے نفس باز پسیں تک یہ فرد جو نعمت اسلام سے بہرہ ور ہے اور اللہ اور رسول کے عشق و اطاعت سے وابستہ ہے اپنے نفسیاتی مقتضیات کے مطابق اسی قلبی اور ذہنی وابستگی کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ وہ جس حالت و کیفیت سے گزر رہا ہے، خوشگوار یا ناخوشگوار، اس کی زبان پر الحمد الله ہے۔ سبحان الله ہے۔ اس کے عزائم انشاء الله کی ڈورے بندھے ہوئے ہیں۔ اس کی کامرانیاں ماشاء الله سے متعلق ہیں۔ وہ کسی کی حوصلہ انگیزی اور تحسین کرتا ہے تو جزاك الله کی کرنیں اس کے لبوں سے پھوٹتی ہیں۔ وہ قسم کھاتا ہے تو واللہ اور باالله کے رنگ اس کے نطق سے بکھرتے ہیں۔ وہ گرداب یاس میں ہوتا ہے تو لاتقنطوا من رحمته الله کی پتوار اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ پریشا حالی کی موجوں میں گھرا ہوتا ہے الا بذکر الله تطمئن القلوب کی آیت اس کے قلب کو آسودگی اور تسکین بخشتی ہے۔ کبھی وہ تسبیح گرداں ہے اور کبھی تہلیل خواں۔ اس کے ہر کام کا آغاز بسم الله سے ہے اور ہر کام کی تکمیل شکر الله پر ______ وہ نعمتوں سے فیض یاب ہوتا ہے تو اس کی جبین نیاز بارگاہ الٰہی میں خم ہے۔ وہ مشکلات میں محصور ہوتا ہے تو اسی کو حلال مشکلات سمجھتا ہے۔ وہ عدم تحفظ کا شکار ہے تو "یا حفیظ" بیمار ہے تو "یا شافی" بار عصیاں اور احساس ندامت سے سرنگوں ہے تو "یا ستار، یا غفار" فشار ذہن و قلب میں گھرا ہے تو "یا باسط" بھوکا ہے تو "یا رزاق" اسے طوفان نے آلیا ہے تو ناخدا کی بجائے خدا سے ساحل عافیت پر پہنچانے کے لئے دست بہ دعا۔ ذلتوں نے آپکڑا ہے تو "یا عزیز" نعمتوں پر

متشکر "یامنعم" رحمتوں کا طالب "یارحیم، یارحمٰن۔" الغرض اللہ کی ذات اور اس کے اسمائے صفاتی، اور قرآن میں مذکور دعائیں اور وظائف و اوراد اُس کا شعار و دثار ہیں۔ اللہ اس کی رگ جاں سے اتنا قریب اور اس کی نفسیات میں اتنا سمایا ہوا کہ وہ اسی کو پکارتا ہے، اسی کا شکر کرتا ہے اور اسی سے امداد طلب کرتا ہے۔ یہ خدا پرستی اور خداشناسی اسے جانب غیر دیکھنے تک نہیں دیتی۔ وہ کسی بت، کسی صنم اور کسی غیر اللہ سے استمداد و استعانت کر ہی نہیں سکتا۔ ارکان دین پر اس کی پابندی اور تمسک، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا اس سے استمرار و رابطہ، اسی سبب سے ہے کہ وہ اس کی، اسی کی رضا کا طالب، اسی کی مشیت پر راضی اور اسی کے سامنے سراپا تسلیم ہے۔ فرد کی اس نفسیاتی کیفیت کو پھیلا کر، مجموعہ افراد یعنی جماعت تک لے جایئے۔ وہ سب کی سب اسی نفسیات کے سانچے میں ڈھلی ہوگی اور عشق خدا، اطاعت خدا اور تمسک باللہ ہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہوگا ____ جب یہ ملت مسلم غلبہ و ظفر مندی کی منزلوں سے گزر رہی ہوگی تو اسی منعم حقیقی کے سامنے سجدہ گزار اور سپاس گزار ہوگی اور جب ادبار و نکبت و زوال سے گزر رہی ہوگی تو اسی محسن حقیقی اور دستگیر حقیقی سے طالب امداد و اعانت ہوگی۔

____ یہی کیفیت اس فرد یا قوم کی، اپنے رسول ﷺ کے بارے میں ہوگی۔ وہ اسی رحمت للعالمین کے در کے سوالی ہوگی۔ اسی کے دامان رحمت میں پناہ ڈھونڈے گی۔ وہ ذات رسالت جو پناہ بیکساں ہے، چارہ ساز بے چارگاں ہے، غریب پرور ہے، یتیم نواز ہے، پاافتادگاں کی دستگیر ہے، سراسر عفو و کرم ہے، تمام تر رحمت و رافت ہے وہ ہدایت و رہبری کے مقام ارفع پر ہے۔ جو ہر قسم کے نفرت و تعصب کو مٹا کر قبائل کو شیر و شکر کرنے والی ہے۔ جو اتنی شیریں، اتنی دل آویز، اتنی پیاری اور اس قدر محبوب ہے کہ بداندیش کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔ جو اس قدر صلح جو، امن پسند اور محبت فشاں ہے کہ مفاسد کو زیروزبر کر ڈالنے کی قدرت رکھتی ہے۔ جو دنیا میں ہماری کارساز اور عقبیٰ میں ہماری شفاعت کی امید گاہ ہے، مسلمان فرد یا جماعت اپنی نفسیاتی کیفیات اور اپنے طبعی رجحانات و میلانات کی صداقتوں کے تحت ہر حال میں اسی رسول رحمت ﷺ سے اپنا قلبی، ذہنی، فکری اور عملی تعلق استوار رکھتے ہیں۔

ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

بعینہ اسی طرح حمد و نعت اپنا ایک غیر مبہم اور نہایت واضح ماحولیاتی محرک بھی رکھتی ہے۔ ایک وہ ماحول ہے جو ہمیں سازگار انداز میں میسر آتا ہے اور ایک وہ جو ناسازگار ہے۔ سازگار ماحول میں مسلمان فرد اور جماعت اپنے نظریات اسلامی کے مطابق زندگی گزارتی ہے۔ یہ نظریات اسلامی جو ہمارا ضابطہ حیات اور لائحہ عمل ہیں، قرآن و سنت سے مستنبط ہیں۔ ان کے دائرے میں بسر کرنے کی صورت میں وہی اللہ اور رسول ﷺ سے محبت و اطاعت کا نظام رائج و ساری ہوتا ہے اور ہماری سوچ اور عمل کا ایک ایک رخ، ایک ایک پہلو، ایک ایک گوشہ نقطہ بہ نقطہ، خط بہ خط اسی پرکار کے گرد گھومتا ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ ہی ہمارا

مرکز و محور قرار پاتے ہیں۔ تب ایسے سازگار ماحول میں ہم حسن، خیر اور صداقت کی اقدار کو حسین سے حسین تر بنا کر ایک مثالی معاشرہ وجود میں لاتے ہیں اور اگر ہمیں کوئی ناسازگار ماحول ملتا ہے مثلاً زوال و غلامی کا دور ____ یا پھر ایسا دور جس میں شر کی قوتیں ہم پر یلغار کناں ہیں، تب اسلام پسند فرد یا جماعت اللہ اور رسول ﷺ کے احکام و تعلیمات اور ارشادات و اقوال کے مطابق ان برائیوں کے خلاف جہاد کرتی ہے۔ پہلے اپنی ذات میں جھانکتی ہے، وہاں کا غبار، وہاں کی گرد، وہاں کی کثافت و غلاظت دور کرتی ہے۔ اپنے اندر چھپے ہوئے بتوں کو منہدم کرتی ہے اور پھر پورے ماحول پر چھائے ہوئے شر پر نہایت دشت سے حملہ آور ہو جاتی ہے۔ وہ جب دیکھتی ہے کہ اس کے ناسازگار ماحول میں بدی نے نیکی کا لبادہ پہن لیا ہے، نمود و ریا کا خول چڑھا لیا ہے، نیکی کی ساری خوبصورت شکلیں غبار آلود ہونے لگی ہیں۔ کذب ہے، منافقت ہے، نفرت و تعصب ہے، فرقہ پرستی و تنگ نظری ہے، جہل و عدوان ہے، رشوت، رزق حرام، بے ایمانی، بد دیانتی، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی، جبر و ستم، حق تلفی و ناانصافی، بے حیائی و فحاشی اور حدود اللہ سے تجاوز کا بازار گرم ہے، تب وہ مسلمان اور صاحب ایمان قوم یا اس کے وہ افراد جو قرآن کی زبان میں "حزب اللہ" ہیں، سرگرم پیکار اور آمادہ جہاد و عزیمت ہو جاتے ہیں اور ان عیوب کا قلع قمع کرنے کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ یہ نفسیاتی اور ماحولیاتی صورتِ حال حمد و نعت کا ایک اہم محرک ہے۔ سازگار ظروف و احوال میں حمد، اللہ کے احسانات و انعامات کا شکر ادا کرتی ہے اور اس کے خزینۂ کرم سے مزید نعمتوں کی طالب ہوتی ہے۔ ایسی کیفیت میں نعت بھی ان احسانات و اکرامات کے ذکر سے مملو ہوتی ہے جو رسول رحمت ﷺ کی بعثت اور دنیا میں تشریف آوری کی صورت میں ان کی امت کو عطا ہوئے ہیں۔

نفسیاتی دھچکوں اور ماحولیاتی ناسازگاری کے دور میں حمد و نعت فریاد و استغاثہ اور مناجات و ترحم طلبی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ تب یہ اصناف ایک طرح سے آشوب امت کا منظر نامہ بن جاتی ہیں۔ اللہ سے اپنی لغزشوں، کوتاہیوں اور اعمال سوء کی معافی اور اس کے دربار سے عفو و کرم کی طلبی ____ اسی طرح نعت جہاں نالہ خوں چکاں بن کر اپنے دکھ بارگاہ رسول کریم ﷺ تک پہنچاتی ہے، وہیں ایسے مواقع پر نعت حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ اور اسوہ حسنہ کی تجلیات عام کرتی ہے۔ حضور ﷺ کے نقوش عمل کے اتباع پر مائل کرتی ہے۔ فرد یا امت کو احتساب عمل کی جانب ملتفت کرتی ہے۔ اس طرح نعت سیرت مبارکہ کا ابلاغ و تبلیغ کر کے گم کردہ راہ قوم کو اس کے مرکز و محور حقیقی کی طرف مائل سفر کرتی ہے ۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل

اردو میں "جواب شکوہ" از اقبال یہی آشوب امت ہے اور اسی میں احتساب عمل کے مضامین ہیں۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جب پیغمبر عمل اور رسول انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت بالخصوص عرب کی اور بالعموم دنیا کی جو زبوں حالی اور بگاڑ تھا، وہ ایک انتہائی ناسازگار ماحول کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ تب ہمارے رسول مکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے وسیلے سے اور اپنی سیرت و عمل کے بے مثال نمونہ ہائے مظہر پیش فرما کر اس ماحول کو سازگار بنایا۔

ذہن بیدار نہ تھے ان کی نظر ہونے تک — کتنی صدیوں کا اندھیرا تھا سحر ہونے تک
ان سے گر ربط نہ ہوتا تو گل ہستی کو — کن عذابوں سے گزرنا تھا اثر ہونے تک

(عاصی کرنالی)

۳۔ حمد و نعت کا تہذیبی و تاریخی اور ملی و قومی محرک

اسلام نے انسان کو ایک نئی تہذیب سے آشنا کیا۔ یہ تہذیب دوسری اقوام کی تہذیبوں، تمدنوں اور ثقافتوں سے یکسر مختلف و ممتاز ہے۔ اس کی بنیاد توحید خالص (بلا آمیزش) کے عقیدے پر ہے۔ اس میں تکریم بشر کا پہلو نمایاں ہے۔ یہ تہذیب مساوات، عدل، حقوق اللہ اور حقوق العباد (عبادات و معاملات) پر قائم ہے۔ اس لئے مسلمان معاشرے کا اپنا تہذیبی تشخص ہے۔ حمد اس تشخص کو واضح کرتی ہے اور حضور پاک ﷺ کی سیرت اقدس ہمارے لئے فکر و عمل کے نقوش اجاگر کرتی ہے۔ ہماری تاریخ (تاریخ اسلام) بھی دوسری اقوام و ملل سے یکسر مختلف ہے۔ ہمارے تاریخی اعمال و احوال میں ایک امتیاز و انفرادیت ہے۔ بہ حیثیت فاتح مفتوحین سے ہمارا حسن سلوک اور ان کا تحفظ حقوق ــــــ تصور جہاد کے ساتھ ہمارا صلح جو رویہ۔ فتح اور شکست، ہر دو صورتوں میں ہمارے جذبات و افکار کی مخصوص نہج اور منفرد روایت، ہر حالت میں اعلیٰ اخلاقیات کا ظہور ــــــ برصغیر میں تاریخی واقعات و عبر کے جن ادوار سے ہم گزرے ان کے زیر اثر ہماری شاعری میں فعالیت و انفعالیت کی صورتیں اور حمد و نعت پر ان تاریخی عوامل کے اثرات، ایک نہایت مختلف اور ممیز مطالعے کی دعوت دیتے ہیں۔

ہم سب سے الگ تھلگ ایک علیحدہ ملت ہیں
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ہمارے ملی و قومی خصائص کا ظہور حمد اور نعت میں ہے۔ آزادی میں حمد و نعت "عید آزاداں شکوہ ملک و دیں" کا مظہر ــــــ محکومی میں حمد و نعت، مناجات و استغفار کا اظہار ــــــ خصوصاً نعت میں اطاعت اور تقلید رسالت کی ترغیب تاکہ ملت اسلام حضور ﷺ کے ارشادات اور اعمال حسنہ کے سانچے میں ڈھل جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم کی تہذیب و ثقافت یعنی طرز احساس، طرز حیات اور مظاہر حیات کی بنیاد توحید و رسالت کے عقیدہ محکم پر ہے۔ اسی بنیاد سے ہم ملت کفر کے مقابلے میں ملت حق اور امت

مسلمہ کے طور پر اپنا الگ تشخص رکھتے ہیں اور ہمارا وجود اسی طرح ہجوم کفر و شرک کے مقابلے میں نمایاں ہے جیسے اندھیرے میں اجالا اور شب ظلمت میں نمود سحر۔ عقیدہ توحید ہمیں سر فراز کرتا ہے اور ہم ہر غیر اللہ کے سامنے سرنگوں اور جبیں فتادہ ہونے سے نجات پا جاتے ہیں۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اقوام عالم کو دیکھئے تو تذلیل بشر کے کیسے کیسے عبرت ناک مناظر سامنے آتے ہیں۔ ثنویت پرستی، تثلیث پرستی، کثرت پرستی، مظاہر پرستی۔ اشرف المخلوقات اور نائب خدا کا سر خود تراشیدہ بتوں کے سامنے جھک رہا ہے۔ ستارے، آگ، سورج، سانپ، گائے، پتھر اور مٹی کی مورتیاں اس کی مسجود و معبود ہیں۔ وہ تمام اشیاء جو اسے فوائد یا مضرات پہنچاتی ہیں، اس کی پوجا کا مرکز و محور ہیں۔ وہ جو اپنے چہرے سے مکھی تک نہیں اڑا سکتے، جو اپنی نجاست صاف نہیں کر سکتے، جو سن نہیں سکتے، بول نہیں سکتے، اس کے حاجت روا اور عقدہ کشا ہیں۔ یا پھر وہ اللہ تک اس کی رسائی کا وسیلہ ہیں اور اس شرک کے تلازمے کے ساتھ وہ اللہ کو مانتا ہے۔ مسلمانوں کو عقیدہ توحید نے اس لغویت اور لعنت سے خلاصی بخشی۔ وہ ایک اللہ کے پرستار، اسی کی اطاعت میں سر خم، اسی کے احکام پر چلنے والے، اسی کی حاکمیت اعلیٰ کے عطا کردہ قوانین و ضوابط پر زندگی گزارنے والے، اسی سے محبت کرنے والے، اسی سے ڈرنے والے، اسی کے نظام عدل و اخلاق پر عامل ہیں اور اسی برکت نے انہیں ایک ایسی تہذیب و ثقافت کا حامل بنا دیا جو کافرین و مشرکین سے انہیں الگ کرتی ہے اور ان کے اور اقوام کفر و شرک کے درمیان ایک انمٹ خط امتیاز کھینچتی ہے۔

علامہ پکھتال "اسلامی ثقافت" کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

"اسلامی ثقافت پر ہمیشہ ہی سے دنی اثر قائم رہا ہے اور یہ دینی رنگ ہی اس کی روح و رواں ہے ___ اگر دین پس پردہ رکھا جائے تو پھر یہ ثقافت کچھ اور ہو سکتی ہے، اسلامی نہیں ہو سکتی۔ اس میں ہر چیز کا جواز اور سند مذہب ہی سے حاصل ہوتی ہے جو ہدایات و احکامات الٰہیہ کا مجموعہ ہے اور جس سے زندگی کے مختلف ادوار میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے جس کی مکمل تصویر نبی امی ﷺ نے اپنی زندگی میں لوگوں کے سامنے پیش کی اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ یہ محض عقائد سے واسطہ نہیں رکھتی بلکہ اعمال کی انجام دہی سے متعلق ہے جس کے باعث قوم کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتی ہے۔"

(از ثقافت اسلام (مقالہ علامہ پکھتال۔ ص ۴۱)

اسلامی تہذیب و ثقافت کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں :۔

توحید، احترام انسانیت، آفاقیت، اخوت، احترام امن عالم، اتحاد عالم، احساس فرضی، طہارت و

پاکیزگی، احترام انفرادیت اور اعتدال پسندی۔

____ توحید (شرک سے بیزاری) ایسی فضا پیدا کرتی ہے جس میں مرکز توجہ صرف توحید الٰہی اور معرفت ربانی ہوتا ہے اور تمام افعال اسی کے تابع ہوتے ہیں۔

____ احترام انسانیت سے معاشرے کا طبقاتی تفاوت ختم ہو جاتا ہے اور ایک عادلانہ مساوات سے تمام افراد بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہ عدل ظلم واستحصال کی مزاحمت کرتا ہے۔

____ آفاقیت کے سبب جملہ نسل ہائے آدم اس میں جذب ہو جاتی ہیں۔ رنگ، نسل، زبان، گورے کالے کا فرق اور شرق و غرب کے فاصلے مٹ جاتے ہیں۔ جس نے کلمہ توحید پڑھ لیا اور اقرار رسالت کر لیا وہ اس آفاقی ملت کے کل کا جزو بن گیا۔

____ اخوت، ایک دلی بھائی چارہ پیدا کرتی ہے جو خون کے تمام رشتوں سے اعلیٰ اور بالا ہوتا ہے۔ مواخات کا ایک تہذیبی اور تاریخی مظہر ہجرت مدینہ کے بعد پیش آیا۔

____ احترام امن عالم، ہر اس جہاد و کوشش کا محرک ہے جو امن عالم کو تقویت دے اور دنیا نفرت، تعصب اور جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ رہے۔

____ اتحاد عالم، ملت اسلام ارکان دین کی بجا آوری کی صورت میں، جس میں اجتماعی وحدت کی شان جلوہ گر ہوتی ہے، اپنی مثال قائم کر کے اتحاد کی داعی ہو سکتی ہے۔

____ احساس فرض کے سبب ایک فرد معاشرے میں اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو کر ان کو ادا کرتا ہے۔ اس سے حقوق ادا ہو کر معیشت، معاشرت اور سیاست میں اعتدال و توازن پیدا ہوتا ہے اور ہمہ قسم کی حق تلفی بد عنوانی اور ناہمواری کا قلع قمع ہوتا ہے۔

____ طہارت و پاکیزگی، تہذیب و ثقافت کی ایک اہم خصوصیت جس سے تزکیہ نفس اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے، حلال و حرام میں تمیز اور خیر و شر میں تفریق ہوتی ہے اور معاشرے میں ایک مطہر و منزہ فضا پھیلتی ہے۔ یہ طہارت فرد کو حیا کا جوہر عطا کرتی ہے جو ہر نوع کی عریانی، بے حیائی اور فحاشی سے فرد اور ملت کا دفاع کرتی ہے۔

____ احترام انفرادیت، اشتراکی ممالک جو نظام زندگی رائج ہے اس نے فرد کی آزادی چھین لی ہے اور اسے مادی نظام کی مشین کا ایک پرزہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ جائیداد کی ملکیت اور وراثت کا حق سلب کر لیا گیا ہے۔ تجارت حکومتی استحصال کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ مغربی ممالک میں جہاں جمہوریت کا ڈھول بجایا جاتا ہے، معاشرے میں فرد مکمل آزادی سے محروم اور بے بہرہ ہے۔ وہاں مرد و زن کے درمیان مساویانہ سلوک کا دعویٰ بے حقیقت ہے جبکہ اسلام نے انفرادیت اور اجتماعیت کو حد اعتدال میں رکھا ہے۔ حقوق العباد کا نظام ایک برکت ہے جو اسلام نے انسانیت کو عطا کی ہے۔

_____ اعتدال پسندی کی خصوصیت کے سبب نام و نمود، نمائش وریا اور اسراف وافراط کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ زندگی کو اعتدال پسندی اور سادگی سے بسر کرنے کی فضا قائم ہوتی ہے۔

اس تہذیب و ثقافت اسلامی کی برکتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مشرکانہ، کافرانہ، مادی لادینی تہذیبوں پر نظر ڈالئے، تو اندازہ ہوگا کہ مسلمان من حیث القوم اپنا ایک واضح طرز احساس اور انداز حیات رکھتے ہیں اور ان کے مظاہر حیات قطعی طور پر دوسروں سے جداگانہ ہیں۔

یہاں تفریحات کی بنیاد لہو و لعب اور تعیش و بے حیائی پر نہیں۔ اسلام کے نزدیک راحت و شادمانی کا معیار نیکی اور پرہیز گاری ہے۔ اسلامی تہواروں اور تفریحات کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ انسان کو جاہلانہ رسوم سے بچاتے اور اس کے دل میں خدا خوفی پیدا کرتے ہیں۔ ساتھ کے ساتھ ان میں اعتدال پسندی کی عادت ڈال کر انہیں اسراف و بخل کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھتے ہیں۔

ہماری منفرد و ممتاز تہذیب و ثقافت کے اس آئینہ مجلا کو دیکھئے اور پھر غیر مسلم اقوال پر نظر ڈالئے جو توحید خدا کا تصور نہ رکھنے کے سبب بے خدا، لادین اور اخلاقیات سے آزاد زندگی گزارتی ہیں اور جو بے شمار حرمتوں اور قدروں کو پامال کرتی ہیں اور قوانین فطرت سے متصادم ہوتی ہیں۔ جہاں شادی کا مقدس انسٹی ٹیوشن نہیں، جہاں مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط ہے، جہاں ہم جنسیت کو قانونی تحفظ حاصل ہے، جہاں شراب اور زنا معاشرے کی رگوں میں غلیظ خون کی طرح گردش کرتے ہیں، جہاں ذات پاک کی معاشرتی لعنتیں ہیں، جہاں تنگ نظری، تنگ ذہنی اور تنگ دلی کا عذاب نازل ہے، جہاں بنیادی کی کجی پوری معاشری عمارت کو ٹیڑھا کر رہی ہے بلکہ وہ ریت کی بنیاد پر زندگی کی تعمیر رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا قومی، ملی، تہذیبی اور تاریخی تشخص جس کی اساس عقیدہ توحید و رسالت پر ہے، جس کا تعلق منشور قرآنی سے ہے، جس کے سامنے پیغمبر عمل و انقلاب حضرت محمد ﷺ کا اسوہ عمل ہے، ہمارا سرمایہ افتخار و افتخار ہے۔

جب تاریخی احوال و حوادث کے تحت ہم مختلف ممالک میں دوسری اقوام کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں تو ہمارا یہ تشخص ان کی تہذیب و تمدن میں ہرگز آمیز نہیں ہوتا۔ برصغیر میں ہمارے علوم و فنون، ہماری تہذیبی روایتیں، ہمارا طرز تعمیر، ہماری عبادات، ہمارے تہوار اور میلے، ہماری زبان، ہمارا لباس، ہمارے آداب معاشرت، تمام تر واضح اور مختلف رہے اور اسی امتیاز و تشخص کے سبب دو قومی نظریے نے ظہور کیا۔ تحریک آزادی وجود میں آئی اور دنیا کے نقشے پر ایک نظریاتی مملکت "پاکستان" ایک نقش دوام بن کر ثبت ہوا۔

حمد و نعت کا یہ نہایت قومی محرک ہے۔ تمام تہذیبی اور تاریخی احوال کے نشیب و فراز میں حمد اور نعت نے اپنے متنوع موضوعات و مضامین اور مخصوص دینی مزاج کے تحت اپنا فریضہ ادا کیا اور ملت اسلام کے جذبات و افکار کی ترجمانی، ان کے احوال و کیفیات کی آئینہ داری اور ان کے فکر و عمل کی اصلاح کے

لئے راہبری کی ذمہ داری بہ احسن وجوہ ادا کی۔

۴۔ حمد و نعت کا علمی و ادبی محرک

اسلامی علوم و فنون اور ادبیات کا مزاج ان عناصر سے ترکیب پاتا ہے جو خدا آگہی اور خودی سے عبارت ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے علوم و فنون کے افاضے سے اقوام عالم کے اذہان کو منور کیا۔ یورپ ادوار ظلمت سے گزر رہا تھا اور اسلام اپنے علوم و فنون اور تخلیقات و ایجادات سے انہیں راہ دکھا رہا تھا۔ مسلمانوں نے دوسری اقوام کے علمی و ادبی افکار کو بھی لیا لیکن ان میں جو اسلامی معتقدات سے متصادم عناصر تھے ان کی تطہیر کی اور انہیں اسلامی سانچے میں ڈھالا۔ حمد الٰہی اور نعت رسول ﷺ کے زمزمے میں بھی ہمارے خالص علمی مزاج کے تخصص کے آئینہ دار ہیں۔ برصغیر میں ہمارے علمی و ادبی سرمایے (خواہ نثر میں ہوں خواہ نظم میں) اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ حمد جو منظوم ذکر الٰہی ہے، اسی علمی و ادبی خزینے کا گوہر مصفا ہے اور نعت جو امت کا زمزمہ عقیدت اور نغمہ عشق و اطاعت ہے، اسی سمندر کا نایاب موتی ہے۔

ہمارے علوم، فنون اور ادبیات کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ اسی بحر بیکراں سے علم و آگہی کے ہزاروں دھارے پھوٹے اور اسی منبع رشد و ہدایت سے ادراک و معرفت کے بے شمار چشمے رواں ہوئے۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

علوم قدیمہ کی افادیت کے تحت ڈاکٹر سید عبداللہ کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

"مسلمانوں کے یہ خاص علوم تین طرح کے ہیں:

اول: دینی علوم، دوم: معاون علوم سوم: عام علوم

دینی علوم میں قرآن اور حدیث بنیادی علوم ہیں۔ بعض لوگ فقہ، کلام اور تصوف کو بھی ان میں شامل سمجھتے ہیں۔ مگر بعض کی رائے میں یہ علوم معاون ہیں، اصل نہیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے "ابجد العلوم" میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

علوم معاون وہ علوم ہیں جن کی مدد سے دینی علوم خصوصاً قرآن و حدیث کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کی تین شاخیں ہیں۔ ان کی ایک شاخ عربی زبان اور ادب کا علم ہے۔ ان کا مقصد حافظ کی رائے میں عربی زبان و ادب کی صحیح استعداد پیدا کرنا ہے۔ ان میں اہم صرف و نحو، علم اشتقاق، علم لغت ہیں جنہیں بعد میں تقویت ملی، جن کی تدوین میں مسلمانوں نے گزشتہ اقوام کے علوم سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے جمالیاتی فنون کو بھی اپنے خاص ذوق و مشرب کے مطابق ترقی دی۔ ان میں فن تعبیر، علم بیان، معانی و بلاغت،

تخلیقی انشاء کے عمدہ نمونے اور تاریخ کی کتابیں بھی علم و ادب کے دائرے میں شامل ہو کر علوم معاون میں شامل ہو گئیں۔ علوم معاون کی دوسری شاخ تفسیر، اصول تفسیر، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام اور تصوف کا نظری علم ہے۔

علوم معاون کی تیسری شاخ الٰہیات ہے۔ یہ علوم اس وقت ترقی پذیر ہوئے جب بنو عباس کے زمانے میں دین کو یونانی علوم کی روشنی میں دیکھنے کا رواج ہوا۔ ان بنیادی علوم کے علاوہ مسلمانوں کے مشاہداتی اور تجرباتی علوم بھی ہیں جن کی تحریک دین کے ماحول سے پیدا ہوئی۔ ان میں ایک سرچشمہ تحریک رسول پاک ﷺ کی ذات ہے اور دوسرا سرچشمہ قرآن مجید کی تعلیمات ہیں عشق رسول ﷺ کے جذبے سے پہلے حدیث، پھر سیرت، اور اسی کے زیر اثر تاریخ نگاری، سوانح نگاری اور تذکرہ نگاری کی ایک لا مثال تحریک نمودار ہوئی جس میں انسانی شخصیت کا وہ اعتراف ہوا جو بعد میں یورپ کی انسانیاتی تحریک کی صورت میں سامنے آیا ـــــ پھر قرآن مجید نے مشاہدہ کائنات اور تسخیر کائنات پر جو زور دیا، اس سے تاریخ، جغرافیہ، بحریات، طب، علم الادویہ، ریاضی، ہندسہ، فلاحت، ہیئت، نجوم جیسے علوم کو تقویت ملی جس کی تدوین میں مسلمانوں نے گزشتہ اقوام کے علوم سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے جمالیاتی فنون کو بھی اپنے خاص ذوق و مشرب کے مطابق ترقی دی۔ ان میں فن تعمیر، نقاشی، خطاطی اور ان کے بعد موسیقی، مصوری، کتبہ نویسی اور فن سکہ نگاری کو بھی ترقی ہوئی۔"

از تعلیمی خطبات (منقول از کتاب اردو لازمی انٹر میڈیٹ، ص ۱۷۷، ۱۷۸)

یہ نہایت اہم اور وقیع حوالہ ثابت کرتا ہے کہ ہمارے تمام علوم و فنون کا سرچشمہ قرآن اور حضور پاک ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ عربی اور اسکے بعد فارسی زبان میں ان متنوع شعبہ ہائے علوم و فنون پر گراں قدر تصانیف کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اردو زبان بھی اپنے آغاز سے بہ شکل ترجمہ یا با اعتبار تخلیق علوم و فنون کے ذخیرے سے تہی دامن نہیں ہے۔ قرآن پاک کے فیوض سے سیراب ہو کر جو علمی و ادبی تصانیف وجود میں آئیں، ان میں دینی و مذہبی کتب دکنی ادوار ہی سے موجود ہیں۔ صوفیا اور مرشدین کے مذہبی رسائل اور تصوف و طریقت کے بارے میں ان کے کتابچے، قرآن حکیم کے تراجم و تفاسیر اور سیرت رسول پاک ﷺ کے موضوع پر ان کی مقدس تحریریں، عربی اور فارسی کے علاوہ ہماری اردو زبان و ادب کے دامن کو بھی مالا

مال کرتی ہیں۔ اس کے بعد وہ عہد ہائے زریں نگاہ کے سامنے آتے ہیں جب نثر میں باقاعدہ سیرت نگاری رواج پاتی ہے اور ورفعنالك ذكرك کے الٰہی فرمان کے مطابق یہ سلسلہ نور جاری و ساری ہے۔

اردو زبان کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ از مولوی عبدالحق کے مطالعے سے ہم یہ استنباط کرتے ہیں کہ دکنی ادوار کے صوفیا اور بزرگان دین کو مذہبی زبان عربی اور بول چال کی زبان فارسی تھی لیکن عوام الناس سے بات چیت کرتے وقت یہ مقامی زبان بھی استعمال کرتے تھے۔ (مقامی زبان سے اردو کی ابتدائی شکل مراد ہے۔)

عبدالحق نے اس کتاب میں ایسے تمام نثری نمونے جمع کر دیئے ہیں جن سے ہماری مذہبی کتب کی نشان دہی ہوتی ہے۔

اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ مذہب کے زیر اثر قرآن کے ترجمہ و تفسیر سے لے کر حدیث و فقہ کو شمار کرتے ہوئے حضور ﷺ کی سیرت نگاری کا سراغ ابتداء ہی سے ملتا ہے۔ سیرت کے مضمونات میں فضائل و شمائل، معجزات و مغازی، میلاد و معراج وغیرہ سبھی متعلق موضوعات موجود ہیں۔

ڈاکٹر انور محمود خالد کے مطابق :

"آٹھویں صدی ہجری اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں عربی اور فارسی تصانیف کے پہلو بہ پہلو قدیم دکنی اردو میں بھی تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو جاتا ہے۔"

(از: اردو میں سیرت رسول، ڈاکٹر انور محمود خالد، ص ۲۰۲، طبع اقبال اکیڈمی پاکستان ۱۹۸۹ء)

ڈاکٹر صاحب اردو کے پہلے نثر نگار کے بارے میں مختلف حوالے جمع کرتے ہیں۔ شمس الدین قادری کی "اردوئے قدیم" کے مطابق عین الدین گنج العلم (۷۰۶ھ تا ۷۹۵ھ) نے تین اردو رسالے تحریر کیے۔ محمد حسین آزاد کی "آب حیات" کے مطابق فضلی کی کربل کتھا ۱۱۴۵ھ کی تصنیف پہلی اردو نثر ہے۔ مولوی عبدالحق کی رائے میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) کی "معراج العاشقین" کو شرف اولیت حاصل ہے۔ حامد حسن قادری کی داستان تاریخ اردو میں اشرف جہانگیر سمنانی کے ایک رسالہ تصوف (تالیف ۷۰۸ھ) میں پہلی نثری تصنیف ہے۔

اس ابتدائی دور کی جستجو کا حاصل یہ ہے کہ مذہبی رسائل و کتب قدیم سے اردو زبان کا سرمایہ ہیں اور ان میں قرآن و احادیث و سیرت کے موضوعات پر تحریروں کی قدامت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ علمی سطح کا کام جسے ہم نثر میں حمد و نعت کا محرک علمی قرار دیتے ہیں، اپنے بہت سے ادوار زریں طے کرتا ہوا اور نہایت اہم اور وقیع دینی تصانیف سے دامن پر کرتا ہوا ہمارے عہد گزراں تک پہنچتا ہے۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنی گراں قدر تصنیف میں ۱۹۸۴ء تک طبع ہونے والی کتب سیرت کے نام اور ان کے مصنفین کے نام اور مناسب مقامات پر ان کا اجمالی تعارف پیش کیا ہے۔ وہ عہد حاضر میں کوئی تین سو تصانیف سیرت کا احصار کر

سکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کتاب کے آخر میں رقم طراز ہیں:

"سیرت پاک ایک بہت وسیع موضوع ہے۔ اس پر لکھنے والوں کا شمار ممکن نہیں۔ تاہم یہ جائزہ ۱۹۸۴ء تک چھپنے والی کتابوں پر محیط ہے۔" (از: اردو میں سیرت رسول، ڈاکٹر انور محمود خالد، ص ۷۵۲، طبع: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۱۹۸۹ء)

"۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۷ء تک ۱۳، ۱۴ سال ہوتے ہیں۔ اس عرصے میں طبع ہونے والی کتب سیرت کو شمار میں مزید شامل کر لیجیے۔"

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے　　رفعت شان رفعنالك ذکرك دیکھے

جب محرک علمی کے طور پر نثر میں قرآنیات وسیرت پر اتنا ذخیرہ جمع ہو رہا تھا تو حمد و نعت اس میدان میں کیوں پیچھے رہتیں! چنانچہ نثر کے پہلو بہ پہلو نظم نے بھی ان اصناف مذکورہ میں ظہور کیا اور ابتدائی ادوار ہی سے حمد و نعت معرض تخلیق میں آنے لگی، کبھی نثری رسائل و کتب میں بصورت اشعار، کبھی دیوان کا سرنامہ بن کر، کبھی غزل کا سر آغاز بن کر، کبھی مثنوی، قصیدہ کی تمہید کے طور پر، کبھی پوری کی پوری حمد یا نعت غزل کی ہیئت میں، اور پھر آہستہ آہستہ نعتیہ مجموعے یا حمدیہ نظمیں اسی دینی سرمایے میں اضافے کا موجب بننے لگیں (یہ تفصیل اپنے محل و موقع پر آئے گی)

محرک علمی کے علاوہ محرک ادبی کے طور پر حمد و نعت کا ظہور و فروغ اپنا ایک تاریخی، تہذیبی اور معاشرتی پس منظر رکھتا ہے:

فارسی شاعری قصیدہ و مثنوی کی اصناف سے شروع ہوئی۔ قصیدے کی تشبیب بعد میں غزل بن گئی۔ قصیدہ مدح سلاطین و امراء سے مخصوص ہو گیا۔ مثنوی زیادہ تر عشقیہ داستانوں سے منسوب ہو گئی۔ غزل محبوب مجازی کے ہتھے چڑھ گئی۔ اردو شاعری نے بھی ان اصناف کے مزاج کا پوری طرح اتباع کیا اور اردو کی شعری روایت میں زیادہ تر ایسے مضامین و موضوعات داخل ہو گئے جن پر عشق مجازی کی جذباتی فضا چھائی ہوئی تھی۔ پھر اتفاق زمانہ دیکھیے کہ قصیدہ درباروں تک محدود و مخصوص ہو کر رہ گیا۔ عشقیہ مثنویاں بھی ایک حد خاص میں محدود ہو گئیں اور غزل کو عوامی ماحول و احوال میں خوب چھانے اور پھیلنے کا موقعہ ملا۔ مخصوص تہذیبی اور معاشرتی احوال کا اثر اس کے مزاج پر اتنا پڑا کہ یہ اپنی ثقاہت و متانت کھو بیٹھی اور جذبات حرص و ہوس کا اظہار نامہ بن گئی۔ فارسی اور اردو غزل کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ افکار و خیالات اور زبان و زبان کے دامان شائستگی پر سستی جذباتیت کے داغ دھبے نمایاں ہوتے چلے گئے۔ تب تصوف نے دامان غزل کی شت و شو کا فریضہ ادا کیا اور مذہبی مقتضیات نے حمد و نعت کی صورت میں ہمارے جامہ فکر کو اجلا کرنے کی سعی کا آغاز کیا۔ گویا حمد و نعت ہماری (اخلاقی طور پر) زوال آمادہ شاعری کے خلاف ایک مذہبی رد عمل کے طور پر ابھری اور اس نے مسلمانوں کے جذبہ و فکر کی تطہیر کا مقدس فریضہ ادا کرنا شروع کیا۔

دینی و مذہبی، نفسیاتی و ماحولیاتی، تہذیبی و تاریخی، قومی و ملی اور علمی و ادبی محرکات کے ذکر کے ضمن میں بعض اہل علم اپنی تحقیق یا وجدان کے مطابق دیگر محرکات بھی پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق ایک قوی (اساسی) محرک نعت محبت رسول ﷺ ہے۔ دوسرا محرک شفاعت و بخشش کی آرزو ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"حضرت محمد ﷺ سے محبت ایسا ہمہ گیر جذبہ ہے کہ کیا نیک و پرہیز گار اور کیا عاصی و غفلت شعار، سبھی نے اپنے دل میں حضور ﷺ کی محبت کی تپش محسوس کی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر شخص نے تخلیقی طور پر اس کا اظہار نہ کیا ہو۔"

(از: محرکاتِ نعت، حوالہ نعت رنگ، شمارہ ۴، ڈاکٹر سلیم اختر، ص ۱۶۵)

نیز

"نعت کا ایک اور قومی محرک شفاعت و بخشش کی آرزو ہے۔ ہر مسلمان اس عقیدے کا حامل ہے کہ قیامت کے دن جب گناہوں کے بوجھ تلے دبی روح اپنے خالق کے حضور خوار و خجل ہو گی تو اس وقت آنحضرت ﷺ کا رحم مجسم پیکر ہی گناہوں کی سزا سے بخشش کرا کے دوزخ سے بچا لے گا۔" (ڈاکٹر سلیم اختر، از: محرکات نعت، حوالہ نعت رنگ، شمارہ ۴، ص ۱۶۶)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری فرماتے ہیں:

"نعت گوئی کا اولیں محرک مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر اذکار کرنا، ان کی سیرت و شخصیت سے عوام الناس کو روشناس کرانا، ان کی پیروی و تقلید کی ترغیب دینا، اور ان کے نام پر درود و سلام بھیجنا کارِ ثواب اور ذریعہ نجات ہے۔" (اردو کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص ۳۹)

حقیقت بھی یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اور ان کی اطاعت قوی ترین محرک حمد و نعت ہے۔ گویا دینی اور مذہبی پہلو ہی محرک اعظم بنتا ہے۔ یہ اصل الاصول ہے اور باقی سارے محرکات اس شجر کے برگ و شاخ اور گل و ثمر ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز حسین کی رائے میں اگرچہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے برصغیر میں اکٹھے رہنے کے سبب مسلمانوں کی زندگی پر ہندو طرز حیات کا کچھ کچھ رنگ چڑھنے لگا تھا لیکن مذہب کی قوی اثر انگیزی نے انہیں بہت حد تک بچائے رکھا اور ان کا تشخص بہر حال واضح اور نمایاں رہا۔ وہ کہتے ہیں:

"غرض کہ جس وقت اردو کی تخلیق ہو رہی تھی ملک میں مذہبی فضا ہر شعبہ زندگی پر حاوی تھی۔ سلطنت چاہے کسی کی رہی ہو مگر مذہب شہنشاہی کر رہا تھا۔ ہر طبقہ

اس کے آگے سر جھکائے تھا۔ اسی کی آنکھ سے دنیا کی ہر چیز دیکھی جا رہی تھی۔ اسلام مشرق و مغرب کے اکثر گوشے چھان کر ہندوستان میں اپنا جھنڈا گاڑنے کی فکر کر رہا تھا۔ مسلمان بادشاہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے کوئی منظم انجمن یہاں قائم نہیں کی۔ فقراء اور علماء نے البتہ اشاعت اسلام میں کافی حصہ لیا۔ جہاں کہیں وہ پہنچ سکے، مذہب کی ترویج دل کھول کر کی اور اسی سلسلے میں اردو کو بھی آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ چنانچہ شمال یا جنوب جہاں کہیں بھی اردو کی قدیم تصنیف یا تالیف دستیاب ہوتی ہے، وہ مذہب ہی کی آوردہ معلوم ہوتی ہے۔" (مذہب و شاعری، از: ڈاکٹر اعجاز حسین، ص ۶۵، طبع اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۵ء)

گویا اس طرح حمد و نعت نے خود اپنے وجود و فروغ کے لئے فضا کو سازگار کیا اور اپنی بال کشائی سے اس فضا میں پرواز کی۔

ان مذکورہ بالا محرکات و اسباب کی بنا پر حمد و نعت نے جو پیکر تخلیق اختیار کیا، اس کو عہد بہ عہد، فروغ کے لئے ذرائع اور وسائل میسر آتے رہے جو اس کے ابلاغ و شیوع میں ممد و معاون رہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور ڈاکٹر ریاض مجید نے جن وسائل کا ذکر کیا ہے، ہم ان سے کامل اتفاق کرتے ہیں۔ ان کے ذکر کے بعد ہم کچھ اضافی وسائل کا ذکر کریں گے :

صوفیائے عظام کی توجہ اور مساعی

صوفیا کا خاص طرز حیات، ان کی قلبی واردات، ان کے روحانی تجربات کا مرکز و محور حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ وہ حضور ﷺ کے عشق و عقیدت اور محبت و اطاعت کے ارفع مقام پر ہوتے ہیں اور اپنے وجود کو سیرت مبارکہ کے اتباع میں ڈھال کر سنت و شریعت اور تزکیہ باطنی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ یہی محبت و اطاعت ان کے لئے تقرب الٰہی کا وسیلہ کامل ہے۔ اسی بنا پر صوفیا نے نعت کی تخلیق اور فروغ میں خصوصی انہماک و توجہ سے کام لیا۔ انہوں نے خود نعت مختلف صورتوں اور ہیئتوں میں کہی، اپنے حلقوں میں اس کے استماع کا اہتمام کیا۔ سینکڑوں ہزاروں مرید اور اہل ارادت ان سے وابستہ تھے۔ وہ ان نعتوں اور عشق و محبت کے نغمات وجدانی کو سنتے تھے اور نعت کو نہ صرف اپنے ادبی ذوق کی تسکین قرار دیتے تھے بلکہ اسے اپنی روحانی بالیدگی اور عشق و آگہی کے مدارج طے کرنے کا وسیلہ بھی سمجھتے تھے۔ اعراس، محافل میلاد اور مختلف دینی و صوفیانہ مجالس میں نعتیں فروغ پاتی رہیں اور اس طرح اہل دل صوفیا کی وساطت سے نعت کو نعت گوئی اور نعت خوانی کی صورتوں میں ایک قوی وسیلہ ابلاغ فراہم ہوتا رہا۔

(الف) محافل میلاد : ان کی اپنی ایک الگ ابلاغی فضا ہے۔ دنیا میں بعثت نبوی اور ظہور قدسی تاریخی و تہذیب کا سب سے اہم اور سب سے منفرد موقعہ ہے۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی عالم انسانیت پر

سب سے بڑا انعام واکرام واحسان ربانی ہے۔ انسانیت کا تمام تر مثبت ذہنی، فکری اور عملی انقلاب اسی بعثت اور اسی میلاد کبریٰ کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ نعت میں مولود نامے جو بکثرت ہیں، اسی تحدیث نعمت کے جذبے سے لکھے گئے اور ان کے لئے خاص محافل کا اہتمام کیا جاتا تھا جن میں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے علاوہ حضور ﷺ کے فضائل اخلاق، حضور ﷺ کے غزوات و معجزات، حضور ﷺ کے واقعہ معراج اور حضور ﷺ کی تعلیمات وارشادات کا ذکر و بیاں کیا جاتا تھا۔ ۱۸۵۷ کے بعد جب مسلمان بر صغیر میں نئے سیاسی حالات و حوادث کی زد میں آئے تو مولود شریف کی محافل کا رواج بڑھا۔ خصوصاً طبقہ نسواں میں اس کو بہت فروغ ملا۔ گھر گھر میلادیں پڑھی جاتی تھیں اور حضور ﷺ کے ذکر کی برکات میں مسلمان دل کا قرار اور روح کی آسودگی ڈھونڈتے تھے۔ محافل میلاد کا رواج اور فروغ (جو اصل میں فروغ نعت ہے) اب بھی قائم ہے اور یہ اصل میں صوفیا کی اسی توجہ کا فیضان مسلسل ہے۔

(ب) سماع : ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق :

> "نعت کے سلسلے میں قوالی یا سماع کی محفلیں بھی قوی تر محرک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ محفل سماع میں عشق حقیقی کی ترجمان غزلیں اور نعتیں گائی جاتی ہیں۔ ان محفلوں میں شرکت کرنا اہل طریقت اور ان کے حلقوں سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بمنزلہ عبادت ہے۔ لیکن اہل شریعت بھی ان محفلوں میں شریک ہوتے ہیں۔"
>
> (اردو کی نعتیہ شاعری از : ڈاکٹر فرمان فتح پوری ص ۴۱)

سماع جو بالعموم حمد و نعت خوانی پر مشتمل ہوتا ہے، بسا اوقات قوالی کی صورت میں ہوتا ہے۔ صوفیا اور صاحبان وجد و حال چند شرائط کے ساتھ اس کو جائز سمجھتے ہیں اور ان محافل سے غذائے روحانی اور سامان تزکیہ و تنزیہہ حاصل کرتے ہیں۔ قوالوں کی ٹولیاں جو فن قوالی کو باقاعدہ ریاض کے ساتھ سیکھتے ہیں، نغمات روحانی گاتے ہیں اور ہزاروں سامعین ان سے کیف اندوز ہوتے ہیں، ایسی سماع کا اہتمام عرسوں کے مواقع پر اور دوسری تقریبات و محافل میں کیا جاتا ہے۔ گویا اس پہلو سے بھی صوفیائے کرام کے وظائف و مشاغل روحانی فروغ حمد و نعت کا موجب ہیں۔

(ج) جلسہ ہائے سیرت : یہ جس شکل میں بھی ہوں، تقاریر، مذاکرے، سیمینار، ان سب کا مقصود ذکر رسالت مآب ﷺ ہے۔ ایسے جلسوں میں نعت کا التزام ہوتا ہے۔ آغاز میں تلاوت قرآن مجید کے بعد لازماً نعت پڑھی جاتی ہے اور بسا اوقات درمیان میں وقفے وقفے سے نعت خوانی کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔

جلسہ ہائے سیرت کے علاوہ مسلمانوں کے ہر نوع کے جلسے، محفلیں، مجلسیں، تقریبات اور اجتماعات نعت نبی ﷺ کے نور سے منور ہوتے ہیں اور یہ فروغ نعت کا ایک مسلسل ذریعہ ہے۔

اس میں ایک اضافہ یہ ہوا ہے کہ پہلے جلسے دینی و مذہبی انداز میں منعقد ہوتے تھے۔اب درس گاہوں میں (مکاتب و مدارس سے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سطح تک) منعقد ہوتے ہیں اور انتظامیہ نیز تعلیمی تنظیمیں اپنے ۔۔۔۔ ادبی اور علمی پروگراموں کے طور پر ترتیب دیتی ہیں۔ایسے تمام جلسوں میں بھی نعت خوانی ایک تلازمے کی صورت میں موجود ہے، جس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ نئی نسل بھی، اپنے دور تربیت و تعلم میں ذکر رسول ﷺ سے اپنے قلوب کو منور کرتی ہے اور فضائل و سیرت محمدی سے اپنے افکار و کردار کی تربیت و تزئین کرتی ہے۔

(د) **نعتیہ مشاعرے** : اردو شاعری کا سب سے قوی اور قدیم وسیلہ اظہار مشاعرے ہیں جو ماضی میں عموماً غزل گوئی کی صورت میں منعقد ہوتے تھے لیکن ہمارے عہد میں (خصوصاً پاکستان بننے کے بعد) نعتیہ مشاعروں کا رواج ہوا ہے۔ یہ مشاعرے یا تو کسی نہ کسی مصرع پر ہوتے ہیں یا شعرا بلا قید و شرط اپنی اپنی نعتیں پڑھتے ہیں۔ یہ عوامی مقامات پر بھی ہوتے ہیں اور گھروں میں بھی۔ کوئی نہ کوئی بزم ان کا اہتمام کرتی ہے۔ ان مشاعروں کے سبب بہت سی نعتیہ انجمنیں وجود میں آگئی ہیں جو باقاعدگی سے ان کا انتظام کرتی ہیں اور بہت سے شعراء یکجا ہو کر باذوق سامعین اور عاشقان رسول ﷺ کے مجمع میں ذکر رسول ﷺ سے قلوب کو تازہ کرتے ہیں۔

نعتیہ مشاعروں کے انعقاد کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ شعراء تسلسل سے نعت گوئی پر متوجہ رہتے ہیں اور نعت فنی اور معنوی طور پر فروغ پاتی رہتی ہے۔ کچھ عرصہ سے یہ نعتیہ محافل مخصوص نعتیہ انجمنوں کے دائروں یا گھریلو انتظامات کی فضا سے باہر آگئی ہیں اور ان کا دائرہ انعقاد پھیل گیا ہے۔ ٹیلیویژن، ریڈیو، ثقافتی ادارے اور ادبی اکادمیاں بھی ان کو منعقد کرتی ہیں۔

(ہ) **وسائل ابلاغ عامہ** : ان میں بالعموم رسائل و اخبارات (صحافت)، ریڈیو اور ٹیلیویژن (الیکٹرونک میڈیا) فلمیں اور گراموفون ریکارڈز وغیرہ شامل ہیں :-

اخبارات اپنے ہفتہ وار ایڈیشن نکالتے ہیں۔ ان میں حمد و نعت بھی ہوتی ہے۔ خاص مذہبی، ادبی اور سیاسی دنوں کی مناسبت سے خصوصی نمبر نکالتے ہیں۔ وہ بھی حمد و نعت سے مزین ہوتے ہیں۔ رسائل و جرائد میں آغاز لازماً حمد و نعت سے ہوتا ہے۔ بعض رسائل نہایت التزام کے ساتھ خصوصی نعتیہ نمبر نکالتے ہیں۔

ریڈیو اور ٹی وی پر متبرک ایام و شہور کی مناسبت سے نعتیہ محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ جن جن علاقوں اور شہروں میں ریڈیو سٹیشن یا ٹی وی سٹیشن قائم ہیں، وہ الگ الگ ایسی محافل کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی ہی سے پرانے شعراء کا نعتیہ کلام نشر ہوتا ہے۔ کبھی کبھار حمد و نعت کے سلسلے میں مذاکروں اور تقاریر کا انتظام بھی ہوتا ہے۔

فلمیں اور گراموفون ریکارڈ اور کیسٹیں بھی فروغ نعت کا ذریعہ ہیں لیکن یہ ذریعہ زیادہ معیاری نہیں ہے۔ جب کوئی شاعر یا کوئی نعت خواں کسی فلمی گیت کی لے پر نعت سناتا ہے تو سامع کے ذہن میں گیت ہی کی دھن گردش کرتی رہتی ہے جس سے نعت کی حرمت متاثر ہوتی ہے۔ ہمارے خیال میں سماجی وجدان کے تقاضے اور نعت گوئی کے پاکیزہ ذوق کے مدنظر فلموں کی دھنوں سے اجتناب ہی بہتر تھا چاہئے۔

فروغ حمد و نعت کے اضافی ذرائع میں درج ذیل امور بھی لائق توجہ ہیں :۔

(۱) نعت خوانی ایک باقاعدہ فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس سلسلے میں نعت خوانوں کی بے شمار تنظیمیں قائم ہیں۔ ان کی ٹولیاں ہیں جو اس فن کے لئے خاص ریاضت کرتی ہیں۔ نعت خوانی کی تربیت اور فن آموزی کے لئے تربیتی ادارے اور اکادمیاں قائم ہیں۔

(۲) حکومتی ثقافتی اداروں کے زیر اہتمام قومی سطح پر ایوارڈز، اعزازات اور انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سیرت رسول ﷺ پر ہونے والی تصانیف، نعتیہ مجموعے، حمد و نعت سے متعلق رسائل انعامی مقابلے کے لئے جمع کئے جاتے ہیں۔ ججوں کا پینل فیصلہ کرتا ہے اور صاحبان نعت و سیرت کی قدردانی اور حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ دوسرے غیر سرکاری ادارے بھی بسا اوقات یہ اہتمام کرتے رہتے ہیں اور اعزازات کے علاوہ حج اور عمرے کا ٹکٹ بھی پیش کرتے ہیں۔

اگرچہ نعت و سیرت کی تخلیق، اہل قلم اور شعراء کے لئے بجائے خود ایک بڑا انعام ہے اور اللہ اور رسول ﷺ کے یہاں ان کاوشوں کی قبولیت ہی سب سے بڑا ایوارڈ ہے، تاہم یہ مساعی فروغ نعت و سیرت کے سلسلے میں مد ضرور ہیں۔

(۳) فروغ حمد و نعت کے سلسلے میں بعض رسائل ہی اس مزاج و مقصد سے مخصوص ہو گئے ہیں۔ وہ حمد و نعت کا سرمایہ (تخلیق، تنقید، تحقیق) جمع کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں نعت رنگ کراچی، حمد و نعت کراچی، نعت لاہور اور ایوان نعت لاہور وغیرہ مشہور ہیں۔

(۴) یونیورسٹیوں کی سطح پر نعت و سیرت پر ڈاکٹریٹ کا اہتمام ہے اور اہل ہمت پی۔ ایچ۔ ڈی کے تحقیقی مقالے مرتب کر کے فروغ حمد و نعت میں اپنا فریضہ ادا کرتے ہیں۔
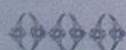
کاش اس بات سے بیگانہ رہیں یہ لب و گوش
جو مرے سید و سرکار ﷺ نے فرمائی نہیں

(احمد جاوید)

منجانب

ریاض شیخ (کراچی)

جمال پانی پتی

نعت گوئی کا تصورِ انسان

اور

مولانا کوکب نورانی

نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۶ میں میرا ایک مضمون "نعت گوئی کا تصور انسان" کے عنوان سے کچھ عرصہ پہلے شائع ہوا تھا۔ اس مرتبہ برادرِ عزیز صبیح رحمانی نے نعت رنگ کے اکٹھے دو شمارے (یعنی شمارہ نمبر ۷ اور شمارہ نمبر ۸) ایک ساتھ چھاپ کر بھجوائے تو میں نے سب سے پہلے شمارہ نمبر ۸ میں حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کا وہ مکتوب دیکھا جس میں انھوں نے کچھ اظہار خیال میرے مذکورہ بالا مضمون کے حوالے سے بھی فرمایا ہے اور جس کی خبر مجھے برادرم صبیح رحمانی پہلے ہی فون پر دے چکے تھے۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ میں حضرت مولانا کے ارشادات کے حوالے سے اپنے ردِ عمل کا اظہار بھی کروں۔ سو میں ان کی حسب فرمائش مختصراً چند باتیں اسی حوالے سے قلم بند کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی نے اپنے مکتوب میں جو کچھ میرے مضمون کے حوالے سے ارشاد فرمایا، اس کا لب لباب، جہاں تک میری فہم ناقص میں آسکا، یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بشر تو بے شک ہیں، مگر ہم آپ جیسے بشر نہیں۔ بے مثل و بے مثال بشر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مثلیت کا دعویٰ کرنے والوں کی پرزور تردید فرمائی۔ اور آپ ﷺ کی بے مثل بشریت کے دعوے کو پانی، پتی اور چائے کی مثال سے سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر میں بصد ادب و احترام یہ عرض کروں گا کہ حضرت مولانا کی نظر شاید اس طرف نہیں گئی کہ اس مثال سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اس میں آنحضرت ﷺ کی بے مثل بشریت تو رہی درکنار، خود بشریت ہی کی نفی ہو جاتی ہے (غالباً غیر شعوری طور پر)۔ اس لیے کہ پانی میں تھوڑی سی پتی ملانے سے جو چیز بنتی ہے، اسے بے مثال پانی نہیں، چائے کہتے ہیں۔ حالاں کہ مولانا کے موقف کے بموجب ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ چائے کو چائے نہیں بے مثل پانی کہتے۔ مگر خود انھی کے بہ قول چوں کہ اب پانی کا رنگ، ذائقہ، مہک اور اثر ہی نہیں، نام تک بدل

گیا۔ لہٰذا اب اسے پانی نہیں، چائے کہتے ہیں۔ تو یہ نتیجہ تو بالکل الٹا مولانا کے موقف کے برعکس نظر آیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی بے مثل بشریت تو کیا ثابت ہوتی، خود آپ کی بشریت بھی اپنی جگہ قائم و برقرار نہ رہ سکی۔ یہ بات اس وقت اور بھی واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے جب حضرت مولانا مزید وضاحت کی خاطر اسی مثال پر قیاس کرتے ہوئے اگلے ہی سانس میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس بشر میں نبوت رکھ دی، اب اسے بشر نہیں، رسول اللہ کہیں گے۔ یہاں مولانا نے صاف لفظوں میں آنحضرت ﷺ کی بشریت کی نفی کر دی۔ گویا پانی، پتی اور چائے کی مثال میں اگر بشریت کی نفی غیر شعوری طور پر ہوئی تھی تو اس وضاحت سے وہ بھی شعور کی سطح پر آکر نمایاں ہوگئی۔ اور نتیجہ ساری بات کا یہ نکلا کہ مولانا کو آنحضرت ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنے کے لیے آپ ﷺ کی بشریت کی نفی کرنی پڑی۔ اور واضح رہے کہ میں خدانخواستہ یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ حضرت مولانا آپ ﷺ کی بشریت کے قائل نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اس تحریر میں غالباً نادانستہ طور پر آپ ﷺ کی بشریت کی نفی ہوگئی۔ شاید اس لیے کہ یا تو وہ اپنی بات پوری وضاحت سے کہہ نہیں پائے یا اس لیے کہ ان کے نزدیک رسالت اور بشریت میں تضاد کی نسبت ہے۔ اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی محل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ مگر ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ بات صریحاً قرآن کریم کے منشا کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ آپ کا رسول اللہ ہونا ہرگز آپ کی بشریت کے منافی نہیں۔ جبھی تو قرآن کریم میں قل انما انا بشر مثلکم کے ساتھ ہی آپ کی زبان مبارک سے یوحی الی بھی کہلوایا گیا۔ یہ آیت صاف ظاہر کرتی ہے کہ آپ بہ یک وقت بشر بھی ہیں اور اللہ کے رسول بھی اور آپ کی بشریت اور رسالت۔ ان دونوں حیثیتوں میں کوئی ایسی نسبت تضاد نہیں کہ ایک کے اقرار سے دوسری کا انکار لازم آتا ہو۔ علاوہ ازیں یہ جو ہم روزانہ پنج وقتہ نمازوں میں حضور نبی کریمؐ کے بارے میں عبدہٗ و رسولہٗ کی گواہی دیتے ہیں، تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی رسالت، آپ کی عبدیت (یا بشریت) کے کسی طرح بھی منافی نہیں۔

دیکھیے۔ میں یہاں مزید وضاحت کی خاطر پھر عرض کیے دیتا ہوں کہ حضرت مولانا کوکب نورانی نے اپنے مکتوب میں حضور نبی کریمؐ کی حدیث شریف "میں تمھاری طرح، تم جیسا نہیں" کو سمجھانے کے لیے پانی، پتی اور چائے کی مثال پیش کی ہے۔ یہ مثال انھوں نے پی ٹی وی سے بہ عنوان "بے مثل بشر" فہم القرآن نامی پروگرام میں بیان فرمائی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ "میں بے مثل و بے مثال بشر ہوں۔" اب اگر یہ مطلب درست ہے تو مولانا سے بہت ادب کے ساتھ پوچھنا چاہیے کہ کیا ان کے نزدیک قرآنی آیت "انما انا بشر مثلکم" کا مطلب حدیث شریف کے برعکس یہ ہوگا کہ (نعوذ باللہ) میں بے مثل و بے مثال بشر نہیں

ہوں۔ اس لیے کہ تخالف و تضاد کی جو نسبت آیت قرآنی اور حدیث شریف کے الفاظ میں پائی جاتی ہے، وہی نسبت ان کے معنی و مفہوم میں بھی ہونی چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ان دونوں کا ایک ہی مطلب مراد لیں۔ یعنی بے مثل و بے مثال بشر۔

علاوہ ازیں مولانا کوکب نورانی نے اپنے مکتوب میں مثلیت کا دعویٰ کرنے والوں کی پرزور تردید کرتے ہوئے اس حقیر فقیر پر تقصیر کی توجہ سورۃ الانعام کی اس آیت کی طرف مبذول کرائی ہے جس میں جانوروں اور پرندوں کو انسانوں جیسی امتیں قرار دیا گیا ہے۔ مولانا کا ارشاد ہے کہ "جمال صاحب نے بعض جملے بہت خوب ارشاد فرمائے۔ یہ آیت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ (ترجمہ: "اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے، مگر تم جیسی امتیں۔") مثلیت کا دعویٰ کرنے والے یہ آیت بھی پیش نظر رکھیں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ

افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض

پورا قرآن ماننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور پرندوں کو انسانوں جیسی امتیں فرمایا۔ جو کوئی رسول کریم علیہ السلام کو قرآن کی آیت پڑھ کر بشروں کے مثل یا خود کو بشر مان کر اپنی مثال کہنے پر مصر ہے، وہ خود کس کی مثال ہے، یہ نہ بھولے۔

چوں کہ یہ ساری بات مولانائے محترم نے اس حقیر فقیر پر تقصیر کا نام لے کر ارشاد فرمائی، اس لیے گمان غالب یہی ہے کہ انھوں نے اس بندۂ عاجز کو مثلیت کا دعویٰ کرنے والوں میں شمار کر کے تفسیر بالرائے کا مرتکب گردانا ہے۔ یا شاید تفسیر بالرائے کا مرتکب گردانتے ہوئے مثلیت کا دعویٰ کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو مجھے سخت حیرت ہے کہ مولانائے محترم کو میرے بارے میں یہ بدگمانی کیسے ہوئی۔ اور انھوں نے میرے مضمون میں وہ بات کہاں سے پڑھ لی جو میں نے کہیں لکھی ہی نہیں۔ کم از کم اتنی گواہی تو نعت رنگ کا ہر پڑھنے والا دے سکتا ہے کہ میرے مضمون کا تو سارا زور ہی اس بات پر ہے کہ:

> بشر ہونے میں بھی آپؐ عام انسانوں کے برعکس بشریت کے انتہائی درجۂ کمال پر فائز تھے...... مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم، آپ جیسے بشر نہیں، افضل البشر ہیں عام انسانوں جیسے انسان نہیں، انسان کامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس کرنا درست نہیں۔

اس کے ساتھ ہی میرے مضمون میں سارا زور آنحضرت کی بشری اور نوری، دونوں جہات کو ماننے پر دیا گیا ہے۔ میں نے غیر مبہم الفاظ میں لکھا ہے کہ:

آپ کی حقیقت نوری ہے اور صورت بشری۔ ایک جہت میں آپ حق سے
واصل ہیں اور دوسری میں مخلوق سے وابستہ۔

ادھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

اب خواہ آپؐ کی جہت حق ہو یا جہت خلق، ایک مسلمان کے لیے آپؐ کی
دونوں ہی جہتوں کو ماننا ضروری ہے۔ جس نے آپؐ کی ایک جہت کو دیکھا اور
دوسری سے محجوب رہا، وہ آپؐ کے دیکھنے کا حق کماحقہ ادا نہ کرسکا۔

اور ہاں مولانائے محترم کی تحریر کے الجھاؤ کے سبب جس طرح ان کے مکتوب میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اثبات اور بشریت کی نفی ہوئی ہے، اس کی طرف تو سطور بالا میں پہلے ہی اشارہ کیا جاچکا۔ اب میں اس حوالے سے یہ تو نہیں کہوں گا کہ وہ بھی افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض کی زد میں آگئے۔ لیکن اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ کم از کم میری تحریر میں ایسا الجھاؤ کہیں موجود نہیں، جس سے آنحضرت ﷺ کی کسی ایک جہت کا انکار اور دوسری کا اقرار لازم آتا ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بشر ہوتے ہوئے بھی، ہم آپ جیسے بشر نہ ہونا، بلکہ بشریت کے انتہائی درجہ کمال پر فائز ہو کر افضل البشر کہلانا۔ یا یوں کہیے کہ بے مثل و بے مثال بشر ہونا جس طرح اس حقیر فقیر پر تقصیر کے مضمون میں واضح طور پر بغیر کسی ایچ پیچ یا الجھاؤ کے بیان کیا جا چکا تھا۔ اس کے بعد مولانا کی جانب سے اپنے مکتوب میں اس کا اعادہ کوئی ضروری نہ تھا۔ تاوقتیکہ وہ۔

۱۔ اس میں کسی خاص نکتے کا اضافہ نہ فرمائیں (جو انھوں نے نہیں فرمایا) یا

۲۔ اس حوالے سے میری تحریر میں کسی قابل اعتراض بات کی نشان دہی نہ کریں (جو انھوں نے نہیں کی)

چناں چہ کسی معقول وجہ جواز کے بغیر ان کی طرف سے اس کا اعادہ ایک تو ویسے ہی تحصیل حاصل کے برابر تھا، دوسرے اس کا الٹا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آپ ﷺ کی بے مثال بشریت کو سمجھانے کے لیے جو طرز بیان مولانا نے اختیار کیا، اس سے آپ کی بے مثال بشریت تو کیا سمجھ میں آتی، خود آپ کی بشریت بھی اپنی جگہ قائم و برقرار نہ رہ سکی۔ حاصل کلام یہ کہ ان کی تنقید سے جو فائدہ اس حقیر فقیر پر تقصیر کو یا قارئین نعت رنگ کو ہو سکتا تھا، وہ بھی حاصل نہ ہو سکا، اور خود مولانا کو جو فائدہ ہوا تو یہ کہ ان کے اپنے الفاظ ہی خود ان کے خلاف گواہی دینے لگے۔

البتہ صورت اور حقیقت (یا بشر اور نور) کی بحث میں "احمد بلا میم" کے حوالے سے جو گفتگو میرے مضمون میں کی گئی تھی اس سے اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مولانا کوکب نورانی نے جو

کچھ ارشاد فرمایا، اس نے کم از کم اس سلسلے میں ان کے ذوق خامہ فرسائی کے لیے ایک وجہ جواز ضرور فراہم کر دی۔ چناں چہ حضرت مولانا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"احمد بلا میم" کے حوالے سے صرف اتنی عرض ہے کہ اگر یہ قول حضرت رضی الدین محمد الباقی المعروف حضرت خواجہ باقی باللہ نقش بندی سے سند اور صحت کے ساتھ ثابت ہے، تو بھی اس کے وہ معنی نہیں ہو سکتے جو صاحب مضمون نے ذات اور حقیقت کے حوالے سے نقل فرمائے ہیں۔

اس سلسلے میں میری گزارش یہ ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ سے منسوب یہ قول جس طور پر رسالہ موسوم بہ "شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ" میں مرقوم ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خود انھی کا ہے۔ اس لیے کہ اس رسالے میں (جس کا اردو ترجمہ فارسی متن کے ساتھ ادارہ مجددیہ، ناظم آباد کراچی نے شائع کیا ہے) یہ قول جس طور پر درج ہے، اس کی صورت یہ ہے:

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) احمد بلا میم ہیں۔ ان کو خاکی انسانوں سے کیا نسبت ہے۔

لیکن بعض دوسرے حوالوں کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ قول اپنی اصل صورت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ مثلاً فرید الدین عطار کے ایک قصیدے میں ہمیں یہ قول اس صورت میں ملتا ہے:

خود شدہ طوطی و خود آئینہ
خود شدہ پیش طوطی آئینہ دار
خود پیمبر شدہ، پیام آورد
گشت خود معترف نمود اقرار
گفت "انا احمد بلا میم"
از زبان محمدؐ مختار

یہ آخری شعر ظاہر کرتا ہے کہ "احمد بلا میم" خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے لیکن میں اس بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا بہر حال، جہاں تک میرے مضمون کا تعلق ہے، تو اس میں یہ قول حضرت خواجہ باقی باللہ ہی کے قول کی حیثیت سے زیر بحث آیا ہے۔ رہی اس قول کے معنی و مفہوم کی بات تو گزارش یہ ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے اس قول کے معنی میں نے نہیں، خود امام ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ نے "شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ" میں بیان فرمائے ہیں۔ انھوں نے اس قول کی جو شرح اس رسالے میں کی ہے، اس کا متعلقہ حصہ

درج ذیل ہے:

یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حقیقت، جس کو حقیقت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو کہ وحدت اور احدیت جامعہ کے نام سے موسوم ہے۔ "احمد بلا میم" سے اشارہ اسی احدیت جامعہ (مکمل) کی طرف ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی اس شرح کے برعکس حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اس قول کی تاویل لفظ "احد" کی بنیاد پر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں اور مخلوق میں "احد" ہیں۔ یعنی بے مثل و بے مثال، یکتا و یگانہ۔

اب مجھ جیسے ہیچمداں، بے علم اور ادب کے ایک معمولی طالب علم کی یہ مجال کہاں کہ میں مولانائے محترم کی پیش کردہ تاویل کو نادرست قرار دوں۔ لیکن بہت ادب و احترام کے ساتھ اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ اگر مولانا کوکب نورانی کی اس تاویل کو درست سمجھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ امام ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے قول کی شرح میں صریحاً قصور فہم کا ثبوت دیا ہے۔ اور یہ بھی کہ جب مجدد صاحب اپنے مرشد کے اسی ایک قول کا مطلب صحیح نہ سمجھ سکے تو پھر انھوں نے نہ صرف اس رسالے میں، بلکہ اس کے علاوہ اپنے مکتوبات اور دیگر رسائل ہیں، جہاں جہاں شریعت اور طریقت کے دقیق مسائل سے متعلق اپنے مرشد کے اقوال کی تشریح و توضیح فرمائی ہے، ان کی صحت بھی مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔

اچھا، حضرت مولانا کوکب نورانی کی تاویل کے مطابق لفظ احد کے معنی ہیں، "بے مثل و بے مثال، یکتا و یگانہ۔" اور ظاہر ہے کہ یہ الفاظ صفات کی ذیل میں آتے ہیں۔ لیکن جب ہم ایک شاعر کی زبان سے یہ سنتے ہیں کہ:

نور احد ہے میم کے پردے میں جلوہ گر

رتبہ مرے حضور کا سمجھے گا کیا بشر

اہل خرد یہ کہنے پہ مجبور ہو گئے بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یا جب غالبؔ کے ایک نعتیہ قصیدے میں ہم اس کے یہ اشعار پڑھتے ہیں کہ:

نماند اندر احمد زمیش اثر

کہ آں حلقۂ بود بیرون در

احد جلوہ گر باشیون و صفات

نبی محو حق چوں صفت عین ذات

تو ظاہر ہے کہ ان اشعار میں لفظ "احد" کا استعمال نہ تو بہ طور صفت کے ہوا ہے اور نہ ہی یہاں اس کے وہ معنی مراد لیے جاسکتے ہیں جو مولانا موصوف نے بیان فرمائے ہیں۔ مگر یہاں میں ان کے بیان کردہ معنی کی تردید نہیں، تائید کرتے ہوئے بہ صد ادب عرض کروں گا کہ یقیناً "احد" کے معنی وہ بھی ہیں جو مولانا نے بیان فرمادیے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس لفظ کا مفہوم صرف انھی معنوں کی حدود میں بند ہے، یا اس کے اندر اس سے زیادہ کچھ اور مفاہیم بھی موجود ہیں۔ اب مجھ جیسے بے علم آدمی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ میں مولانا جیسے عالم فاضل شخص کو یہ بتانے بیٹھ جاؤں کہ علاوہ اور معنوں کے یہ لفظ "ایک" یا "عددِ واحد" کے معنی بھی رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ایک نام بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس لفظ سے باری تعالیٰ کی ذات خاص بھی مراد لی جاتی ہے۔ غرض کہ "احد" کے متعدد معنوں میں سے یہ چند تو میں نے عرض کردیے۔ علاوہ ان کے اس کے اور بھی کئی ایک معنی ہیں جو یقیناً مولانا کے علم میں بھی پہلے ہی سے ہوں گے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مسئلہ زیر بحث کی حدود سے تجاوز فرماکر اس لفظ کے صرف وہی معنی کیوں مراد لینا چاہتے ہیں جو اس مسئلے سے کسی صورت بھی کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ دراصل میرے مضمون میں گفتگو اس بات پر تھی کہ اس قسم کے اشعار پر آج کل یہ اعتراض ہو رہا ہے کہ میم کا پردہ اٹھاکر "احد" اور "احمد" کے امتیاز کو ختم کرنا کفر و شرک کے برابر ہے۔ لہٰذا سوال یہ تھا کہ اس قسم کے اشعار پر اعتراض کرنے والے اپنے اعتراض میں کس حد تک حق بہ جانب ہیں۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ باقی باللہ نقش بندی کا قول "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) احمد بلا میم ہیں" بھی سامنے آیا جس کی شرح کرتے ہوئے مجدد صاحب نے فرمایا کہ "احمد بلا میم" سے اشارہ حقیقت محمدیہ کی طرف ہے۔ اور یوں خواجہ باقی باللہ کے قول اور مجدد صاحب کی شرح کی مدد سے ہمارے لیے اپنے سوال کا جواب ڈھونڈنا آسان ہوگیا۔ اب یہاں مجدد صاحب کی شرح اور مولانائے محترم کی تاویل میں ایک فرق یہ بھی قابل غور ہے کہ جہاں مجدد صاحب کی شرح کی مدد سے ہمارے لیے اپنے سوال اک جواب تلاش کرنا آسان ہوگیا، وہاں مولانائے محترم کی پیش کردہ تاویل نے ہماری رہنمائی ہمارے سوال کے جواب کی طرف کرنے کی بجائے خود ان اشعار کی معنویت کو بھی گم کردیا جن کی کوکھ سے ہمارا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور نتیجے کے طور پر سوال اور جواب دونوں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔

اب آخر میں ایک ضروری بات:

میرا جو مضمون نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۶ میں "نعت گوئی کا تصور انسان" کے عنوان سے چھپا ہے، اس میں نعت رنگ کے صفحہ نمبر ۲۵ پر ابتدائی تین سطروں کے بعد یہ عبارت موجود ہے:

ایک دوسری آیت میں آپ کی نوری جہت کی طرف حق تعالیٰ نے یوں اشارہ

فرمایا کہ : اور ہم نے اسے ایک نور دیا ہے جسے لے کر وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔

میں اس تحریر کے ذریعے قارئین نعت رنگ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی جس آیت کا ترجمہ اوپر دیا گیا ہے، اس کا کوئی تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک سے یا آپ کی کسی بھی جہت سے نہیں۔ اس آیت کا حوالہ خدا جانے میری کس غفلت یا سہو کے سبب میرے مضمون میں شامل ہوگیا۔ بہرحال غفلت ہو یا سہو، یہ ایک بڑی غلطی ہے جو مجھ بندہ عاجز سے سرزد ہوئی۔ مجھے اپنی اس غلطی پر بے حد ندامت ہے اور بعد میں خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے ہوئے اس غلطی پر اپنے پاک پروردگار سے عفو و درگذر کا خواست گار ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کا شکر گزار ہوں کہ میرے لیے ان کا مکتوب اس غلطی سے آگاہی کا سبب بنا۔ اس لیے کہ ان کے مکتوب کے حوالے سے اپنے مضمون کو دوبارہ پڑھتے ہوئے ہی مجھ پر اپنی اس غلطی کا انکشاف ہوا۔ مجھے اگر اس حوالے سے اپنا مضمون دوبارہ پڑھنے کا موقع نہ ملتا تو مجھے اس غلطی کی خبر نہ ہوتی اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا کہ "افہام و تفہیم" کے نام سے میری جو تنقیدی کتاب بہت جلد شائع ہو کر آنے والی ہے اس میں یہ غلطی جوں کی توں برقرار رہتی۔ لیکن مولانا کے مکتوب نے میرے لیے بہت بروقت اس غلطی سے خبردار ہونے اور کتاب میں اس کی تصحیح کرنے کا موقع فراہم کردیا۔ یہ کتنا بڑا فائدہ ہے جو ان کے مکتوب سے حاصل ہوا۔ لہٰذا میں ان کا جس قدر بھی شکریہ ادا کروں، کم ہے۔

☆☆☆

سلیم کوثر

بادل سا برس کے کُھل رہا ہے
عصیاں کا غبار دُھل رہا ہے

اک عشق محبتوں سے آگے
اب جا کے لہو میں گُھل رہا ہے

وہ ساری اکائیوں کی وحدت
اب جزو نہ کوئی کُل رہا ہے

ہر پل جو گزر رہا ہے اب تک
دربانِ شہِ رُسلؐ رہا ہے

آقاؐ یہ ترا سلیمؔ کوثر
دنیا کی ہوس میں رُل رہا ہے

✿

قسمت کو چمکانے والے کیسے ہوں گے
آپؐ سے ہاتھ ملانے والے کیسے ہوں گے

روشن ہوں گی مسجد کی محرابیں لیکن
ان میں دیا جلانے والے کیسے ہوں گے

آپؐ کی راہ پہ چلنے والے خوش قسمت ہیں
آپؐ کی راہ بتانے والے کیسے ہوں گے

سارے زمانوں سے افضل ہے جن کا زمانہ
آخر ان کے زمانے والے کیسے ہوں گے

کیسے ہوں گے خوش بُو کو مہکانے والے
ریت پہ پھول کھلانے والے کیسے ہوں گے

❁

کبھی ڈوبا نہیں طوفاں میں کنارا میرا
آپؐ کا اسمِ گرامی ہے ستارا میرا

کب سے دنیا مرے رستے میں کھڑی ہے لیکن
میں ہوں اور گنبدِ خضریٰ ہے نظارہ میرا

آپؐ کے در سے مرے نام کی بھیک آتی ہے
اک عجب شان سے ہوتا ہے گزارا میرا

مجھ کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے سلیمؔ
انؐ کے دربار سے ہوتا ہے اشارا میرا

❁

جانے یہ کیسی چبھن ہے مرے مکی مدنی
میرے سینے میں دُکھن ہے مرے مکی مدنی

میرے باہر بھی ہوا ٹھیک نہیں چلتی ہے
میرے اندر بھی گھٹن ہے مرے مکی مدنی

مضمحل روح جہاں گریہ کناں رہتی ہے
مجھ میں اک ایسا بدن ہے مرے مکی مدنی

جسم دبتا ہی چلا جاتا ہے اک بوجھ تلے
وہ گناہوں کی تھکن ہے مرے مکی مدنی

مجھ مسافر کے لیے آج بھی ہر گام کے ساتھ
منزلِ دار و رسن ہے مرے مکی مدنی

یہ مرا عہد تضادات کا مارا ہوا عہد
بے حسی اس کا چلن ہے مرے مکی مدنی

چشمِ نظّارہ کو درکار ہے منظر کوئی اور
دل کہیں اور مگن ہے مرے مکی مدنی

میں مدینے کی طرف دیکھ کے خوش ہوتا ہوں
میرا بھی کوئی وطن ہے مرے مکی مدنی

آپؐ کے عشق میں ڈھل جائے امر ہو جائے
میرا جو رنگِ سخن ہے مرے مکی مدنی

❁

وہ نظر ہو تو کیا سے کیا ہو جاؤں
میں جو پتھر ہوں آئنہ ہو جاؤں

لوگ کعبہ سے سوئے طیبہ جائیں
میں تو بس ان کا راستہ ہو جاؤں

میری آنکھوں میں انؐ کے خواب رہیں
اور ہر خواب سے جدا ہو جاؤں

انؐ کی گلیوں کا قرض ہوں میں تو
دیکھیے کب وہاں ادا ہو جاؤں

انؐ کی یادوں کی بزم ہو اور میں
رقص کرتا ہوا فنا ہو جاؤں

میں تو اس شہر کی امانت ہوں
کب چلوں اور کب ہوا ہو جاؤں

انؐ کی چوکھٹ پہ سر رکھوں اور پھر
ہر تصوّر سے ماورا ہو جاؤں

مجھ کو بھی اذنِ باریابی دے
خاک سے میں بھی کیمیا ہو جاؤں

کتنی بوسیدگی ہے مجھ میں سلیمؔ
ان سے مل آؤں تو نیا ہو جاؤں

❁

اے منبعِ الطاف و کرم سیّدِ عالمؐ
کیا ہو تری توصیف رقم سیّدِ عالمؐ

یاں میں بھی ہوں موجود کہیں پچھلی صفوں میں
مجھ پر بھی توجہ کوئی دم سیّدِ عالمؐ

ہر تیرہ و تاریک زمانے کے افق پر
روشن ہیں ترے نقشِ قدم سیّدِ عالمؐ

جب صرف ترا عشق کسوٹی ہے ہماری
پھر کون عرب کون عجم سیّدِ عالمؐ

آنکھوں کی طہارت ترے ناموں کی زیارت
اور وردِ زباں دم بہ دم سیّدِ عالمؐ

خوش بُو کا خزینہ ہے ترا شہرِ مدینہ
اور خاک جہاں کی ہے ارم سیّدِ عالمؐ

اے عشقِ بلالیؓ کہ ہے رتبہ ترا عالی
اے صاحبِ معراجِ امم سیّدِ عالمؐ

اے زینتِ لولاک اجالے تری پوشاک
تو نُور صفت نورِ حشم سیّدِ عالمؐ

❁

اللہ کی تخلیق سے معیار سے پہلے
سرکارؐ ہی موجود تھے سرکارؐ سے پہلے

تعمیر ہوئی بعد میں یہ ساری عمارت
دروازہ بنایا گیا دیوار سے پہلے

اک عرش بچھایا گیا اس فرشِ زمیں پر
رستوں کو ابھارا گیا رفتار سے پہلے

ترتیب دیا صاحبِ اسرارِ جہاں نے
اک حسنِ تکلم تری گفتار سے پہلے

موجود رہا خلوتِ ہر شے میں وہ لیکن
ظاہر نہ ہوا آپؐ کے اظہار سے پہلے

ہر سوچنے والے کی نگاہوں میں کھنچا ہے
اک نور کا ہالا ترے دیدار سے پہلے

زندہ ہوئے اک لمحۂ اثبات میں عالم
کب روح میں جاں تھی ترے اقرار سے پہلے

یہ رحمتِ عالم کا کرم ہی تو ہے ورنہ
ملتا ہی نہ تھا کوئی گنہگار سے پہلے

تب جا کے سمٹتی ہے دھنک نعت کی دل میں
خوش بوئے حضورؐ آتی ہے اشعار سے پہلے

سب اوّل و آخر کی حدیں ختم ہیں ان پر
سرکار ہی موجود ہیں سرکارؐ سے پہلے

❁

مسافروں پہ ضروری ہے اتباعِ حضورؐ
یہ کائنات حقیقت میں ہے سرائے حضورؐ

اب اور کیا طلبِ رہنمائی ہے تم کو
ہر ایک راہ میں روشن ہیں نقشِ پائے حضورؐ

بدلتے رہتے ہیں نغماتِ سازِ ہستی پر
جو آرہی ہے مسلسل وہ ہے صدائے حضورؐ

خدا نے جن کی اداؤں جوجزوِ ایماں کیا
پیمبروں میں نہیں ہے کوئی سوائے حضورؐ

حیاتِ ختمِ رسلؐ حرف حرف کی تفسیر
کتابِ رب کا ہر اک حرف ہے ثنائے حضورؐ

اسی کے رنگ سے خوش بوئے حق مہکتی ہے
وہ حسنِ خاص جو ہے پرتو قبائے حضورؐ

فصیلِ اشکِ ندامت تھی میرے چاروں طرف
سلیم رات عجب طرح یاد آئے حضورؐ

سحر ہوتی ہوئی آنکھیں سخن کرتی ہوئی راتیں
لہو میں گونجتی ہیں میرے آقا کی مناجاتیں

تری سرگوشیاں کرتی ہیں دل کی دھڑکنیں مجھ سے
کوئی سنتا تو ہے میری کوئی کرتا تو ہے باتیں

انھیںؐ دیکھا تو ساری عمر پھر خود کو نہیں دیکھا
عجب تھے خلوتی انؐ کے عجب ان کی ملاقاتیں

مجھے ہر شب کوئی محوِ دعا رکھتا ہے خوابوں میں
تو دن کو بھیج دیتا ہے سکونِ دل کی سوغاتیں

نہ ہو اس شہر کی گلیوں میں اشکوں سے وضو جب تک
تو کھلتی ہی نہیں ہیں خاکِ طیبہ کی کراماتیں

وہی میں ہوں وہی عشقِ محمدؐ کی گھٹا مجھ پر
وہی ساون بھرا موسم وہی یادوں کی برساتیں

مرا تو کام بس کاغذ پر ان کو نقل کرنا ہے
کہ لوحِ دل پہ لکھ جاتا ہے چپکے سے کوئی نعتیں

سائے قبیلہ وار بڑھے تھے جگ میں گھور اندھیرا تھا
سب سے پہلا دیا جلانے والا شخصؐ اکیلا تھا

روزِ ازل سے روزِ ابد تک سب ترتیب اسیؐ کی ہے
وہ جو غار میں تھا اور سامنے ارض و سما کا نقشہ تھا

اس کی سانسیں سنّاٹے میں خوشبو کا اظہار بنیں
نیندیں تھک کر سو جاتی تھیں اور وہ جاگتا رہتا تھا

سب آنکھیں ہیں اسؐ کی گواہی چہرے اسؐ کی امانت ہیں
عکس بچھڑ کر بھی اس کے ہیں وہ اک ایسا آئینہ تھا

کون و مکاں کا ذرّہ ذرّہ اس کی ذات کا صدقہ ہے
اللہ جانے اس میں اور خدا میں کیسا رشتہ تھا

سورج چاند ستارے اس کے سائے میں ستاتے تھے
بچپن کی گلیوں میں اسؐ کے ساتھ زمانہ کھیلتا تھا

نامِ محمدؐ سامنے رکھ کر پہروں سوچتا رہتا ہوں
ان کی آنکھیں کیسی تھیں اور انؐ کا چہرہ کیسا تھا

یہ عجب سرور کا نور ہے مجھے جانے کس کا غرور ہے
مری سانس سانس میں نکہتیں رگ و پے میں عشقِ حضور ہے

مرے جسم و جاں سے اک ایسی خوش بوئے یاد آتی ہے ان دنوں
مجھے یوں لگے مرے انگ انگ سے روشنی کا ظہور ہے

اسی دھوپ چھاؤں کے گھاؤ میں مرا نام بھی ہے چناؤ میں
یہ وہ سایہ مجھ پہ ہے ضوفگن وہ نگاہ مجھ پہ ضرور ہے

ترے لمسِ ذات کی برکتوں سے تجلیوں کے افق کھلے
ترا جسم خیر ہی خیر ہے ترا اسم نور ہی نور ہے

جو مرے نبیؐ کے نہیں ہوئے وہ خدا کے بھی تو نہیں رہے
کہ اسیرِ عشقِ رسولؐ ہونا ہی بندگی کا شعور ہے

✿

وہی ذکرِ شہرِ حبیب ہے وہی رہ گزارِ خیال ہے
یہ وہ ساعتیں ہیں کہ جن میں خود کو سمیٹنا بھی محال ہے

یہی اسم ہے بجز اس کے کوئی بھی حافظے میں نہیں مرے
یہی اسم میری نجات ہے یہی اسم میرا کمال ہے

یہی دن تھے جب کوئی روشنی مرے دل پہ اتری تھی اور اب
وہی دن ہیں اور وہی وقت ہے وہی ماہ ہے وہی سال ہے

یہاں فاصلوں میں ہیں قربتیں یہاں قربتوں میں ہیں شدتیں
کوئی دور رہ کے اویسؓ ہے کوئی پاس رہ کے بلالؓ ہے

وہ ابھی بُلائیں کہ بعد میں مجھے محو رہنا ہے یاد میں
میں صدائے عشقِ رسولؐ ہوں مرا رابطہ تو بحال ہے

ترا انؐ کے بعد بھی ہے کوئی مرا انؐ کے بعد کوئی نہیں
تجھے اپنے حال کی فکر ہے مری عاقبت کا سوال ہے

سارے حرفوں میں اک حرف پیارا بہت اور یکتا بہت
سارے ناموں میں اک نام سوہنا بہت اور ہمارا بہت

اس کی شاخوں پر آکر زمانوں کے موسم بسیرا کریں
اک شجر، جس کے دامن کا سایا بہت اور گھنیرا بہت

ایک آہٹ کی تحویل میں ہیں زمیں آسماں کی حدیں
ایک آواز دیتی ہے پہرہ بہت اور گہرا بہت

جس دیے کی توانائی ارض و سما کی حرارت بنیں
اس دیے کا ہمیں بھی حوالہ بہت اور اُجالا بہت

میری بینائی سے اور مرے ذہن سے محو ہوتا نہیں
میں نے رُوئے محمدؐ کو سوچا بہت اور چاہا بہت

میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوش بُوئیں جاتی نہیں
میں نے اسمِ محمدؐ کو لکھا بہت اور چُوما بہت

بے یقیں راستوں پر سفر کرنے والے مسافر سنو
بے سہاروں کا ہے اک سہارا بہت کملیؐ والا بہت

اس پیاسی بنجر دھرتی سے کوئی بھی دریا گزر نہیں سکتا ابھر نہیں سکتا
اس کے نور کا فیض نہ ہو تو دامنِ عالم بھر نہیں سکتا نکھر نہیں سکتا

کیا بتلاؤں جان کو ہم آغوشی کی خواہش ہے کتنی پائے نبیؐ سے
کیا دکھلاؤں روح میں نشۂ عشقِ نبیؐ ہے اتر نہیں سکتا بکھر نہیں سکتا

اک جانب طوفان، ہوا، دنیا اک جانب کشتی ہے پتوار ہے، میں ہوں
تیرا ساتھ نہیں ہوگا تو میں تو پار اتر نہیں سکتا گزر نہیں سکتا

میں اَن پڑھ، جاہل، دیوانہ تیرے چاہنے والوں کی صف میں تنہا ہوں
میرے کملی والے آقا کیا میں اب بھی سدھر نہیں سکتا سنور نہیں سکتا

اس کی چاہت ہو دل میں اور جھوٹے لفظ سنانے کی خاطر لکھوں میں
شہرِ علم کو جانے والو میں تو ایسا کر نہیں سکتا کر نہیں سکتا

میں عاشق ہوں میں جانے کب کا عاشق ہوں اور عاشق ضدی ہوتا ہے
جب تک انؐ کو دیکھ نہ لوں گا مل نہیں لوں گا مر نہیں سکتا گزر نہیں سکتا

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری

شورش کاشمیری اور نعت گوئی

شورش کی یاد میری زندگی کا سرمایہ اور اس کا تذکرہ میری زبان و قلم کے لیے حکایت لذیذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی شخصیت کے بے شمار محاسن، اس کی فکر و سیرت کے بے شمار خصائص اور اس کی خدمت کے مختلف میدان ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اس کے ذکر سے اپنی خلوتوں اور قلم و قرطاس کی صحبتوں کو آراستہ کروں لیکن اس کے لیے صحت مساعد نہیں، ہمت معدوم اور فرصت عنقا ہے۔ ان اسباب سے قلم کو روکتا ہوں اور اس کی شخصیت اور فکر و سیرت کے تذکرے اور علم و عمل کے مختلف میدانوں میں اس کی خدمات کے تفصیلی جائزے کے بجائے اس کے ذوق و فکر اور ادب و شعر کے میدان میں خدمت کے صرف ایک پہلو "شورشؔ کاشمیری کی نعت گوئی" کے بارے میں اپنے مطالعے کے بعض نکات اور چند تاثرات کو قلم و قرطاس کے حوالے کرتا ہوں۔ یہ اس کے ذوق و عقیدہ اور فکر و فن کا خاص میدان تھا۔

زمیندار کا ادبی اسکول:

صنف کے اعتبار سے شورش کا تمام نعتیہ کلام نظم میں ہے، غزل میں نہیں۔ شعرا نے عام طور پر نعت کے لیے غزل کی زمین کو پسند کیا ہے یا قصیدے کے مدان کو اختیار کیا ہے لیکن شورش کا مزاج غزل سے زیادہ نظم سے آشنا ہے۔ وہ غزل سنتا ہے، کہتا نہیں۔ اس کی صنفِ شاعری کا تمام دار بست، انداز، اسلوب، مضمون، زبان، آہنگ ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری سے مستعار ہے۔ یہ ظفر علی خاں کی تربیت کا فیضان اور زمیندار کے ادبی اسلوب اور اس کی فضا کا لازمی نتیجہ تھا۔ زمیندار میں مولانا ظفر علی خاں کی سیاسی شاعری نے ایک ادبی اور شعری ذوق پیدا کیا تھا۔ لوگ اسی کو پسند کرتے تھے۔ زمیندار کے مدرسۂ شعر میں جن شعرا نے تربیت پائی تھی، ان کا مزاج بھی شاعری کے اسی سانچے میں ڈھل گیا تھا۔ اسی انداز شاعری کا عوام میں ڈنکا بج رہا تھا۔ ظفر علی خاں اور ان کے تربیت یافتگان نے اسے مقبول عام بنا دیا تھا۔ اس انداز شاعری سے صرف عوام ہی متاثر نہ ہوئے تھے، پنجاب کی صحافتی دنیا اور ادبی فضا بھی اس سے متاثر ہوئی تھی، کوئی اخبار ایسا نہ تھا جس میں سیاسی، تنقیدی، طنزیہ، مزاحیہ، فکاہیہ نظمیں نہ چھپتی ہوں۔

ظفر علی خاں کی تربیت گاہِ ذوق :

مولانا حالی نے مقدمۂ شعر و شاعری میں بحث کی ہے کہ فساد کا بیج پہلے ایک شاعر کے ذہن میں پھوٹتا ہے۔ اس کی شاعری میں نشو و نما پاتا ہے۔ دوسرے شعرا کے کلام میں اس کے اثرات مدگ و بار پیدا کرتے ہیں۔ اس سے کل شاعری متاثر ہوتی ہے اور پھر پورا معاشرہ فساد کی نذر ہو کر جلوہ ہو جاتا ہے۔ فساد کے بیج کے نشو و نما کے جو مراحل حالی مرحوم نے بیان کیے ہیں، ٹھیک اسی طریقے سے اور انہیں مراحل سے گزر کر کسی بھی ذوق و عمل کے نتائج سامنے آتے ہیں۔ ظفر علی خاں میرے مطالعے کا موضوع نہیں کہ بتا سکوں کہ ان کا ادبی اور شاعرانہ ذوق کس ادیب و شاعر سے متاثر تھا اور کس پیر کے میخانۂ ادب و شعر میں انہوں نے ذوق و فکر کے جام لنڈھائے تھے۔ وہ علی گڑھ میں پڑھتے تھے تو یقیناً ان کے ذہن کو اس کے ادبی اور کھلنڈرے ماحول نے متاثر کیا ہوگا۔ شبلی کا ان کے ذوق اور ادب و شعر کی تربیت میں حصہ ہوگا۔ اس لیے کہ شبلی اس ماحول کی ایک نامور اور متاثر کن ادبی شخصیت تھے۔ وہ عربی، فارسی اور اردو کے شاعر، ادیب اور نقاد تھے اور نظم کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ فارسی غزل میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ان کی غزل خصائص ادبی و فنی سے ایسی مالامال تھی کہ ابوالکلام آزاد کے بقول ہندوستان میں فارسی شاعری غالب پر نہیں شبلی پر ختم ہوئی ہے۔ خواہ اس وقت تک اردو، فارسی میں ان کے شاعرانہ کمالات دنیا پر ظاہر نہ ہوئے ہوں لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ ان کے بچپن کے شناسا، قریب کے لوگ اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ کا ماحول بھی اس سے بے خبر رہا ہو اور ظفر علی خاں جیسا ذہین طالب علم اور اخاذ طبیعت کا شاگرد بھی ان کی شخصیت کی کشش سے متاثر نہ ہوا ہو اور اخذِ فیض اور کسبِ کمال کا کوئی دروازہ اس پر نہ کھلا ہو؟ پھر علی گڑھ کہ دہلی کے ادبی مطلع ہی کا ایک حصہ تھا۔ دہلی میں ادب کے جو شمس و قمر چمک رہے تھے، ان کی روشنی اور دہلی کے آسمان پر چمکنے والی کہکشاں کی چمک سے علی گڑھ کی فضا متنیر تھی۔ ظفر علی خاں نے دہلی کے ادبی و شعری ماحول سے کسب فیض کیا تھا۔

شورش کا مدرسۂ شعر :

شورش کاشمیری نے ظفر علی خاں کے فیضانِ صحبت و تربیت سے براہِ راست فیض اٹھایا تھا اور اسے اس بات پر فخر تھا کہ بواسطۂ ظفر علی خاں اس نے دہلی کی تہذیبی اقدار اور ادبی، شعری اور لسانی روایات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ظفر علی خاں کا فیضان صحبت و تربیت شورش مرحوم کی ذات یا چند اور شخصیات تک محدود نہیں رہا، بلکہ ادب و شعر کی روایت کا جو بیج ظفر علی خاں کی ذات سے پھوٹا تھا، ان کے شاگردوں اور میخانۂ زمیندار کے قدح خواروں نے جس کے نشو و نما میں حصہ لیا تھا، جسے اس دور کے دوسرے شعرا نے صحافت کے ذریعے پروان چڑھایا تھا، وہ اس دور میں سیاسی، طنزیہ و فکاہیہ شاعری کا مقبول عام رنگ بن گیا

تھا، جس نے عوام کے مزاج اور ادبی ماحول کو طرز و اسلوب شاعری کے ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔

شورش اور صنف نظم :

مجھے معلوم نہیں کہ شورش مرحوم نے اس اسلوب کو چھوڑنے اور اپنی شاعری کی روش کو بھی بدلنے کی کوشش کی تھی یا نہیں، لیکن اتنا مجھے اندازہ ہے کہ شورش کا ذوق و مزاج شاعری کے جس سانچے میں ڈھل گیا تھا اس کا توڑنا یا ترک کرنا اس کے لیے ممکن نہ تھا اور اگر وہ اپنی صلاحیت اور مطالعہ و نظر کی بدولت غزل کے میدان کو اختیار بھی کر لیتا تو وہ مقام حاصل نہ کر سکتا تھا اور اس میدان میں اپنی شخصیت کو منوانا اس کے لیے ہر گز ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے کہ یہ بات صرف مطالعہ و نظر اور قابلیت وصلاحیت کی نہ تھی بلکہ ذوق و مزاج اور فطرت کے خمیر سے اس کا تعلق تھا۔ جب اس کا ذوق پختہ ہو گیا تھا، مزاج بن گیا تھا، شاعری کی ایک روش کو اس نے اپنا لیا تھا، اس اندازِ شاعری کے اس کے سامنے بہترین نمونے تھے، وہی اس ادبی ماحول میں پسند کیے جاتے تھے۔ سوسائٹی میں اسی قسم کی شاعری کا سکہ چل رہا تھا تو شورش مرحوم کے لیے اس شعری روایت کو اپنانا اور اس روش پر چلنا اور نعت کے لیے بھی اسی اسلوبِ شعر کو اختیار کرنا صحیح اور عقل و فطرت کا راستہ تھا۔

غزل کی خصوصیات اور نعت :

غزل کی خصوصیات میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ہر شعر مستقل بالذات ہوتا ہے۔ ایک شعر کا دوسرے شعر سے فکر و خیال اور مضمون میں مشترک ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ غزل فکر اور احساس و تاثر کے رنگا رنگ مضامین کا گلدستہ ہوتی ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔ جس طرح ایک گلدستے میں مختلف رنگ و بو کے پھولوں کا ہونا اس کا نقص شمار نہیں ہوتا، اسی طرح غزل میں مختلف افکار و مضامین اور متضاد و متبائن تاثرات و احساسات کی موجودگی بھی اس کا نقص نہیں سمجھی جاتی۔ غزل کے دو تین یا تمام اشعار میں فکر و مضمون کی ایک رو ہو سکتی ہے، لیکن یہ اس کا فنی حسن اور صنعی خصوصیت نہیں۔ ایسی صورت میں اسے غزل مسلسل کہا جاتا ہے اور اگر دو تین شعر میں کوئی مضمون آیا ہو تو ان اشعار پر قطعے کا اطلاق ہوتا ہے لیکن نعت میں تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے۔ اظہار محبت میں، خط و خال کے بیان میں، حسن و جمال کے تذکرے میں، ہجر و فراق کے مضمون میں، ہر ہر موقع و محل میں احتیاط برتنا اور کمالِ ادب ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ نعت میں کسی ایک لفظ یا ترکیب کے بے محل استعمال سے صرف یہی نہیں کہ کلام کا حسن غارت ہو جاتا ہے بلکہ ایمان کے لیے بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ نعت کے ادبی اور فنی محاسن کے علاوہ فکری لوازم بھی ہیں۔ شاعر کے لیے ان کا لحاظ رکھنا از بس ضروری ہوتا ہے۔ ذوقِ نعت گوئی عشق رسالتؐ کا لازمہ ہے اور عشق رسالتؐ کی شاخ اطاعت رسولؐ کے جذبے سے پھوٹتی ہے۔ اطاعت رسولؐ محبت الٰہی کی پہچان ہے۔ اس لیے لوازم و ملزومات کا ایسا سلسلہ بنتا ہے کہ ان میں سے ہر چیز مستقل بالذات بھی ہے اور کوئی چیز

ایک دوسرے سے جدا بھی نہیں۔

عشقِ نبی ﷺ اور اس کا تقاضہ :

نعت کے نام پر عشق و محبتِ رسالت مآب ؐ کے واسطے سے جو ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے وہ نہ صرف روایت و درایت کے نقطۂ نظر سے ناقابلِ اعتنا ہے بلکہ اس کا ایک حصہ تو مشرکانہ و مبتدعانہ افکار کا مجموعہ اور رطب و یابس کا ڈھیر ہے۔ اس کی زبان بھی سطحی اور اسلوب بھی حضور رسالت مآب ﷺ کی شان کے خلاف اور بعض اوقات تو مبتذل نظر آتا ہے۔ شورش نے اسے نعت گوئی کی جاں کنی اور مذاقِ عام سے تعبیر کیا ہے:

نعت گوئی جاں کنی کے موڑ پر نالہ بہ لب
عشقِ پیغمبر پریشاں اس مذاقِ عام پر

یہ عشقِ رسالت مآب ﷺ اسلام کے نام پر ایک نئے اسلام کی دعوت و تذکیر ہے۔ شورش نے اس پر ماتم کیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس ایجاد و اضافہ اور ابداع و بدعہ پر کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں!

اس بیاباں میں نہیں اک شخص بھی رجلِ رشید
جو مسلمانوں کو ٹوکے اس نئے اسلام پر

نعت میں اسراف و تبذیر :

اسراف و تبذیر اگرچہ اسلامی معاشیات کی اصطلاحات ہیں، لیکن اگر مال کا کسی غیر محل میں بے جا صرف کرنا غلط ہے تو الفاظ کا بے جا و بے محل استعمال اور فکر و عقائد میں کسی نئی بات کا اضافہ ضروری قرار دینا اور اسلام کے اساسی عقائد میں کسی نئے ایمان کا لازم کر لینا اور کسی بات کا ضروری ٹھہرا لینا بھی اتنا ہی غلط اور ابداع ہے اور جس طرح صرفِ مال میں فضول "اسراف" ہے اسی طرح افکار و عقائد میں بھی کسی چیز کا فضول اور زائد اختیار کر لینا اور تسلیم و رضا میں لازم ٹھہرا لینا اسرافِ فکر و عقیدہ ہے۔ اور عقیدہ چوں کہ کسی عمل کی بنیاد بنتا ہے، اس لیے عمل میں ٹھوکر کے مقابلے میں فکر و عقیدہ کی گمراہی زیادہ الم ناک اور سنگین ہوتی ہے۔

نعت میں عشق و محبت کے الفاظ کا اس درجہ بے جا استعمال اور "اسراف" کیا گیا ہے کہ بعض نعت گو شعراء اور علماء و مشائخ کی سیرتوں میں اس کا سراغ دور دور تک نہیں ملتا۔ یہ فسق کی بڑی سنگین قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت کے ہر مدعی کو اس سے محفوظ رکھے۔ شورش مرحوم نے کسی ایک نہیں، بہت جگہ عمل کے اس فسق اور قلب کی اس قساوت اور سیرتِ اسلامی کی اس جاں کنی کا ذکر کیا ہے اور اس سنگین صورتِ حال پر نرم و سخت الفاظ میں ماتم کیا ہے۔

نعت کی زبان :

نعت محبوب کے ذکر سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اس سراپا کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر

بمنزلہ روح کے ہے لیکن یہ روح نہایت مقدس و محترم ہے۔ اسے کسی دوسری روح کلام کے مثل قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے ذکر و تخاطب کے لیے عام زبان کا استعمال بے ادبی قرار پائے گا۔ نعت میں اولاً تو غزل کی زبان، اس کے استعارے، اس کی تشبیہات، اشارات و کنایات استعمال نہ ہوں گے اور اگر کوئی قادر الکلام اور صاحبِ فن استعمال بھی کرلے تو اس کی تعبیرات میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ عشق و محبت، قرب و وصال، ہجر و فراق، محرومی و نامرادی، شکست و ناکامی، سقف و بام، غرفہ و چلمن، کوچہ و بازار، راہ و منزل سب کے معنی جدا اور سب کی تعبیرات مختلف ہوں گی۔ ساقی و شراب، پیمانہ و صراحی، جام و مینا اور میخانہ یہاں بھی ہوتا ہے، جام یہاں بھی لنڈھائے جاتے ہیں، دور یہاں بھی چلتے ہیں، ہوش یہاں بھی اڑتے ہیں، بے خودی کی کیفیت یہاں بھی پیدا ہوتی ہے، تڑپنے والے یہاں بھی تڑپتے ہیں اور بسمل اور نیم بسمل یہاں بھی ہوتے ہیں لیکن غزل کے کیف اور مستی سے یہاں کا عالم کیف یکسر مختلف اور جدا ہوتا ہے۔ دیر و حرم، کفر و ایمان اور سبحہ و زنار، شیخ و برہمن کے الفاظ اور تراکیب نعت میں بھی آتے ہیں لیکن یہاں کا عالم دوسرا ہوتا ہے اور عالم کے بدل جانے سے الفاظ و تراکیب کے معنی اور ان کی تعبیرات بھی بدل جاتی ہیں۔

نعت کا محبوب :

محبوب نعت میں بھی ہوتا ہے لیکن وہ غزل کے محبوب سے اپنے صفات اور سیرت میں مختلف ہوتا ہے۔ وہ ظلم و ستم سے دور، بے وفائی اور جفا سے یکسر ناآشنا ہوتا ہے۔ اس کی محبت، اس کی شفقت اور اس کا التفات سراسر اس کی رافت و رحمت ہے، اس کی توجہ اس کی ہدایت ہے، وہ سب کا ہے لیکن ہرجائی نہیں۔ اس کی فطرت کا خمیر رافت سے اٹھایا گیا ہے، وہ سراپا رحمت ہے اور اس کا فیضان عام ہے۔ اپنوں سے تو سب ہی محبت کرتے ہیں لیکن وہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ وہ ایک بارانِ رحمت ہے اس کے نزدیک خشک و تر باغ و صحرا سب برابر ہیں۔ اس کا فیض سب کے لیے یکساں ہے۔ یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ سبزہ لہلہا اٹھتا ہے، باغ خوبصورت لباس پہن کر مسکرانے لگتا ہے اور گلزار پھولوں سے اپنا دامن بھر لیتے ہیں۔ بنجر اور ریگ زاروں کے حصے میں بھی وہی بارانِ رحمت آتی ہے لیکن ان کی قسمت کی نارسائی اور ازلی محرومی اکتسابِ فیض سے یکسر انکار کردیتی ہے اور اپنے دامن سے بارشِ فیض کے ایک ایک قطرے کو نچوڑ دیتی ہے اور ان کی قسمت سبزہ و گل اور برگ و بار کی رنگینی، شگفتگی اور تازگی سے محروم رہ جاتی ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام دائماً کثیرا

محبت کی کسوٹی :

لذائذِ حیات سے ہر شخص واقف ہوتا ہے اور اپنے ذوق اور ظرف و ہمت کے مطابق ان سے لطف اندوز بھی ہوتا ہے لیکن موت کی لذت سے آشنائی ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتی اور جو اس لذت

سے آشنا ہو جاتا ہے اس کے لیے موت اتنی ہی پسندیدہ اور مرغوب و محبوب شے بن جاتی ہے جس کے لیے آرزو کی جائے، لیکن یہ مقام ذوق کمال درجہ ایمان، عشق کی آزمائش اور اخلاص عمل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اگر زبان کا اعلان اور محبت کا محض ادعا اس کے لیے کافی ہوتا تو یہود کبھی اس سرزنش کے سزاوار نہ ہوتے:

قل یا ایها الذین هادوا ---------- عالم الغیب والشهادة (سورہ جمعہ، آیات ۶تا۸)

"اے پیغمبر! یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے صرف تم اللہ کے ولی اور دوست ہو تو (اس کی آزمائش یہ ہے کہ خدا کی راہ میں) موت کی آرزو کرو! اگر تم سچے ہو (تو ضرور ایسا کرو گے) اور یہ (اللہ اور اس کی صداقت کا جھوٹا دم بھرنے والے) کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں کیوں کہ انہوں نے ایسے کام کیے ہیں (جو انہیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں اور وہ زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھے ہوئے ہیں) ان سے کہہ دو! (اے نفس پرستو!) جس موت سے تم اس قدر بھاگتے ہو (وہ کچھ تمہیں چھوڑ نہ دے گی) ایک دن ضرور آئے گا۔ پھر تم اس خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے۔ (اس دن) وہ بتا دے گا کہ تمہارے کام کیسے کچھ رہے ہیں۔"

اس آیت کی تشریح میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ جب انہیں جان دینے اور زندگی اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو لبیک کہتے ہوئے، اس کی طرف دوڑتے ہیں، گویا بھوکوں کو غذا اور پیاسوں کو پانی کی پکار سنائی دی۔ پر جو جھوٹے ہیں اور اللہ کی ولایت (دوستی) سے محروم، انکار کر دیتے ہیں اور یہ ان کے جھوٹے ہونے کی مہر ہے جو انہوں نے خود اپنے اوپر لگالی۔

موت کی تمنا سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ کوئی آدمی موت کو پکارے اور اس کے لیے التجا کرے۔ مقصود یہ تھا کہ خدا کے لیے اس کے کلمہ حق کے لیے ایسے کاموں میں پڑو جن میں جان دینے، اپنا خون بہانے، اپنے جسم کو طرح طرح کی مہلک مشقتوں میں ڈالنے اور زندگی کو عیش و نشاط سے محروم ہونے کی ضرورت ہے۔"

(باقیاتِ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۸۵)

مولانا آزاد نے آیات کا جو ترجمہ اور تشریح کی ہے وہ اللہ کی ولایت (دوستی) کے جھوٹے مدعیوں اور عشق و محبت کے خام کاروں کی سیرت کے بیان کے لیے کافی ہے۔

اور جیسا کہ اشارہ کر چکا ہوں کہ رسول ﷺ کی اطاعت، کامل عشق رسالت مآب کے بغیر ہو نہیں سکتی اور یہ پہچان ہے محبت الٰہی کی۔ محبتِ الٰہی، اطاعتِ رسول اور عشق رسول الگ الگ چیز نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں، شورش نے کہا ہے:

وہ شخص جو شہ کونینؐ پر فدا ہی نہیں! حیات و موت کی لذت سے آشنا ہی نہیں!

شورش کے خیال میں اس لذت سے کچھ وہی آشنا ہو سکتا ہے جو حضور شہ کونین ﷺ پر فدا ہونا جانتا ہو۔

شورش کے کلام میں اس مفہوم و مضمون کے بہت سے اشعار ہیں۔ اس کی ایک نظم "ہم اس کے ہو گئے جو ہمارا خدا ہوا" کے عنوان سے اس کی کلیات کے صفحہ ۳۰۰۔۲۹۹ پر ہے۔ اوپر جو مطلع نقل ہوا ہے، وہ اسی نظم کا ہے، یہ پوری نظم مرصع ہے۔ اس میں عشق رسول ﷺ اور سیرت رسول ﷺ سے اثر پذیری کے نشان بھی ہیں اور لذتِ عشق اور ذوق حضوری کے مزے بھی ہیں۔ یہ خصوصیت کچھ اس نظم ہی میں نہیں، بلکہ شورش کے نعتیہ کلام کی عام خصوصیت ہے، جسے کسی نظم میں اور کسی بھی صفحے پر دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں میں ذوقِ مطالعہ کی تسکین کے لیے قارئین کرام کو مذکورہ نظم ہی کے دیگر اشعار پر نظر ڈال لینے کی دعوت دوں گا:

سنبھال مجھ کو رسالت مآبؐ کی چوکھٹ ترے بغیر مرا کوئی آسرا ہی نہیں
انہیں کا ہو کے جیوں اور انہیں کی رہ میں مروں اس آرزو کے سوا کوئی مدعا ہی نہیں
اب اس مقام پہ ہوں ہمرہانِ جادۂ شوق کہ راستوں کے خم و پیچ سے گلا ہی نہیں
الٹ دیے ہیں بیک جنبشِ نگہ لشکر احد میں لن قیمہ ٹھہر سکا ہی نہیں
مرے وطن میں بھی لات و منات آ پہنچے انہیں خدا کے غضب کا ابھی پتا ہی نہیں
حضورؐ نے وہ کرم کر دیا کہ اہلِ وطن یہ سر خدا کے سوا پھر کہیں جھکا ہی نہیں
خدا کا قہر رسالت مآبؐ کا غصہ ڈرو کہ اس سے غضب ناک ابتلا ہی نہیں
پڑی ہے کان میں جب سے حدیثِ عشقِ رسول تو اس کے بعد کسی چیز میں مزا ہی نہیں
وہ بارگاہِ رسالت کی حاضری کا نشہ نصیب ہو تو پھر اس سے بڑا نشا ہی نہیں
یہ ہے حضور ﷺ کا فیضانِ تربیت شورش جو ان کا ہو گیا اس جیسا دوسرا ہی نہیں

شورش کہتے ہیں جب تک نعتِ نبی ﷺ کا جذبہ و شوق شاعر کے فکر و تخیل کا احاطہ نہ کر لے، اس میں سوز و گداز کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو قاری کے جذبات و احساسات پر پوری طرح چھا جائے اور نہ قلم میں تلوار کی سی کاٹ پیدا ہوتی ہے جو دل و جگر کے ٹکڑے کر دے اور قاری یا سامع کو نیم بسمل بنا کے تڑپائے۔ اس شعر میں انہوں نے نعت کی اسی خوبی کی طرف اشارہ کیا ہے:

جب تخیل کا احاطہ کر گئی نعت نبیؐ　　نامہ عنبر شمامہ ہو گیا تلوار دیکھ

ایک اور نظم میں اس نے دین نبیؐ کے عشق میں تیغ سیرت کی بے نیامی اور عشق رسالت کا نتیجہ تیز گامی قرار دیا ہے۔ اس کے دو شعر ہیں:

مردوں گا ختم نبوت کی پاسبانی میں　　جہاد عشق رسالت میں تیزگام ہوں میں

میں اپنے پاؤں تلے قادیاں کو روندوں گا　　بہ عشق دین نبیؐ تیغ بے نام ہوں میں

عشق رسالت اور محبت نبوی ﷺ کے نتیجے میں قلم کے تلوار، سیرت کے بے پناہ اور عمل میں سیلاب و طوفان، اقدام و سعی میں بے باک اور جہاد و انقلاب میں بے روک ہو جانے کا مضمون شورش کے کلام میں بہت ملتا ہے۔ ایک شعر سامنے آگیا ہے تو اس پر نظر ڈال لیجے اور اسی سے اس کے گلشن نعت کی بہار کا اندازہ کر لیجے:

میرے افکار میں ہے خنجر براں کا جلال　　نام اس سحر کا اعجاز بیاں ہوتا ہے!

اسی نظم کا ایک اور شعر ہے:

جس کے پہلو میں ہو دل، دل میں پیمبرؐ کی لگن　　اس کا ہر بول صداقت کی زباں ہوتا ہے

گویا اس کے نزدیک عشق رسالت اور حب پیمبر کا خاصہ ہے کہ ہر مدعی عشق نبی ﷺ کی زبان سے نکلا ہوا ہر بول صداقت کی زبان بن جائے اور مدعی محبت کی سیرت اس کے محبوب کی صداقت اور امانت کے سانچے میں ڈھل جائے۔ اگر عشق کا دعویٰ مدعی کی سیرت پر اتنا اثر بھی نہ ڈالے تو پھر اس کے عشق کے دعوے پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ جو دل عشق رسالت مآب ﷺ کا آشیانہ ہو گا اس میں غیر از حق کوئی چیز کیوں کر سما سکتی ہے اور جس زبان سے عشق نبی ﷺ کا دعویٰ کیا جائے اس زبان سے غیر از حق کوئی کلمہ کیسے نکل سکتا ہے۔ ایک مسلمان اور عاشق رسول ﷺ کو تو بہر صورت اپنوں اور بے گانوں کے لیے خلق پیمبر کی تصویر بن جانا چاہیے:

غیروں کے لیے خلق پیمبرؐ کی ہو تصویر　　اپنوں کے لیے دست دعا بن کے جیے جا

اگر کوئی مدعی عشق خلق پیمبر کی تصویر نہیں بن سکتا تو اس کے لیے دو ہی راستے ہیں، وہ عشق رسالت مآب ﷺ کے دعوے سے دست بردار ہو جائے یا اس کے لیے زمین کی سطح سے زمین کا بطن موزوں جگہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جو چاہے برتاؤ کرے لیکن حضور رسالت مآب ﷺ کا اسم سامی تو اس کے کذب و نفاق کے دھبے سے محفوظ ہو جائے گا۔

شورش کا نعت رنگ:

"ظہور قدسی" کے عنوان سے شورش مرحوم کی ایک نہایت عمدہ نظم یا نعت ہے۔ اس میں

حضور رسالت مآبؐ کی بعثت کا مقصد بیان کیا ہے۔ یہ نظم مضمون و مطالب کی معنوی صداقت کے لحاظ سے، اور کیا زبان کی سلاست، بیان کی حلاوت، اسلوب کی شگفتگی، فکر کی بلندی اور فن کی پختگی کے لحاظ سے ایک لاجواب نظم ہے۔ اس کا ہر بول لطیف، ہر ترکیب دل نشین، پوری نظم مرصع اور سہل ممتنع کی مثال ہے۔ یہ گیارہ اشعار کی نظم ہے اور ہر شعر انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑا ہوا دمک رہا ہے۔ یہاں چند شعر لطف مطالعہ کی تزئید اور ذوق کی تسکین کے لیے درج کیے جاتے ہیں:

نقش توحید بٹھانے کے لیے آپؐ آئے
شرک کا نام مٹانے کے لیے آپؐ آئے

دینِ قیم کو ابد تک کی امانت بخشی
اس کی توقیر بڑھانے کے لیے آپؐ آئے

نسلِ آدم پہ ہوئی ختم خدا کی حجت
اک نیا دور بسانے کے لیے آپؐ آئے

عزتِ امت مرحوم فزوں ہو کے رہی
شانِ اسلام دکھانے کے لیے آپؐ آئے

طاعت غیر ہے اللہ کے بندوں پہ حرام
اس حقیقت کو بجھانے کے لیے آپؐ آئے

ہم تہی دست فقیروں پہ کرم ہے ان کا
فرض کی راہ دکھانے کے لیے آپؐ آئے

زبان و بیان اور اسلوب کے جن خصائص اور جن معنوی محاسن کی طرف "ظہور قدسی" سے معنون نظم میں اشارہ کیا ہے، وہی تمام کمالات و صفات "بارگاہِ رسالت مآبؐ میں" اور "سلام بحضور سرورِ کائنات" میں موجود ہیں اور اسی مقام پر یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ شورش کاشمیری کا نعت رنگ کیا ہے؟

شورش مرحوم نے نعت میں ماضی و حال کے تمام نعت گوؤں سے اپنا الگ رنگ پیدا کیا ہے۔ اس کی نعت کا انداز، اسلوب اور آہنگ سب سے جدا ہے۔ نظم کے پیرائے میں نعت کے اتنے عمدہ، دل نواز، روح پرور، حسین اور مرصع نمونے وقت کی نعت گوئی میں بہت کم ملیں گے۔ چند شعر آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہیں:

نعت نبیؐ کے ذوق مقدس کا ہے سرور
شورش چلا ہوں خواجہ کونینؐ کے حضور

وجدان ان کے ذوق فروزاں کا خوشہ چیں
پہنچا ہے ان کے ذکر سے معراج پر شعور!

ان کے خرام سے گل و لالہ کی آبرو!
ذرّے ہیں ان کی راہ گزر کے چراغِ طور

دونوں جہاں نثار رسالت مآبؐ پر
پھیلا ہوا ہے مشرق و مغرب میں ان کا نور

شورش یہ سب حضور ﷺ کی چوکھٹ کا فیض ہے
رکھتا ہوں ٹھوکروں میں شہنشاہ کا غرور

یہ اشعار "بارگاہِ رسالت مآبؐ میں" کے تھے، اب چند شعر "سلام بحضور سرورِ کائنات" کے

پیش خدمت ہیں:

تا ابد جس نے زمانے کی سیادت بخشی	عشق کی راہ جہاں تاب کے دیوانوں کو
جس نے توفیقِ الٰہی سے جہاں دار کیا	خاکِ مکہ کے جگردار حدی خوانوں کو
جس کی طاعت سے فزوں تر کوئی طاعت ہی نہیں	جانچ کر دیکھ لیا عشق کے پیمانوں کو
لازماً فرماں روایانِ جہاں اس کے غلام	اعتراف اس کا ہے تاریخ کے ایوانوں کو

جاں نثار اس کے زمانے سے نرالے نکلے
اس کا اقرار ہے یورپ کے دبستانوں میں

ربیع الاول کے جشن:

ربیع الاول کے حوالے سے مجموعۂ نعت میں کئی نظمیں ہیں۔ ربیع الاول کا مہینہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا گویا موسم بہار ہے۔ اگرچہ اسلام نے حضرت رسول اللہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یوم ولادت و وصال کو منانے کا نہ حکم دیا ہے، نہ ترغیب! اسلام نے حضور علیہ السلام کی سیرت مبارکہ کو اسوہ حسنہ "لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة" (سورۂ احزاب: ۲۱) قرار دے کر مسلمانوں کے لیے ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ وصال بنا دیا ہے اور حکم "صلوا عليه وسلموا تسليما" (سورۂ احزاب: ۵۶) حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اسم سامی سن کر درود و سلام بھیجنا مسلمانوں پر لازم کر کے حضور ﷺ کے ذکر کو ایام و شہور اور صبح و شام کی قید سے آزاد کر کے ایک مسلمان کی زندگی کے روز و شب کا وظیفہ بنا دیا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کو ولادت مبارک کی تاریخ اور مہینے سے ہمیشہ دلچسپی رہی اور اس مہینے کے آتے ہیں مسلمانوں میں غیر معمولی طور پر عشق رسالت مآب ﷺ کا ایک جوش اور اسلامی زندگی کی ایک تڑپ پیدا ہو جاتی ہے اور مجالس میلاد النبی ﷺ کے تذکار مقدسہ سے فضا میں ایک وارفتگی اور مستی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہمارے راسخ العقیدہ، سلفی المشرب اور موحد علمائے دین نے بھی ان مجالس کی مخالفت کے بجائے ان کی اصلاح اور انہیں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت و تہذیب کا وسیلہ اور پیغام سیرت کی اشاعت اور تبلیغ اسلام کے لیے سود مند بنانے پر زور دیا ہے لیکن اب کچھ برسوں سے مختلف اسباب اور مختلف مذاہب کے خاص رسوم اور طریقوں سے متاثر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا یوم ولادت بھی ایک عام جشن کے طور پر منایا جانے لگا ہے لیکن جیسا کہ حضور علیہ السلام کی یاد میں مجالس و محافل کا تقاضا تھا کہ خاص آداب کو ملحوظ رکھا جاتا اور درود و سلام، ذکر و فکر اور ذوق و شوق سے گرمی محفل کا سر و سامان کیا جاتا، ایسا نہیں کیا جاتا۔ فلمی نغموں کے طرز پر اور موسیقی کی خاص دھنوں پر نعتیں پیش کی جاتی ہیں اور ذکر و فکر بادب کے بجائے تکبیر و رسالت کے نعروں سے ذوق و شوق کا اظہار اور

محفلوں کی گرمی کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے اور جلوسوں میں بھنگڑے ڈالے جاتے ہیں۔ محرم کے جلوس تو پہلے ہی مسلمانوں کی ثقافت اور تہذیب و شرافت کے ماتم کدے بنے ہوئے تھے، ربیع الاول کے جلوسوں نے ان مناظر کی الم ناکی میں اور اضافہ کیا۔ شورش مرحوم کے دل پر اس کا ملال تھا۔ مرحوم نے ربیع الاول کی محفلوں اور جلوسوں کے حوالے سے کئی نظموں میں ان آداب و تہذیب کی طرف توجہ بھی دلائی ہے اور مناظر کی الم ناکی پر اپنے رنج و ملال کا اظہار اور مسلمانوں کے اس درجہ پستیوں میں گر جانے کا ماتم بھی کیا ہے۔

اس سلسلے میں اس کے مجموعہ نعت میں "ربیع الاول" (کلیات: ۷۳۷)، "عید میلاد النبی — نئے موڑ پر" (ایضا: ۹ـ۹۰۸) اور "عید میلاد کے جلوس میں کھلنڈرے" (ایضا: ۶۳ـ۱۳۶۲) وغیرہ نعتوں یا منظومات میں اور متفرق اشعار میں اس نے اپنے دل کو نکال کر رکھ دیا ہے۔ "عید میلاد النبی — نئے موڑ پر" نظم میں خاص طور پر اس نے اپنے اس کرب کا اظہار کیا ہے، چند شعر آپ بھی سن لیجیے اور اسلامی آداب و تہذیب کی بربادی اور ذوق اطاعت رسولؐ اور مجالس ذکر کے تقدس کی پامالی کے ماتم اور رنج و ملال میں آپ بھی شریک ہو جائیے۔ ایمان کا یک درجہ اگرچہ وہ سب سے نچلا اور اضعف الایمان کا درجہ ہی کیوں نہ ہو، یہ بھی ہے کہ اگر ہم کسی برائی کو نہ روک سکیں اور وعظ و نصیحت بھی بے اثر ہو جائے اور ہمارا کچھ بس نہ چلے تو برائی کو دل سے برا ہی سمجھتے رہیں، جبر و عذر کی کسی حالت میں سیاہ سفید نہیں ہو سکتا، نہ حسن و خوبی کا مقام پا سکتا ہے۔ اشعار یہ ہیں:

دھن دھنا دھن ناک کی آواز ہے ہر گام پر — یہ تماشا عید میلاد النبیؐ کے نام پر
شہر کے اوباش لڑکے ٹھمریاں گاتے ہوئے — غیرت اسلاف حیراں جلوۂ اصنام پر
ملت بیضا کے بیٹے یاوہ گوئی میں دلیر — حیف اس آغاز پر افسوس اس انجام پر
کوچہ و بازار میں طفلانِ بے ریش و بروت — کس رہے ہیں پھبتیاں امت کے ننگ و نام پر
دیکھتا ہوں آئے دن حالات کو زیر و زبر — سوچتا ہوں روز و شب افسانۂ ایام پر

جیسا کہ عرض کیا "عید میلاد کے جلوس کے کھلنڈرے" میں بھی اس فسق اور بے دینی پر آنسو بہائے ہیں اور ایمان کی جان کنی کا ماتم کیا ہے۔ یہ نظم پیش خدمت ہے۔ پڑھیے اور مسلمانوں کے ذوقِ دینی کی بربادی کا ماتم کیجیے۔ کاش اصلاح کا کوئی قدم کسی جانب سے اٹھے اور مسلمانوں کے اعمالِ جاہلیہ کی اصلاح کا سبب بن جائے۔ نظم یہ ہے:

عیدِ میلاد، رند خانہ خراب — ذکر و اذکار سرورِ کونینؐ
پرچم دیں بدستِ پیرِ مغاں — عمرو بن سعد دعوتِ حسنین
بندگانِ شراب، ذکرِ رسولؐ — وائے افسوس گردشِ دوراں

مغبچوں کی زباں پہ حمد و ثنا
چشم خونبار، دیدۂ حیراں

رقص کے زاویے گوارا کر
"قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ"

آ گئے منکران غض بصر
لمحہ اس دن کی منتظر تھی نگاہ

نعت خوانی کا دور بیت گیا
اب درود و سلام رخصت ہیں

میکدوں کا نظام، زندہ باد
مسجدوں سے امام رخصت ہیں

شیخ اسلام، حلقہ رنداں!
عید میلاد کی دہائی ہے

"بے جمالو" کہ نعرۂ تکبیر
"میری دونوں سے آشنائی ہے"

ہم کہاں سے کہاں تک آ پہنچے
دین تضحیک ہو گیا صاحب

کوئی سا تبصرہ نہیں ممکن
وقت تاریک ہو گیا صاحب

صورت حال مختصر کہہ دوں؟
ناخدا ناؤ کو ڈبوئے گا

اس دریدہ دہن زمانے پر
میں تو رویا ہوں تو بھی روئے گا

مدینے سے عشق:

شورش مرحوم کو مدینے کی ہر چیز پسند تھی۔ مدینے کا سفر اس کی زندگی کی آرزو، مدینے کے عازم و مسافر خوش بخت و فرخندہ گامے، مدینے کی گلیاں اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک، قلب کی طمانیت اور روح کی تسکین، مدینے کے در و دیوار اس کی نظروں کے لیے خوش نما اور دل کشا منظر، مدینے کے سفر اور وہاں کے ایمان پرور اور فرحت انگیز مناظر کے نظارۂ جمال کے لیے وہ زندگی بھر تڑپتا رہا، جس بات کے لیے اس نے سب سے زیادہ آرزو کی، جس کے لیے خود دعائیں کیں اور ہر مسافر و عازم مدینہ سے دعائی التجائیں ہیں اور حضور خواجہ گیہاں کو جس کے لیے پیغام بھجوائے، وہ مدینۃ النبی زاداللہ شرفہا میں حاضری، مسجد نبوی میں نمازوں اور روضۂ نبوی پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کی سعادت کا حصول تھا۔ اس آرزو کا اظہار شورش مرحوم نے بہت اشعار میں کیا ہے اور جب اس کی یہ آرزو پوری ہوئی اور باب رحمت اس پر وا ہوا، فیضان و کرم کا دروازہ اس پر کھلا اور اپنے آپ کو اس نے اس چوکھٹ پر کھڑے پایا، جس کے لیے اس نے تڑپ تڑپ کر ہجر کی کتنی ہی راتیں گزاری تھیں اور آنکھوں نے بار بار آنسوؤں کے نذرانے پیش کیے تھے تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا، اس کے اعصاب شل ہو گئے، زبان گنگ ہو گئی اور پھر جب فیضان و رحمت نبوی نے اس کے وجود کا احاطہ کر لیا، اس کے جذبات کا ہیجان دور ہوا، اعصاب پر سکون ہوئے، زبان کو گویائی ملی، ہوش و حواس درست ہوئے، بے خودی اور از خود رفتگی کی کیفیت دور ہوئی تو ہدیۂ درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور پھر تو ہیبت و حجاب ایسا دور ہوا کہ وہ کیف و انبساط کے ایک اور ہی عالم میں پہنچ گیا، جہاں اس

نے بار بار حاضری کے مزے لوٹے اور درود و سلام کے کتنے ہی ہدیے اور نذرانے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

شورش کاشمیری کو مدینۃ النبی زادھا اللہ شرفاً سے جو عشق تھا، اس کا اظہار اس نے بہت سے اشعار میں کیا ہے۔ "مدینۂ طیبہ" (کلیات: ۲۹۔۱۷۲۸) کے عنوان سے ایک نہایت مرصع نظم ہے، اس میں شورش پر ایک کیفیت طاری صاف نظر آتی ہے۔ ایک عالم جذب ہے اور عشق کی کیفیت میں ڈوبے ہوئے لفظوں کے موتی اس کی زبان سے بکھر رہے ہیں۔ یہ نظم مثلث کی شکل میں ہے اگرچہ پوری نظم انتخاب ہے لیکن یہاں صرف چند بند درج کیے جاتے ہیں:

مدینہ مرکز مہر و وفا ہے　　مدینہ مظہر شان خدا ہے
مدینہ مسکن خیر الوریٰ ہے

زہے قسمت جواہر چن رہا ہوں　　مدینہ میں کھڑا سر دھن رہا ہوں
ملائک کے ترانے سن رہا ہوں

مدینہ دین بطحا کا نشاں ہے　　مدینہ مرجع پیر و جواں ہے
مدینہ سجدہ گاہ قدسیاں ہے

مدینہ کعبہ قلب و نظر ہے　　مدینہ جلوۂ خیر البشرؐ ہے
مدینہ رشکِ خورشید و قمر ہے

مجھے ذوقِ جنوں لایا ہے شورش　　خزانہ عشق کا پایا ہے شورش
مجھے آقا نے بلوایا ہے شورش

یہ نظم اپنے الفاظ کی سادگی، بیان کی سلاست، جذبات کی صداقت، اظہار کی بے ساختگی، اسلوب کی لطافت اور فضا کے جذب و کیف میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ لاجواب اور مرصع نظم شورش کاشمیری کی ان چند نظموں میں سے ہے جنہیں سامنے رکھ کر شورش کی نعتیہ شاعری کے تمام خصائص و محاسن کو چن چن کر بیان کیا جاسکتا ہے۔ چند متفرق اشعار پر بھی نظر ڈالتے چلیے، وہ آرزو کرتے ہیں:

شورش بہ فیض خواجہ کونین دیکھ لوں　　جی چاہتا ہے کوچہ و بازار مصطفیٰ ﷺ

یہ آرزو ہے گنبد خضریٰ کے آس پاس　　شاہ امم سے عرض تمنا کیا کروں

کاش میں بھی کبھی دربارِ نبیؐ میں پہنچوں　　ہر برس قافلہ شوق رواں ہوتا ہے
لاؤں کہاں سے شہ پرِ جبریل کی اڑان　　دل کھینچ رہا ہے جانبِ دربار مصطفیٰ ﷺ

شب جائے کہ من بودم:

شورش نے اپنی نعتیہ شاعری کے علاوہ اپنے سفر نامۂ حجاز "شب جائے کہ من بودم" کے باب "مدینۃ النبی" میں جو گہر افشانی کی ہے وہ بھی زبان وبیان اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے ایک تخلیق پارہ نظر آتا ہے وہ اگرچہ ایک روداد سفر ہے لیکن ایسی زبان اور اسلوب میں ہے کہ اس پر نثر سے زیادہ نظم کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ نہ تاریخ ہے نہ شریعت، عشق کی کہانی اور کیف ومستی کی روداد ہے۔ عشق جو بے پناہ ہے اور کیف ومستی جس کے اندازے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں۔ ہم اسے نہ تاریخ کے اصول پر پرکھ سکتے ہیں نہ شریعت کے حدود میں قید کر کے اس پر احکام نافذ کر سکتے ہیں۔ وہ جس کا خمیر کیف ومستی کی مٹی سے اٹھایا گیا ہو، وہ جسے عشقِ رسالت مآبؐ نے زندگی بھر تڑپایا ہو، وہ جسے محبت اہل بیتؓ نے ہمیشہ بے قرار رکھا ہو، وہ جس کی زندگی کا سارا سرمایہ ہی اصحابؓ نبی سے ارادت وعقیدت ہو، وہ جس نے سرزمین طیبہ کے سفر، حرم کعبۂ محترم کے قرب، روضۂ اطہر کے وصال اور مسجد النبیؐ کے آغوشِ رحمت میں سماجانے کی آرزو میں فراق کے بستر پر بے چینی کی کروٹیں لی ہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ جب وہ اپنی مراد کو پالے اور گوہر مقصود کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو تو اپنے ہوش وحواس پر قابو رکھ سکے۔ "شب جائے کہ من بودم" میں اسی وارفتۂ عشق کے جوش جنوں نے الفاظ کا جامہ پہن لیا اور چہرۂ قرطاس پر رنگینی تحریر کا غازہ لگالیا ہے۔

"مدینہ طیبہ" کے عنوان سے شورش مرحوم کی نظم کا پچھلے صفحے پر ذکر، اس پر تبصرہ اور نمونہ کلام نظر سے گزر چکا ہے۔ یہاں مدینہ طیبہؐ ہی کے موضوع پر اس کے سفرنامے "شب جائے کہ من بودم" سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ تاکہ قارئین کرام اندازہ کر سکیں کہ شورش مرحوم کی نثر بھی اس کی نظم کی ٹکر کی ہے اور زبان وبیان اور اسلوب تحریر ونگارش کی وہ تمام خصوصیات جو اس کی نظم سے مختص سمجھی جاتی ہیں اس کی نثر میں بھی بہ درجۂ اتم موجود ہیں اور ذوق وعشق کی ایک ہی روح ہے جو نثر اور نظم دونوں میں رواں ہے۔ نمونۂ نثر یہ ہے:

"مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا کیا واقعی مدینۃ النبیؐ میں ہوں؟ یا خواب دیکھ رہا ہوں، مجھے اپنے موجود ہونے کا احساس ہو گیا۔

سلام ہو اے مدینۃ النبیؐ

تو کائنات کے فخر وناز کی پونجی ہے،

تیری بنیادیں صبح قیامت تک قائم ودائم ہیں،

تو نے وہ شرف حاصل کیا جو کرۂ ارضی کے کسی خطے کو حاصل نہیں،

اور نہ حشر تک کوئی خطہ اس سعادت سے مشرف ہوگا،

تیرے آغوش میں ایک ایسا انسان ؐ سو رہا ہے جو اپنے مولد سے ہجرت کر کے یہاں آیا، تو نے اس کو پناہ دی، اس کی میزبانی کی!

پھر وہ تیرا ہی ہو گیا،

تیری مٹی کو اس نے اپنے وجود سے زندہ جاوید کر دیا!

تیرا نام اسی کا ہو گیا یہاں تک بالا کیا اور دوام بخشا کہ صدیوں سے انسانوں کے قافلے صبح و شام تیری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ تیری فضاؤں میں قرن ہا قرن سے درود و سلام کے موتی بکھر رہے ہیں،

تیرے ہاں حاضر ہونا دنیا کی عظیم سعادتوں میں سے ایک سعادت ہے!

سب سے بڑی سعادت!

آج قریب چودہ سو برس ہوتے ہیں تیری کوئی

ساعت، کوئی ثانیہ، کبھی درود و سلام سے خالی نہیں رہا،

تیری گلیاں ہم ایسوں کے لیے مصری کی ڈلیاں اور گلاب کی کلیاں ہیں!

تیرے ذرے مہر و ماہ کو شرماتے اور دل و نگاہ کو مہکاتے ہیں

تیری ہواؤں میں انفاسِ رسالت ؐ کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں

تو کتنا حلیم و کریم ہے کہ ہم ایسوں کو بھی حاضری کی سعادت بخشتا ہے۔ تیری عزت بے پایاں اور تیری عظمت بے کراں ہے، تو وہ دریائے کرم ہے، تو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔

اے کرۂ ارضی کے سر تاج! اے سرتاج الانبیاء کی آرام گاہ ----- "ایک ہیچ مدان اور بے سر و سامان کا سلام قبول کر!

اے مدینۃ النبی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تو مرکز انوار الٰہی ہے، تو نے سب غایتوں کی غایت اولیٰ کو دیکھا اور جاوداں ہو گیا، اللہ نے تجھے ہمیشگی بخشی ہے، فرشتے اللہ کے عرش سے تیرے فرش پر سلام و درود کے تحفے لاتے ہیں، تو نے اسلام کو رونق بخشی اور تاریخ کو عزت دی ہے۔ تو نے ادب کو درخشاں کیا، تو نے قلم کو توانائی، زبان کو رعنائی، بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی ہے۔ ہم تیرے اور تو ہمارا ہے، تیری صبحوں میں صحابہؓ کا سوز دروں اور انصار و مہاجرین کا جوشِ جنوں ہے، تو شب زندہ داروں کی بلاواسطہ حکایت کا گوہر مکنوں ہے۔ تو عرش سے نازک تر ہے، تیرے آغوش میں نصف اسلام سو رہا ہے، تیری مٹی پاتال تک

مقدس ہے، تو سب سے بڑی تاریخ ہے ---"

"سلام ہو اے مدینۃ النبیؐ ——— سلام ہو،

اے شہروں کے شہنشاہ،

اے انسانوں کی اُمید گاہ!

اے زیرِ فلک عالم پناہ ——— سلام ہو!"

(شب جائے کہ من بودم: ۱۳۵-۳۸)

شبلی سے ایک خاص نسبت:

شبلیؔ مرحوم کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے:

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی — مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبر خاتمؐ — خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

یوں تو شورشؔ نے شبلیؔ سے نظم ونثر اور علوم ومعارف میں بہت استفادہ کیا ہے۔ خصوصاً شورش کی سیاسی شاعری شبلی کی سیاسی شاعری کی توسیع ہے، لیکن جس ذوق وجذبہ سے شبلی مرحوم کے اس قطعے کا خمیر اٹھایا گیا ہے، ٹھیک وہی جذبہ شورشؔ کی نظم "آخری آرزو" (کلیات: ۱۵۹۲) کی تخلیق کا باعث ہوا، اگرچہ شبلی کا کمالِ فن اپنی جگہ لیکن شورش کی نظم بھی لاجواب ہے:

کہاں تک داستانِ دردِ دل دردِ جگر لکھوں — اگر لکھوں تو حیراں ہوں کہ کس عنوان پر لکھوں
بہت دن گمشدہ یادوں کا میں نے تذکرہ لکھا — کہاں تک نظم میں افسانہ شام و سحر لکھوں
مقدر کا نوشتہ تھا دلِ مرحوم کا ماتم — اب اس پر اور کیا بارِ دگر بارِ دگر لکھوں
پریشاں حال ہوں مولائے یثرب چارہ سازی کر — زمانہ مقتضی ہے رہزنوں کو راہبر لکھوں
خطابت کے بہت سے معرکے سر کر لیے میں نے — سیاسی تذکرے کب تک قلم کو توڑ کر لکھوں
بحمد للہ قصائد کی زباں آتی نہیں مجھ کو — عزیزانِ گرامی قدر عرض مختصر لکھوں
بس اتنی آرزو ہے عمر کی اس آخری رو میں — خدا توفیق دے، میں سیرتِ خیر البشرؐ لکھوں

آتشِ شوق:

نومبر ۱۹۶۹ء میں خالقِ کونین کے در پر حاضری کی شورش مرحوم کی دیرینہ تمنا اور مسجد نبوی میں روضہ اطہر پر خاک بوسی اور حضور ﷺ کے مواجہ پر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کی آرزو بھی پوری ہوئی۔ اس حاضری کی سعادت اور اپنی خوش نصیبی کا ذکر اس نے نظم ونثر دونوں میں کیا ہے اور گویا کہ اس نے

اپنے دل کے ٹکڑے نکال کر کاغذ پر پھیلا دیے ہیں یا اشعار کے گل دستے سجا کر قارئین کو دعوتِ نظارہ دی ہے۔ اس کے یادگار کلام اور سفر نامہ حجاز "شب جائے کہ من بودم" میں اس کے بہترین مناظر قاری کے ذوقِ نظارہ کو دعوت دید دیتے ہیں، لیکن کلام کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے بعد یہ آتش شوق اور بھڑک اٹھی اور بھڑکتی ہی چلی گئی، شعلہ ہائے عشق نے اس کے سارے وجود کا احاطہ کر لیا ہے، وہ زندگی بھر اپنی آرزو کے چراغ جلاتا، اپنے شبستان خیال کو سجاتا اور آتش شوق کو بھڑکاتا رہا:

عجب ہے آتشِ ذوقِ حضوری مسلسل پے بہ پے بھڑکا رہا ہوں
رہِ یثرب کے ذرو مجھ کو لینا بڑا سرمست ہو کر آرہا ہوں
کہاں میں اور کہاں شاہِ دو عالمؐ گناہوں کے سبب گھبرا رہا ہوں
شہ کونینؐ کی چوکھٹ پہ شورش جبین شوق کو چمکا رہا ہوں

اس کے سینے میں یہ آرزو ہمیشہ مچلتی رہی اور وہ اس تمنا میں تڑپتا رہا تاآں کہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو وہ جوارِ رحمتِ الٰہی میں پہنچ گیا۔ اللھم اغفرلہ ____

فخر و افتخار:

شورش کاشمیری کا تمام سرمایۂ فخر و مباہات 'عشق رسولؐ'، زندگی کی سب سے بڑی آرزو، حضور رسالت مآب کی خاتم المرسلینی کا جھنڈا بلند رکھنے، آپ کی عزت و حرمت پر فدا ہو جانے، اپنے ذوق و سیرت میں قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کی مثال بن جانے اور انسانوں کی آبادیوں سے لے کر کوہ و بیاباں تک اور دنیا کے چپے چپے میں اسلام کی روشنی پھیلا دینے اور عشقِ رسولؐ سے دنیا کے قلوب کو منور کر دینے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کے نزدیک جو دل عشق نبویؐ سے خالی ہو اس کے مقابلے میں مٹی کے ڈھیر کی قیمت ہو سکتی ہے، اُس دل کی نہیں! شورش مرحوم کا نعتیہ کلام انھی جذباتِ صادقہ کا آئینہ دار ہے اور اسی بیش قیمت اور کائنات کی ان مول شے "عشقِ رسولؐ" کے حصول اور اپنے ذہن و قلب کو روشن کرنے اور افکار و خیالات کو اس سے سجانے کی اپنے کلام میں اس نے دعوت دی ہے۔

اس کی نظم "اعلان کرتا ہوں" (کلیات: ۱۸۰۔۱۶۱) اور اس کے حروف و سواد تحریر اس کے اسی بے پناہ عشقِ رسالت اور حضور ﷺ کے اصحاب اور اسلاف کرام سے کمال درجۂ عقیدت و ارادت اور عزائم حقہ سے معمور ہے۔ اس کے کلام سے اس جذبہ و فکر کے آئینہ دار اشعار کیا پیش کیے جائیں، اس کے ثبوت میں شورش کا تمام کلام پیش خدمت کیا جا سکتا ہے، جس پر ایک سرسری نظر بھی فیصلہ کر دے گی کہ جو کچھ عرض کیا ہے، اظہار حقیقتِ کاملہ اور بیان واضح اور تشریحات کافی و وافی کے مقابلے میں محض اشارات پر مبنی ایک ادنیٰ کوشش ہے۔ یہاں صرف چند شعر پیش خدمت ہیں:

جان وقف کر چکا ہوں محمد ﷺ کے نام پر — یہ ہے دلیل خاص مرے افتخار کی

مجھے خطاب کی حاجت نہیں خطاب ہے کیا — خطیب احمد مرسلؐ ہوں باخطاب ہوں میں

ہمیں یہ ناز کہ ہم آپؐ کے غلام ہوئے — زہے شرف کہ مسلماں ہیں یا رسول اللہ

شورش مرحوم کی ایک پوری نظم "افتخار" (کلیات : ۴۰۵) فخر و مباہات کے انہی جذباتِ صادقہ سے لبریز ہے۔

اوپر جس نظم (اعلان کرتا ہوں) کا ذکر آیا ہے۔ اس میں شورش مرحوم نے اپنے انہی جذباتِ صادقہ اور عزائم حقہ کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ پوری نظم خوب اور مرصع ہے لیکن یہاں صرف چند ایمان افروز اشعار پیشِ خدمت ہیں:

سرورِ کونینؐ کی خاطر فنا ہو جاؤں گا — میں نثارِ سیدِ خیرالوریٰ ہو جاؤں گا

قادیاں کیا ہے؟ غلاظت عہد استعمار کی — اس کی شہ رگ کے لیے پیک قضا ہو جاؤں گا

عشق ناموس محمد مصطفیٰ ﷺ کی راہ میں — قرنِ اول کے صحابہؓ کی صدا ہو جاؤں گا

سر ہتھیلی پر لیے پھرتا ہوں بے خوف و خطر — قافلہ سالارِ یارانِ وغا ہو جاؤں گا

طارقؒ و بوذرؓ، صہیبؓ و زیدؓ کی تقلید میں — لشکر اسلام کا پرچم کشا ہو جاؤں گا

امتیازِ خیر و شر کے عرصہ جنگاہ میں — شہسوارانِ حجازی کی ادا ہو جاؤں گا

اس وطن کے ذرے ذرے کی حفاظت کے لیے — نوجوانانِ وطن کا ہموا ہو جاؤں گا

فکر ہے کوئی تو شورش عاقبت کی فکر ہے — اس تگ و دو میں محمد ﷺ پر فدا ہو جاؤں گا

نعت گوئی کے مقتضیات:

ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ بعض خاص اسباب کی بنا پر وقت کے بڑے بڑے ترقی پسند اور حضور ﷺ کی رسالت مآبی اور ختم المرسلینی کے منکر بھی نعتیں لکھ رہے تھے اور محبت میں نہ سہی اظہار محبت میں سب سے آگے نکل جانا چاہتے تھے، لیکن شورش نے جب لکھا اور جو کچھ لکھا اور اس وقت جن مسلمان شعراء نے بھی نعت لکھی تھی وفورِ شوق اور عشق نبوی ﷺ کی کامل سرشاری کے عالم میں لکھی تھی، اس کی بنیاد محض قدرتِ کلام اور کمال فن کا اظہار نہیں تھا۔ نہ صلہ و ستایش کا کسی کو لالچ ہوتا تھا اور نہ کوئی شاعر نعت گوئی کو اپنی شخصیت کے نمود اور اپنی ذات کی نمایش کا ذریعہ بناتا تھا، البتہ جب کوئی دل کی گہرائیوں سے اور عشق نبوی میں ڈوب کر نعت لکھتا تھا تو اس کے ذوق و شوق اور کمالِ فن کا اعتراف ضرور کیا جاتا تھا۔ نعت چوں کہ صرف ایک صنف سخن ہی نہیں، ایک عقیدہ بھی ہے اس لیے ہر وہ مسلمان شاعر جو

نعت کہتا تھا اور جیسا کہ شورش کاشمیری بھی نعت گوئی کا یہ لازمی تقاضا سمجھتے تھے کہ نعت میں جو کچھ کہا جائے اس کا سیرت سے اظہار بھی ہو، یا کم از کم یہ کہ کسی بات یا کسی عمل سے اس عقیدے اور بیان کی نفی نہ ہو۔ شورش کے سامنے اور دوسرے شعراء کے پیش نظر اصول یہ تھا کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جائے، عمل جس کے مطابق نہ ہو (سورۂ صف: ۲) وہ اللہ کی ناپسندیدگی کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ قرآن حکیم نے انہیں یہ عقیدہ بخشا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ جو بات کہی جائے وہ کی نہ جائے (سورۂ صف: ۳) اس عقیدے کا یہ بھی جز تھا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی محبت صرف حضور ﷺ کی محبت ہی نہیں، وہ محبتِ الٰہی کی پہچان بھی ہے۔ محبتِ رسول ﷺ فعلِ واحد نہیں بلکہ دو محبتوں کی جامع ہے۔ اس لیے کہ محبت رسول ﷺ اطاعتِ رسول ﷺ کی بنا ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ محبتِ الٰہی اور ایمان باللہ کی بنیاد ہے۔ اس لیے اگر کوئی قلب محبت رسولؐ سے اور کوئی زندگی اطاعتِ رسولؐ سے خالی ہو تو اس کے محروم ازلی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ شورش مرحوم کا یہ شعر ان کے انہی جذباتِ صادقہ کا آئینہ دار ہے:

محمدؐ کے سوا کون و مکاں میں کچھ نہیں شورش　　کلامِ اللہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے

شورش مرحوم ایک شاعر سعیدِ ازلی تھا اس نے اپنے قلم ہی سے نعتیں نہ لکھی تھیں اور اپنی زبان سے نکلنے والے لفظوں ہی کے ذریعے حضور رسالت مآب ﷺ سے محبت کا دعویٰ نہ کیا تھا بلکہ سیرت نبویؐ کے انوار و الوان سے اپنی زندگی کے آئینہ خانے کو بھی سجایا تھا جس کا اظہار اس کے اعمال و افعال سے ہوتا تھا۔ اس نے شہنشاہ کونینؐ کے غلاموں میں شامل ہو کر وقت کے ہر دارا و سکندر کی حلقہ بگوشی سے انکار کر دیا، اس نے ایک درِ نبویؐ کو پکڑا اور ایسا محکم پکڑا کہ ہر چوکھٹ سے بے نیاز ہو گیا۔ ایک کی غلامی نے اسے سب میں سربلند کر دیا:

حلقہ بگوشی شہ کونینؐ کے طفیل　　شورش مرے خدا نے کیا مجھ کو سربلند

اس نے حضور رسالت مآب ﷺ کے سامنے اپنا سر عقیدت و نیاز جھکایا تھا، اس نے سب کے سامنے معزز و مکرم کر دیا اور اس ایک دربار میں عجز و خاکساری کا نتیجہ تھا کہ وہ دنیا میں سرفراز اور دنیا کے تمام فراعنہ و نمارود سے بے پروا ہو گیا تھا:

میرے مخالفین ہمیشہ ہوئے ذلیل　　میری فروتنی نے کیا مجھ کو ارجمند

اور اس ایک محبت کے الطاف و اکرام نے زمانے کی تمام راحتوں اور عیشوں سے بے نیاز کر دیا۔ اس کے کلام میں بے شمار اشعار اس کی اس سیرت کے آئینہ دار ہیں۔

اے شافعِ محشرؐ تری عظمت کی قسم ہے　　سب تیرا کرم ہے!
بے داغ ہے شورش کا اگر دامن کردار　　یا سید الابرارؐ!

بچا ہو جو خامہ تو مجھے زیر و زبر کر محروم نظر کر!
یہ جرم کیا ہو تو جہنم کا سزاوار یا سید الابرار!

اس نے کبھی اپنی پاکبازی کا غرہ نہ کیا، جو تھا اسے توفیق الٰہی سمجھ کر اس کا شکر ادا کیا۔ اس نے اپنے تئیں ہمیشہ گناہ گار سمجھا اور حضور ﷺ کے ادنیٰ ترین امتیوں میں شمار کیا۔ اس کا تعلق اہل تقویٰ سے نہ تھا، وہ اسلام کا مجاہد اور نبوت کا فدا کار تھا۔ اگر کوئی شخص مرحوم کی کوئی کوتاہی بیان کرے تو میں ہرگز اس کا دفاع نہ کروں گا۔ اس لیے کہ اس نے خود اپنا دفاع کب کیا تھا اور اس نے اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ ہی کب کیا تھا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس کا دامن اغراض کی آلودگی سے پاک، اس کا قلب لوٹ و لالچ سے بے نیاز اور دنیا کے شوق و طلب سے خالی تھا۔ اس لیے کہ اس کا دل دنیا کے سود و زیاں کے غم سے فارغ اور ہر کسی کے خوف سے بے پروا ہو گیا تھا۔ اس کی فطرت کی بے باکی اور قلم کی بے پناہی کا راز اس کی سیرت کے اسی پہلو میں تلاش کرنا چاہیے۔

رسولؐ خدا کے دشمنوں کا دشمن :

جس طرح محبت میں اس کا دل فراخ اور کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا تھا، اسی طرح وہ دشمنوں کے لیے سخت اور قہر تھا۔ ان کے لیے اس کے لغت میں کوئی حرفِ رعایت نہ تھا۔ رسولؐ کے دشمنوں کے لیے وہ شمشیر برہنہ اور تیغ دو دم تھا۔ وہ اپنی قوم اور اہل وطن کی غلطیوں اور ٹھوکروں سے صرفِ نظر کر سکتا تھا، وہ اپنے چمن اور اہلِ چمن کے لیے بادِ بہاری تھا لیکن برٹش استعمار کے لیے کاخ وایوان کے لیے زلزلہ تھا اور انگریزی مصالح کی کاشت کے لیے بادِ سموم کا تھپیڑا۔ ان مضامین کو اس نے طرح طرح سے اور نئے نئے اسالیب میں بیان کیا ہے۔ اس کے لیے اس نے نئے الفاظ و تراکیب وضع کیں، نئے نئے جملے اختراع کیے، دل چسپ استعارات و تشبیہات سے کام لیا اور مضامین نو بہ نو کے انبار لگا دیے ہیں۔

اس کی محبت بھی حضور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے لیے تھی اور دنیا سے اس کی لڑائی بھی آقائے دو جہاں کی خاطر تھی۔ وہ حضور رسالت مآب ﷺ سے کسی کی دشمنی تو دور کی بات، کسی کے اعراض کو برداشت کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہو سکا۔ اس کے کلام میں بے شمار اشعار بلکہ اس کا پورا کلام ہی اس کے الحب فی الرسول والبغض فی الرسول کا آئینہ دار ہے۔ "تلوار ہوں" (کلیات: ۲۶-۱۲۲۵) اس کی انہیں مطالب میں ایک لاجواب نظم ہے اور "رسول خداؐ سے عہد" (کلیات: ۹۸-۱۲۹۷) میں اس نے انہیں عزائم کا ذکر کیا ہے۔

یہ دونوں نظمیں بہت پرجوش، ولولہ انگیز، افکار حقہ اور جذبات اسلامی سے معمور اور ایمان افروز ہیں۔ "تلوار ہوں" میں بعض سوانحی اشارے بھی موجود ہیں مثلاً:

(۱) یہ نظم ۱۹۷۰ء کی یادگار ہے اور اس سے پہلے شورش مرحوم کو سردار دو عالم ﷺ کے روضے پر حاضری کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔

خواجہ گیہاں کے در کی حاضری کا فیض ہے — میں اگر ان سوشلسٹوں کے تکوار ہوں

(۲) شورش نے اپنی زندگی کے بارہ برس قید و بند میں گزارے تھے:

میں نے بارہ سال کاٹے ہیں بہ شکل قید و بند — فی زمانہ دعوتِ قربانی و ایثار ہوں

(۳) وہ ذیابیطس کے مریض تھے:

اب جگر یاری نہیں کرتا عزیزانِ چمن — مار ڈالا ہے ذیابیطس نے اور بیمار ہوں

اس کے علاوہ فداکارانِ اسلام اور مجاہدینِ ختم نبوت کے سپہ سالار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے نعرۂ پیکار کا ذکر ہے۔ دوں نہاد مفتیوں، بھکاری ملاؤں، علمائے دنیا پرست اور خدا کے منکروں کا ذکر ہے۔ نظم بہت خوب، اسلامی افکار کی ترجمان اور جذباتِ حقہ کی آئینہ دار ہے لیکن ہم اسے "نعتیہ نظم" مشکل ہی سے کہہ سکیں گے۔

البتہ دوسری نظم "رسول خدا سے عہد" اپنے فکر و فن، زبان و اسلوب، جذبات و احساسات، دل کی آرزوؤں اور امنگوں، ولولہ انگیزی اور ایمان افروزی کے اعتبار سے ایسی ہے کہ اس کے مطالعے کے لطف و مسرت میں قارئین محترم کو بھی شریک کر لیا جائے۔ نظم یہ ہے:

رسول خدا سے عہد!

میں تیرے ساتھ اے میر امم یہ عہد کرتا ہوں!

اگر زندہ رہا تو جان تک اپنی لڑا دوں گا — خدا کی راہ میں اولاد بھی اپنی کٹا دوں گا

تہیہ کر چکا ہوں دین کا ڈنکا بجا دوں گا — یہ گھر اسلام کا ہے اس سے ہر فتنہ مٹا دوں گا

میں اے زینت دہِ لوح و قلم یہ عہد کرتا ہوں!

مجھے راہِ خدا میں جیت کے ہرنا بھی آتا ہے — مجھے اسلام کے ناموس پہ مرنا بھی آتا ہے

مجھے پیمانہ شب خون سے بھرنا بھی آتا ہے — مجھے کفار کو زیر و زبر کرنا بھی آتا ہے

قسم تیری قسم تیری قسم یہ عہد کرتا ہوں!

دعا ہے مہر عالم تاب کی تنویر ہو جاؤں — دعا ہے گم شدہ اسلاف کی تصویر ہو جاؤں

دعا ہے اس فضا میں نعرۂ تکبیر ہو جاؤں — دعا ہے حیدرِ کرارؓ کی شمشیر ہو جاؤں

کرم تیرا کرم تیرا کرم یہ عہد کرتا ہوں!

مجھے بدر و اُحد کا واسطہ جذبِ دروں دیدے — مرے زورِ خطابت کو صحابہؓ کا فسوں دیدے

مجھے اذن حضوری بخش دے ذوقِ جنوں دیدے　　مجھے اسلام کی خاطر یہ ایں صورت سکوں دیدے
مٹا دوں گا فقیہوں کا بھرم یہ عہد کرتا ہوں

مجھے دھوکے دیے ہیں منبر و محراب والوں نے　　مجھے لرزا دیا ہے تسمہ پاؤں کے شوالوں نے
مجھے ٹھرا دیا ہے خانقاہوں کے شغالوں نے　　مجھے چرکے دیے ہیں اس زمانے کے رذالوں نے
مری ٹھوکر میں ہے ان کا دھرم یہ عہد کرتا ہوں

۷ / ستمبر کا عظیم الشان واقعہ :

۷ / ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو تاریخی فیصلہ ہوا تھا، وہ برصغیر کی مذہبی اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ تھا۔ شورش مرحوم کو اس مسئلے سے نہ صرف ایک جذباتی تعلق تھا، بلکہ اس مسئلے کے حل میں اس کی کوششوں کا بھی اہم حصہ تھا۔ ٹھیک اسی وقت جب یہ مسئلہ قومی اسمبلی کے خصوصی اجلاس میں زیر بحث تھا کئی نازک موقعوں پر اس کی گرہ کشائی میں مرحوم نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس مسئلے کے حل سے اسے خاص خوشی ہوئی تھی۔ اس نے کئی اشعار میں اس کا ذکر کیا ہے۔ "طلوعِ آفتاب" (کلیات : ۳-۷۲-۱۲۷) کے عنوان سے اس کی ایک دل فریب نعتیہ نظم اسی پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم کے چند شعر نذر قارئین ہیں :

خواجہ کونینؐ کا فیضانِ رحمت بار دیکھ　　ہو گیا توحید کے بیٹوں کا بیڑا پار دیکھ
رنگ لایا جذبہ قربانی و ایثار دیکھ　　عشق پیغمبر کی دولت محو ہو سکتی نہیں
جو قضیہ تھا کبھی دشوار سے دشوار دیکھ　　قوم کے مخلص نمایندوں نے آخر حل کیا

اس کے علاوہ "۷ / ستمبر" کے عنوان سے بھی ایک فکر انگیز اور ایمان پرور نظم (کلیات : ۱۶۴۵) ہے۔ "معرکہ ختم نبوت" (ایضا : ۵۰-۱۶۴۹) بھی اسی قبیل کی نظم ہے۔

شورش کی نعت اور زبان :

ہر صنف ادب و شعر کی زبان اور اسلوب کے لیے اس کا مضمون اور موضوع ہی اولین رہنما ہوتا ہے۔ نظم، غزل، قصیدے، مرثیے کی اپنی الگ الگ زبان ہوتی ہے۔ ایک صنف کے لیے دوسری صنف کی زبان اور اسلوب اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی جسارت غیر فطری عمل ہو گا اور ناکامی، ناپسندیدگی اور رد و اعراض اس کی قسمت۔ نعت کے لیے اگر نظم، غزل، قصیدے کی صنف اختیار کی جائے گی تو اسی لمحے اس کی زبان و اسلوب کا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ اس کے بعد شاعر اور اس کے کلام کی کامیابی کا دارومدار زبان میں نظر و عبور، قدرت کلام اور مہارت فن پر ہو گا۔ شورش مرحوم نے جب نعت کے لیے نظم کا پیرایہ اختیار کیا تھا تو

اس کے لیے زبان کا فیصلہ بھی اسی وقت ہو گیا تھا۔ شورش نے اس صنف کے لوازم اور اس کے تقاضوں کو خوب نبھایا، وہ نظم کی زبان سے خوب واقف تھا۔ اس زبان سے اس کا ذوق لسانی آشنا تھا۔ اس کا مطالعہ وسیع تھا، لغات میں اس کی گہری نظر تھی۔ اس سے بڑھ کر اس میں نئے الفاظ اور جدید تراکیب کے وضع و ایجاد کی بہترین صلاحیتیں موجود تھیں۔ جس سے اس کی زبان حسین اور رنگین بن گئی تھی۔ اگرچہ وضع الفاظ اور اختراع تراکیب کی واقعی اور بہترین صلاحیتوں کا اظہار اس کی طنزیہ اور فکاہیہ نظموں میں ہوا ہے، لیکن نعتیہ منظومات میں بھی اس کے ذوقِ تخلیق و ایجاد کے نمونے موجود ہیں۔

شورش مرحوم نے اپنے نعتیہ کلام میں ان الفاظ و تراکیب اور تشبیہات و استعارات کا استعمال نہیں کیا جو غزل کی روایت سے نعت میں آئے ہیں اور جن کی کثرت سے نعت بھی عشقیہ جذبات و احساسات کا ایک گلدستہ، گوش و بینی، شانہ و سینہ، جبین و گلو، کمر و گردن کا تذکرہ اور حسن و جمال کی حکایت بن گئی ہے اور بات عقیدت و احترام کے اظہار، اطاعتِ رسولؐ کی دعوت، عمل صالح کی ترغیب، مقام رسالت کی عظمت کے بیان، بعثتِ نبوی کی غایت کی تشریح اور پیغام رسالتؐ کی تبلیغ سے کسی حد تک اور اکثر مقامات پر بڑی حد تک دور ہو گئی ہے۔ بعض اوقات تو نعت کے مطالعے سے اعلیٰ درجے کے احساسات اور پاکیزہ جذبات کے بجائے کم تر اور معمولی جذبات کو تحریک ملتی ہے۔ شعر کے دیگر اصناف غزل، مثنوی وغیرہ میں جذبات کی پستی کو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن نعت کی مقدس صنف میں بلند خیالات، پاکیزہ جذبات اور اعلیٰ احساسات کے سوا کوئی پست اور کم تر درجے کی چیز گوارا نہیں کی جا سکتی۔ ایسی ہر چیز نعت کے تقدس اور اس کی شان کے خلاف ہے۔

شورش مرحوم کا کلام زبان و بیان کی ان کمزوریوں، خیالات کی پستی اور معمولی اور کم تر درجے کے جذبات سے پاک ہے۔ اس کے کلام کے مطالعے سے اطاعتِ رسولؐ کا جذبہ اور اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کے نام اور حرمتِ نبویؐ پر کٹ مرنے کو جی چاہتا ہے۔ اسلام اور ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لیے ذوق عمل کو جلا ملتی ہے۔ اسلام اور اس کے پیغمبر ﷺ کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کی لائی ہوئی شریعت کے لیے مرنے جینے کی آرزو دل میں جنم لیتی ہے۔ دنیا سے برائیوں کو مٹانے اور ایک پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کی دل میں امنگ پیدا ہوتی ہے۔ انسانوں سے محبت کرنے، ان کی خدمت کرنے، دلوں کو جوڑنے، نفرتوں کو مٹانے کے پاکیزہ جذبات کو تحریک ملتی ہے اور عمل کرنے اور انقلاب لانے اور دنیا کو سعادات الٰہیہ سے بھر دینے کا جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

شورش کے کلام میں سکر کے بجائے صحو، غفلت کے بجائے بیداری، خود فراموشی کے بجائے

خود آگہی، جمود کے بجائے حرکت، نشہ کے بجائے جوش، بے دلی کے بجائے، ولولہ، بے عملی کے بجائے ذوق عمل، خلوت نشینی و گوشہ گیری کے بجائے میدان کارزار میں کود پڑنے اور بے عملی کے بستر پر موت کے بجائے میدانِ جہاد میں شہادت کی آرزو دل میں پیدا ہوتی ہے۔ غرضے کہ زندگی کے ہر میدان میں "رخصت" کی تلاش کے بجائے عزیمتِ دعوت کے مقام کو حاصل کرنے کا عزم دل میں پیدا ہوتا ہے۔

میں یہاں مثال میں چند اشعار پیش کرنے کے بجائے "عرض کرتا ہوں" (کلیات: ۸۱-۱۵۸۰)، "نسلِ نو سے خطاب" (ایضاً: ۵-۱۷۰۴) اور "بادۂ عرفان" (ایضاً: ۶۵-۱۷۶۴) کے مطالعے کی قارئین کرام کو دعوت دوں گا۔

یہ تینوں نظمیں ایک ہی کینڈے کی، ایک ہی دعوت کی حامل اور یکساں جذبات و احساسات اور اشکوں اور آرزوؤں کی آئینہ دار ہیں لیکن یہاں صرف ایک نظم پیش کرنے کی جسارت چاہتا ہوں:

نسلِ نو سے خطاب

رسالت کا ڈنکا بجائے چلا جا	محمد ﷺ کا پرچم اُڑائے چلا جا
جبیں اُن کے در پہ جھکائے چلا جا	اگر اپنی بخشش کی خواہش ہے شورش
پیامِ محمد ﷺ سنائے چلا جا	ترے پاس اس کے سوا اور کیا ہے
خدا کے لیے سر کٹائے چلا جا	ترا آخرت میں وثیقہ یہی ہے
نبی ﷺ کا پھریرا اُڑائے چلا جا	خدا کے لیے سر کٹانے کا مطلب؟
عقیدت کے موتی لٹائے چلا جا	فدایانِ شاہِ دو عالمؐ کی رہ میں
پکارے چلا جا بلائے چلا جا	رسالت کی چوکھٹ پہ شاہِ اممؐ کو
یہ حرفِ غلط ہے مٹائے چلا جا	فقط دجل ہے قادیانی نبوت
نقابِ ان کے رخ سے اٹھائے چلا جا	جو سیاس ہیں تیرے مدِ مقابل

شورشؔ کی نعت گوئی اور سیاسی تحریکات:

نعت ایک خاص صنف شعر ہے۔ اس کا ایک دائرہ فکر اور مضمون متعین ہے لیکن شورشؔ مرحوم نے بہ فیض صحبت و تربیت مولانا ظفر علی خاں نعت کے دائرے کو وسیع اور وقت کی سیاسیات اور تحریکات تک پھیلا دیا ہے۔

نعت کے مضامین اور سیاست میں بعد المشرقین ہے لیکن شورش کی نعت میں بے شمار اشارے، کنایے، تراکیب، استعارے ترقی پسندوں، زمینداروں، سرمایہ داروں اور وقت کے سیاست دانوں اور ان کے

جبر واستحصال سے لے کر ان کی اسلام اور ملت فروشی اور ملک و قوم دشمنی تک کے ملتے ہیں۔ اسی طرح وقت کے بعض علماء و مشائخ جنہوں نے شریعت و طریقت کو کھیل اور صرف اپنی کام جوئیوں کا ذریعہ بنا رکھا ہے، ان پر عرضِ نقد، ان کی سیرتوں سے اِباو نفر اور ان پر طنز بھی اس کے کلام میں ملتا ہے۔ اس نے نعت میں وقت کی تحریکات پر تنقید اور تعریض کو بھی شامل کر دیا ہے۔ اشتراکیت، کمیونزم، سرمایہ داری، برٹش استعمار کی ریشہ دوانیاں، قادیان اور ربوہ کی سرزمین سے شروع ہونے والی تحریکات شورش مرحوم کے نقد کا خاص ہدف رہی ہیں۔ اس کے عقیدے اور نظامِ فکر میں ان تحریکات سے صرفِ نظر کی کوئی گنجایش نہیں۔ شورش نے ان پر صرف تنقید ہی نہیں کی بلکہ طنز و تعریض اور تنقیص کے حربے بھی استعمال کیے ہیں اور فکاہیہ اسلوب بھی برتا ہے۔ ماضی کی اسلام دشمن تحریکات اور فتنوں کی طرف اشارے بھی اس کے نعتیہ کلام میں پائے جاتے ہیں۔ مسیلمہ کذاب، خارجی، باطنی، قرامطی، دروزی تحریکات اور وقت کی بعض تحریکوں اور فرقوں کے مبتدعانہ و مفتریانہ پہلوؤں اور ان کے اخلاق و سیرت، اسلام دشمنی اور فتنہ انگیزیوں کا تذکرہ بھی اس کے کلام میں ملتا ہے۔ یہ تمام تنقیدات و تعریضات عشق رسول ﷺ اور اس کے لازمی تقاضوں کے طور پر اس طرح آئی ہیں کہ نعت کی ادبی فضا اس سے متاثر نہیں ہوتی اور نہ اس کا تقدس پامال ہوتا ہے۔

معاشرے کے ناسور طبقات، تحریکات اور تاریخی فتنوں کے علاوہ تاریخ اور وقت کی مثبت، سیاسی اور مذہبی تحریکات اور شخصیات کا ذکر بھی کم و بیش اس کی نعتیہ شاعری میں موجود ہے۔ دیوبند اور اس کے پاکیزہ خصائل بزرگوں کی طرف اشارات اور ان کے تذکار سے شورش کا کلام خالی نہیں۔ ختم نبوت کے مجاہدوں اور شہیدوں کو اس نے خراج عقیدت پیش کیا۔ احرار اور اس کے جاں بازوں، سرفروشوں اور اس کے پاکیزہ سیرت رہنماؤں کے حوالے بھی اس میں ملتے ہیں۔ یہ احرار کے پاک باز رہنما ہی تھے جنہوں نے قادیانیت کے خلاف اسلامی جذبات کو منظم کیا تھا اور ایک تحریک کی شکل دی تھی۔

پاکستان میں تحریکِ ختم نبوت سے شورش کاشمیری کا روزِ اول سے وفات تک تعلق رہا تھا۔ اس تحریک نے اس کی نعت گوئی کو قوت اور توانائی دی تھی۔ اس نے اپنی بہترین ذہنی و فکری توانائیوں اور تحریر و خطابت کی بے مثال صلاحیتوں سے اس تحریک میں جان ڈالی تھی۔ اس کے کلام میں ان شعراء کے تذکرے ہیں جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے نعت کے چراغ جلائے تھے۔ ان علماء کا ذکر ہے جنہوں نے تحریک ختم نبوت کو پروان چڑھایا تھا۔ ان آتش نفس بزرگوں کے ذکر سے اس کا کلام خالی نہیں جنہوں نے نبوت کے جھوٹے مدعی کے خلاف مسلمانوں کے بھڑکتے ہوئے جذبات کے شعلوں کو ہوا دی تھی۔ ان پاکباز صوفیہ و مشائخ کے حوالے ہیں جن کی زندگیاں قرنِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سیرتوں کا پرتو تھیں۔ اس نے جہاں شیدائیانِ رسالت اور جاں نثارانِ ختم نبوت کا مجمع دیکھا، ان کے عزائم و فدائیت اور عشق و محبت کے موتیوں

کو سلکِ اشعار میں پرولیا اور ان کے ولولوں سے کلام کی رنگینیوں اور دل آویزیوں میں اضافہ کیا۔

خاتمہ کلام اور سلام :

شورش مرحوم کے بارے میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ بہت سے خیالات ہیں جو زبان و قلم پر آنے کے لیے بے تاب ہیں، لیکن یہاں میں نے مرحوم کی شاعری میں ان کی نعت گوئی اور اس کے خصائص تک تحریر کو محدود رکھا ہے اگر چہ اس باب میں بھی جو کچھ لکھنا چاہتا تھا، نہیں لکھ سکا لیکن اس تحریر کو اس سے زیادہ طول دینے کی اب نہ ہمت ہے اور نہ فرصت۔ قلم کو روکتا اور تحریر کو ختم کرتا ہوں۔ البتہ جی چاہتا ہے کہ اسے اس سلام پر ختم کیا جائے۔

اردو شاعری میں سلام کی ایک روایت رہی ہے۔ اس کی ہیئت، زبان، اسلوب نعت سے مختلف ہوتا ہے، جس سے ہمارا ذوق بہ خوبی آشنا ہے لیکن مرحوم شورش نے سلام میں بالکل الگ انداز اختیار کیا ہے۔ جسے بہ یک نظر محسوس کر لیا جا سکتا ہے۔ یہ مختلف انداز سلام کی روایتی ہیئت اور فن سے لے کر زبان، اسلوب، بیان اور مضمون تک ہر چیز میں ہے۔ اور بڑی مہارت کے ساتھ اس طرزِ جدید کو نبھایا گیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سلام میں بلاشبہ ایک طرز خاص کا موجد ہے۔ قارئین کرام کو اس طرف صرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس پر کسی حث و کلام کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ سلام یہ ہے:

سلام بحضورِ سرورِ کائنات

اس پیمبرؐ پہ شب و روز درود اور سلام
جس نے بالا کیا ہر دور کے انسانوں کو

جس نے دانائی و حکمت کے خزانے دے کر
آنِ واحد میں مسخر کیا فرزانوں کو

تا ابد جس نے زمانے کی سیادت بخشی
عشق کی راہِ جہاں تاب کے دیوانوں کو

جس نے انصارِ مدینہ کا بڑھا کر رُتبہ
ان کے تابع کیا دنیا کے جہاں بانوں کو

جس نے توفیق الٰہی سے جہاں دار کیا
خاکِ مکہ کے جگر دار حدی خوانوں کو

جس کی طاعت سے فزوں تر کوئی طاعت ہی نہیں
جانچ کر دیکھ لیا عشق کے پیمانوں کو

لازماً فرماں روایانِ جہاں اس کے غلام
اعتراف اس کا ہے تاریخ کے ایوانوں کو

جاں نثار اس کے زمانے سے نرالے نکلے
اس کا اقرار ہے یورپ کے دبستانوں کو

کیا سمجھتے ہیں نبوت کے حریفانِ قدیم
ہم تہی دست فقیروں کے گریبانوں کو

اسلوب احمد انصاری۔ بھارت
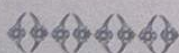
حفیظ تائب کی نعت گوئی

"وہی یٰسیں وہی طٰہٰ" کے حوالے سے

مدت گزری کہ حفیظ تائب کی نعتیہ نظموں کا مجموعہ صلوا علیہ و آلہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ راقم الحروف کو ان نظموں میں ایک غیر معمولی شعور و ادراک اور رنگ و آہنگ کی جلوہ گری نظر آئی اور اس زمانے سے یہ معمول بن گیا کہ جہاں کہیں بھی کسی رسالے میں ان کی کہی ہوئی نعت نظر سے گذرتی، اسے ذوق و شوق سے پڑھتا اور اسے روایتی نعتیہ نظموں کے مقابلے میں زیادہ پر کیف اور وقیع پاتا۔ زیر تبصرہ مجموعہ "وہی یٰسیں وہی طٰہٰ" جو گزشتہ سال اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اسی تشویق، بغایت ارادت اور عقیدت مندی سے مملو نظر آتا ہے، جو ان گنت اور بے حد و شمار کلمہ گو مسلمانوں کی مثل حفیظ تائب نبی کریم کے تئیں اپنے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں محسوس کرتے ہیں۔ نعت گوئی کی اولین شرط تو بہر حال اور بلاشبہ جذبے کی توانائی شدت، ارتکاز اور لطافت ہے۔ اسلامی تاریخ میں نعت گوؤں میں سب سے پہلی اور حد درجے برگزیدہ شخصیت حضرت حسان بن ثابتؓ کی ہے۔ قرون اولیٰ سے لے کر اب تک نعت گوئی کی روایت کا تسلسل بغیر کسی تعطل اور رکاوٹ کے برقرار رہا ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی عظمت پر دال ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم نعت گو بھی کثیر تعداد میں برابر موجود رہے ہیں اور ان کی نعتیں ان کی والہانہ شیفتگی کا اظہار ہیں۔ نعت گوئی کے فن کا محاکمہ کرنے کے لئے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ جذبے کی صداقت اور تقدیس کے پہلو بہ پہلو، جو بہر صورت نقطہ آغاز و انجام ہے، نعت گو شاعر نے ظرف و ضمیر کی پاکیزگی اور روشنی کے ساتھ اپنے مافیہ کا اظہار کس درجے ہنر مندی کے ساتھ کیا ہے۔ اچھی شاعری میں جذبے کی نزہت و عفت کے ساتھ تخیل کی تازگی، طرفگی اور رعنائی و زیبائی بھی بے حد ضروری اور اہم ہے کہ اس کے بغیر ذہن پر اس کا اثر خاطر خواہ طور پر مرتسم نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اپنے دور میں اس صنف میں سب سے زیادہ ممتاز نعت گو تو اقبال ہی ہیں، جنھوں نے "ارمغان حجاز" کی فارسی رباعیات میں اپنے تخیلی سفر نامہ حج کے دوران نبی کریم ﷺ سے اپنی بے پناہ اور پر جوش محبت و عقیدت کا اظہار ایسے بھرپور طریقے سے کیا ہے جو فن کے معمول سے باہر بوجہ اپنی فراوانی اور قوت و شوکت کے چھلکا پڑتا ہے۔ حفیظ تائب نے نعت گوئی کے فارم کو

بالصراحت برت کر اپنے ذوق حضوری کا مظاہرہ بھی کیا ہے اور فن نعت گوئی پر اپنی گرفت کا بھی۔ کامیاب نعت گو کے لئے نہ صرف نبی کریم سے بے پایاں عقیدت شرط اولین ہے اور نہ صرف فروتنی اور عجز وانکسار کا اظہار بلکہ تاحدِ امکان اپنے تئیں آپ کی شخصیت کے اندر تخیلی طور پر اس طرح ضم کر دینا کہ من وتو کا فرق یکسر محو ہو جائے۔ ہر چند یہ ایک نجی، ذاتی اور عارفانہ تجربہ ہے، لیکن اس کی شعری تجسیم اور ابلاغ کے لئے اسے Depersonalize کرنا بھی ضروری ہے تاکہ اس میں پڑھنے والے بھی اپنے ذوق وظرف کی مناسبت سے حسب توفیق شریک ہو سکیں۔ یہ ایک نوع کی غنائیہ، عشقیہ شاعری بھی ہے اور اس سے استغراق کی کیفیت بھی وابستہ ہے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ یہاں چونکہ ارادت اور مودت کا رشتہ ایک ذات بے ہمتا سے ہے، اس لیے شوخی اور بیباکی کے لئے مطلق کوئی گنجائش نہیں۔ رشتے کی اسی نزاکت کی خاطر، با مصطفےٰ ہوشیار باش کہہ کر حزم واحتیاط ہی نہیں بلکہ مکمل سپردگی اور جاں سپاری کی تاکید کی گئی ہے۔ الوہی عشقیہ شاعری میں خدا سے تو شاید Liberties لی جاسکتی ہیں لیکن نبی کریم ﷺ سے کسی قیمت پر بھی نہیں۔ یہاں احتیاط، شائستگی اور حفظ مراتب کو ملحوظ رکھنا لابدی ہے۔ حفیظ تائب کی نعت گوئی جوشِ عقیدت اور سرمستی وگم شدگی اور ربودگی میں اس روایت کی یاد تازہ کرتی ہے جو مغربی شعراء حضرت عیسیٰ مسیح کے مصلوب کئے جانے کے واقعے پر اظہار خیال کرتے وقت محسوس کرتے رہے ہیں جس کا سلسلہ انگریزی زبان میں اینگلو سکیسن ادب کے آغاز سے لیکر تاحال جاری وساری ہے۔ اس کا اولین سراغ ساتویں صدی میں رقم شدہ نظم بہ عنوان The Dream of the Rood میں ملتا ہے، جس کا مسودہ دسویں صدی میں شمالی اٹلی میں دریافت ہوا تھا اور قیاس ہے کہ اس کے مصنف کا نام Cnnewulf تھا، لیکن یہ محض قیاس ہی قیاس ہے۔ اس تخلیقی فن پارے میں Rood یعنی تختہ دار کو مجسم فرض کر کے اس کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسان کے گناہ کے لیے کفارے کا ذکر کیا گیا ہے اور آخر آخر میں ان کے دوزخ سے جنت کی سمت فاتحانہ اقدام کی یاددہانی بھی کرائی گئی ہے۔ یہ نظم جس کا آج پڑھنا بغایت دشوار ہے۔ فرط عقیدت کی آئینہ داری کرتی اور بہت طاقتور اور اثر انگیز ہے۔ یہاں یہ جتادینا شاید غیر ضروری نہ سمجھا جائے کہ اس واقعے کی، جس پر ایک پوری عمارت تعمیر کی گئی ہے، قرآن کریم کی نص صریح میں تکذیب کی گئی ہے: وما قتلوہ وما صلبوہ (اور نہ انہوں نے اسے قتل کیا، اور نہ اسے صلیب پر چڑھایا)

یہاں کسی کی خردہ گیری مقصود نہیں، لیکن یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ نعتیہ نظم لکھنا ایک بات ہے اور نعت گوئی کے محرک کو ذہن ووجدان میں رچابسا کر حسی ارتعاشات کے توسط سے اسے پیش کرنا قطعی مختلف عمل ہے۔ اقبال نے خدا سے مخاطب ہونے میں جو آزادہ روی برتی ہے اور اس میں جس طرح کی شوخی گفتار کو راہ دی ہے، نبی کریم ﷺ سے خطاب کے دوران اس کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی، اور نہ انہوں نے ایسا کیا ہے۔ حفیظ تائب کی نعتیہ نظموں میں تخلیقی ذہانت کا سراغ ملتا ہے۔ وہ قلبی واردات کے بھی شناسا

ہیں۔ اور آدابِ شعر گوئی کے بھی رمز شناس۔ شاعر کو اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ رسول مقبول ﷺ کی شخصیت کون و مکاں کی وسعتوں کو محیط ہے۔ یہ ایک ایسی ذات طیبہ ہے جو انفس و آفاق کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ آپ کی ذاتِ اقدس تخلیق کا شاہکار بھی ہے، اور اسوہ حسنہ کا نقطہ عروج بھی۔ اقبالؔ کا انسان کامل سلسلہ ارتقاء کی آخری منزل پر سامنے نہیں آئے گا بلکہ یہ آپ کی حیات طیبہ میں اپنا ظہور کر چکا ہے اور اس لیے سارے مکارم اخلاق اور فضائل انسانی کا ایک نمونہ یا Archetype ہے۔ یہی جذبہ حفیظ تائب کے شعور میں بھی بسا ہوا ہے یہی ان کے نعتیہ کلام کا محرک اعلیٰ ہے۔ اس مجموعے کے جن جستہ جستہ اشعار میں ان کے صیقل شدہ جذبات کا اظہار انتہائی مرتکز انداز میں سامنے آیا ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

میں لاکھ گرفتہ دل و آشفتہ نظر ہوں — رہتی ہے مگر ان کی تمنا تر و تازہ
موسم کی تمازت سے ہراساں نہیں تائب — سایے میں ہوں رحمت کے شگفتہ تر و تازہ

اجالا پھیل جاتا ہے مری سوچوں کے غاروں میں — دیارِ خواب میں جب آپ کا پیکر چمکتا ہے
یقیناً اس کو نسبت ہے رہِ طیبہ کے ذروں سے — ستارہ سا جو اکثر میری پلکوں پر چمکتا ہے

آنسوؤں کے چراغ جل اٹھے — جشن برپا ہوا حضوری کا

چومتے قدموں کے نقوش — عرش کی راہ گذر تک پہنچوں
ایک پتھر ہی سہی میرا وجود — پھر بھی اس آئنہ گر تک پہنچوں

ہوں گے سدا وجود و عدم جس سے فیضیاب — میرے رسول کا ابد آرا جمال ہے
تیرہ شبی میں میرے قدم ڈولتے نہیں — تائب نظر میں وہ سحر آسا جمال ہے

میرے غم خانے کو ہے ان کی توجہ درکار — جن کو آتا ہے تبسم سے اجالا کرنا
کاش قسمت میں ہو محبوب خدا کا دیدار — جن کا منصب ہے تن و روح کو اجلا کرنا

سر بسر معجزہ تھا آپ کا اندازِ حیات — کم تھا کیا خلق کو توحید پہ یکجا کرنا
پتھروں اور درختوں کا سلامی دینا — شب کے ایک حصے میں افلاک کا دورہ کرنا

صبح ظہور اک طرف، یوم نشور اک طرف — دونوں سے ہے جڑا ہوا صدر امم کا سلسلہ
خاک سے تا بہ آسماں چرخ سے تا بہ لامکاں — پھیل گیا کہاں کہاں حسن حرم کا سلسلہ

دیکھتا ہوں انہیں آتے جاتے — یوں نقوش کف پا میں گم ہوں
سنگریزے بھی ہیں نغمات بلب — اک عجب شہر نوا میں گم ہوں

تارا تھا کہ جگنو تھا گوہر تھا کہ برگِ گل — جو اشک کہ لہرایا سرکارؐ کے قدموں میں

درد انساں سے مہکتا ہوا شیریں لہجہ — کیسا انداز ہدایت تھا نرالا ان کا
ٹھہرا مشعل وہ بہاراں کی زمانے کیلئے — ریگ صحرا میں کھلا جب گل لالہ ان کا

لفظ میں ڈھال کر کیا تقسیم ہاتھ آیا جو زر عقیدت کا
سایے بانٹے گا دشت امکاں میں تا قیامت شجر عقیدت کا

حقیر ذرے کو بھی رفعت آشنا کر کے فلک کا چاند بناتی ہے نعت پاک حضور ﷺ
فضائے دہر میں خوشبو کی طرح پھیلتی ہے کہاں بدن میں سماتی ہے نعت پاک حضور ﷺ

ایک پوری نظم جس کا مطلع ہے "چادر سی جو نور کی تنی ہے / ماہ اخضر کی چاندنی ہے" میں گویا اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ مزید؂

اسی کے قطرہ ابر کرم کا ازل سے منتظر دل کا صدف ہے
اسی کے در سے نسبت کی بدولت گہر سے بڑھ کر طیبہ کا خذف ہے

خوشبو سے جس کی سارا زمانہ مہک گیا وہ جانفزا گلابِ رسالت مآب ہے
جس کی تجلیوں سے دو عالم ہیں تابناک تائب وہ آفتاب رسالت مآب ہے

دیدار کے قابل تھیں کہاں میری نگاہیں اس پر بھی رہی حسرتِ دیدار ہمیشہ
دل درد سے بھر آیا تو دربا نبی میں اشکوں کی زباں سے ہوا اظہار ہمیشہ

اقبال نے اپنی ایک فارسی نظم بہ عنوان "جوئے آب" (پیام مشرق) میں، جس کا نمونہ انہیں جرمن شاعر گوئٹے کی معروف نظم Mahometsgesang میں ملا، اور اس کا مطلع ہے "من کر بہ جوئے آب چہ مستانہ می رود / مانند کہکشاں بگریبان مرغزار، نبی کریم سے اپنی پر جوش محبت اور عقیدت کا اظہار بھر پور کیف وکم کے ساتھ کیا ہے۔ حفیظ تائب کے زیر نظر مجموعے کے عنوان سے ذہن، بال جبریل، میں اقبال کے ان دوبے مثل اشعار کی طرف منتقل ہوئے بغیر نہیں رہتا جن میں ایک جہان معنی آباد ہے۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اور فارسی مثنوی "مسافر" میں ایک شعر اس طرح ہے

توندانی عشق و مستی از کجا است ایں شعاع آفتابِ مصطفےٰ است

حفیظ تائب کی نعتیہ نظموں کا یہ مجموعہ بھی اسی عشق و مستی کی حکایت لذیذ و جاں نواز سے عبارت ہے۔

ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی۔ بھارت
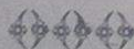
شعراء الرسول۔ ایک تعارف

پیغمبر خاتم، سرور کائنات اور فخر کونین ﷺ کی مختلف عہد میں اور مختلف زبانوں میں مختلف اسالیب سے تعریف کی گئی ہے اور اس عظیم شخصیت کی خاکہ سازی اور تصویر گری میں طرح طرح کے رنگ و آہنگ ایجاد کئے جا رہے ہیں۔ غیر منقوط تحریروں کے ذریعہ سے بھی آپ ﷺ کی توصیف و توقیر کی گئی۔ نثر نگاروں کے ساتھ ساتھ شعراء نے بھی اپنی بساط کے مطابق سرور کائنات کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کئے۔ اسی طرح عہد رسالت میں "شعراء رسول" یعنی صحابۂ کرامؓ نے بھی آنحضور ﷺ سے اپنی غیر معمولی محبت و تعلق کا اظہار کیا۔ شعراء رسول نے مختلف پہلوؤں سے ہمارے رسول ﷺ پر گلہائے عقیدت نچھاور کئے، خود آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کفار شعراء کا جواب دیں جنھوں نے دین اسلام اور خود مجھے ہدف تنقید بنا رکھا ہے اگر شعراء رسول کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو کبھی انہوں نے براہ راست آپ ﷺ کی ذات عالیہ کو موضوع بحث بنایا، کبھی مشرکین شعراء کا گستاخیوں کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ کے شمائل و صفات پر اظہار خیال کیا کبھی اسلام کا دفاع کرتے ہوئے آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کے دروازے وا کئے۔ کبھی مختلف جنگوں کے حوالے سے آپ ﷺ کے تقدس کا ذکر کیا کبھی صحابۂ کرامؓ پر کہے گئے قصائد میں ذکر رسول کو واجب تصور کیا اور آخر میں آپ ﷺ کی وفات کے بعد کہے گئے مراثی میں شعراء رسول نے آپ ﷺ کی مختلف حیثیتوں کو واضح کیا۔ مختصر یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے اپنی شاعری میں رسالتمآب ﷺ کا ایک نہایت حسین و جمیل مرقع پیش کیا ہے۔

ہندوستان میں دیار شبلی و فراہی سے تعلق رکھنے والے برصغیر کی مشہور دینی درسگاہ ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دینے والے اور عربی کے مشہور مجلہ "البعث الاسلامی" کی ادارت کے فرائض انجام دینے والے نیز دنیائے اسلام کے مشہور عالم دین مولانا ابوالحسن علی ندوی کے زیر سایہ اباحیات بسر کرنے والے جنھیں دنیا سعید الاعظمی ندوی کے نام سے جانتی ہے۔ آپ نے "شعراء الرسول" کے عنوان

سے ایک کتاب ترتیب دی ہے، جو ۵۵۴ صفحات پر مشتمل ہے یہ تصنیف عربی میں ہے جو اپنے زبان وبیان' انداز تحقیق اور تحلیل و تجزیہ کے اعتبار سے انفرادیت کی حامل ہے۔ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سعید اعظمی صاحب کو عربی زبان پر بڑی قدرت حاصل ہے 'ایک زمانے سے ان کی عربی تحریریں پوری دنیائے عرب میں پڑھی جاتی ہیں۔ اصلاً وہ اس کتاب کو جامعۃ ازہر میں رہ کر ترتیب دینا چاہتے تھے اور جامعہ ازہر مصر ہی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مجلۂ "البعث الاسلامی" کی ادارت کی ذمے داریوں اور تدریسی فرائض کی ادائیگی کے سبب وہ جامعہ ازہر میں اس مقالہ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے جمع نہ کر سکے۔ چنانچہ اپنی مادرِ علمی ندوۃ العلماء کے "قسم التکمیل" میں اسے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے جمع کیا چنانچہ اس شعبے نے انھیں اس مقالہ پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی اس مقالہ کی نگرانی کے فرائض رابطہ عالم اسلامی کے نائب صدر مولانا محمد رابع حسنی ندوی نے انجام دیئے جو عربی کے ایک مشہور ادیب اور محقق ہیں۔ سعید الاعظمی صاحب نے اس کام کو ۱۴ سال کی مدت میں ترتیب دیا ہے۔

اس مقالہ میں دربار رسول کے چار نمائندہ شعراء کعب بن مالک انصاری، حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری اور حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی شامل ہیں۔ کتاب کا آغاز مولانا ابوالحسن علی ندوی حفظ اللہ کے پیش لفظ سے ہوتا ہے۔ جس میں انھوں نے کتاب کی وقعت و عظمت اور مصنف کی بے انتہاء جانشانیوں پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا کہ "مولف نے ان چاروں شعراء کی شاعری کا تاریخی اور تنقیدی حیثیت سے جائزہ لیا ہے جنھوں نے دین اسلام پر بیجا اعتراضات اور سرور کائنات ﷺ پر اتہامات والزامات کے جوابات دیئے اور ان شعراء کی شعری اہمیت کا تعین مولف نے تحلیل و تجزیہ اور تعارنہ و موازنہ کے توسط سے کیا ان کی فنی خوبیوں کو واشگاف کیا اور جس ماحول میں ان شعراء کی اسلامی شاعری وجود میں آئی اس ماحول کو بھی موضوع بحث بنایا گیا کہ کس طرح انھوں نے اپنے جذبات واحساسات کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ اور وہ کون سے عوامل و محرکات تھے جنھوں نے شعراء رسول کو اشعار کہنے پر مجبور کیا۔ شعراء رسول نے بہت سے قصائد ردعمل میں کہے تو مولف نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا اس طرح مولف نے ایک ایماندار مورخ کی حیثیت سے شعراء رسول اور دشمنان رسول شعراء کی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔"

آگے مولانا نے بتایا کہ "یہ کتاب جس طرح تاریخی حیثیت کی حامل ہے اسی طرح اپنا ایک نمایاں ادبی مقام بھی رکھتی ہے نیز علمی اور تنقیدی رو سے مبارکباد کی مستحق ہے 'کتاب کی ترتیب و تحقیق کے سلسلے میں مولف نے بنیادی مصادر وماخذ سے استفادہ کیا جس سے مولف کے علمی حوصلوں اور امنگوں کا اندازہ کیا

جاسکتا ہے، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مولف نے اپنے موضوع پر بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ کام کیا اپنی اس علمی اور اسلامی خدمت کا صلہ اپنے خالق حقیقی سے چاہتے ہیں۔"

مولانا علی میاں ندوی دامت برکاتہم کے پیش لفظ کے بعد مقالہ کے نگراں محمد رابع حسنی ندوی کا پیش لفظ ہے۔ جس میں انہوں نے مقالہ کی علمی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "اعظمی صاحب کی یہ تالیف مبسوط مباحث پر مشتمل ہے اور اسے بڑی خوبصورتی سے ترتیب دیا ہے، مولف نے اسے پائے تکمیل تک پہچانے میں ایک طویل مدت صرف کی۔ لیکن اس کی وجہ سے مباحث میں مزید وسعت اور مزید حسن پیدا ہوگیا" یہ موضوع حد درجہ توجہ کا مستحق تھا۔ چنانچہ ہمارے دوست اور استاد اعظمی صاحب نے اس موضوع کے ساتھ بڑی دیدہ ریزی اور دلجمعی کا ثبوت دیا اور اس رسالہ میں بڑی قیمتی مباحث پر گفتگو کی ہے۔"

"در پیش لفظ کے بعد صاحب کتاب نے اپنی روداد بیان کی ہے اور بتایا کہ کن کن پہلوؤں سے شعراء رسول نے نبی علیہ اور دین اسلام کی تعریف و توصیف کی ہے اور کتنے مستند و مدلل انداز میں سرور کائنات اور دین حنیفہ کا دفاع کیا ہے۔ ابتدا میں قدرے چاروں شعراء رسول پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر رسول حضرت کعب بن مالکؓ انصاری کے متعلق رقمطراز ہیں کہ انھوں نے خود اپنی ذات اور دینی شعری استعداد کو ذات رسول علیہ اور دین اسلام کے تحفظ و دفاع کے لئے وقف کر دیا اسلام سے قبل جاہلی شعراء میں بھی انھیں ایک نمایاں مقام حاصل تھا، اس وقت بھی اپنی فلسفیانہ صلاحیت کا استعمال کرتے تھے اور بے مقصد شاعری کیا کرتے تھے چنانچہ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری نے بھی اسلام قبول کیا اس وقت دین اسلام کی وجہ سے معاشرۂ انسانی میں جو ایک زبردست انقلاب برپا ہوا تھا وہ اس کی ہمنوائی کے لئے دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور اس اسلامی انقلاب کی تعریف و توصیف میں ڈوبے ہوئے تھے آنحضور علیہ کی معیت انھیں بہت راس آئی جس کی جھلک ان کی شاعری میں موجود ہے۔

حضرت حسان بن ثابت اور عبد اللہ بن رواحہؓ بھی اسی طرح دین اسلام اور نبی کریم علیہ کی مدافعت وصیانت کے سلسلے میں ڈھال بنے رہے اور مستقل مشرکین شعراء کی تردید کرتے رہے۔ مختلف غزوات اور جہادی محاذوں پر ملت اسلامیہ کے فرزندوں کے جذبات کو ابھارتے رہے اللہ نے ان کے دلوں کو رسالت کی طرف سے بالکل سکون واطمینان بخش دی تھی۔ چنانچہ وہ ایک طرف مدح نبی میں رطب اللسان رہے اور حکیمانہ دعوت توحید کی موافقت کرتے رہے۔ مذکورہ تینوں شعراء کی اسلامی خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں شعراء رسول کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے آگے چل کر انھیں شعراء کی جماعت سے کعب بن زہیر

بھی وابستہ ہو گئے اور قصیدہ "لامیہ" کے ذریعے اپنی ایمانی زندگی کا آغاز کیا' اس قصیدہ میں انھوں نے سرورِ کائنات کی مدح سرائی کی ہے۔ جو نبی کریم ﷺ کی شان میں پیش کئے گئے تمام قصائد میں فنی اعتبار سے اولیت کا حامل ہے۔

یہ کتاب چار شعراء یعنی چار ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب سے قبل نہایت اختصار کے ساتھ مخضرمی ادب (یعنی ان جاہلی شعراء کا ادب جو کو بعثت رسول کے بعد مشرف بااسلام ہوئے) پہ روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ تاریخی اور ادبی نقطۂ نظر سے اس مخضرمی ادب کی غیر معمولی حقیقت ہے۔ آخر میں ادب عربی کی چار اقسام جاہلی شعری۔ مخضرمی شاعری' اسلامی شاعری اور جدید شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔ اور مصنف نے اس پہلو کو بھی موضوع بحث بنایا کہ شاعری کے متعلق دین اسلام کا کیا نقطۂ نظر ہے۔ اس سلسلے میں مولف نے بتایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دین اسلام شعر گوئی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور دینی رجحانات کے لئے مناسب نہیں ہے جبکہ آنحضور ﷺ نے شعراء کی ہمت افزائی کی اور شاعری کو ایک پُر حکمت فعل قرار دیا۔ جبکہ قرآن کریم میں خود ارشاد باری تعالیٰ ہے "الشعراء یتبعھم الغاوون" جس کی تفسیر و توضیح میں اعظمی صاحب فرماتے ہیں کہ جو شاعری قرار و سکون' لہو و لعب' فخر و افتخار اور فحش گوئی کا سامان نہیں ہے' نہ ہی یہ ضلالت و گمراہی کا ذریعہ ہے۔ شاعری اصلاً تربیت کا ایک بہت بڑا آلہ ہے جسے سطحی اغراض اور بدترین مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قبولیت اسلام کے بعد شعراء کے سامنے شاعری کے واضح اور مستقیم خطوط منظر عام پر آئے کہ شاعری ایک اعلیٰ معیار اور بلند مقاصد کی شئی ہے۔"

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض مشرکین کا یہ خیال حقیقت پر مبنی نہیں ہے کہ جغرافیائی اعتبار سے ضرور امتِ مسلمہ سرزمین پر چھا گئی لیکن ان پر دین اسلام نے کسی خاص تہذیب و ثقافت کے اثرات نہیں مرتب کئے۔ اصلاً عصر عباسی تک آتے آتے ملت اسلامیہ ایک خاص ثقافت کی حامل نظر آنے لگی' جبکہ عہدِ رسالت ہی میں اسلامی تہذیب کے اثرات پوری طرح سے تو انا نظر آرہے تھے اور آپ ﷺ کی خصوصی توجہ کی وجہ سے شاعری ایک صالح انقلابی کیفیت سے دوچار ہوئی۔

کعب بن مالکؓ: ....اس کے بعد پہلے باب کا آغاز ہوا' جس میں کعب بن مالکؓ کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے کعب بن مالک ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین نثر نگار بھی تھے' وہ اپنی نثر اور شاعری میں نہایت فصیح الفاظ اور متین تراکیب کا استعمال کرتے۔ آپ کا تعلق قبیلۂ خزرج کی شاخ بنی سلمہ سے تھا۔ آپ ہجرت سے ۲۵ سال قبل مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام عمرو بن القیس بن کعب

سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ انصاری ہے۔ کنیت ابو عبداللہ ہے۔ ایک قول کے مطابق ابو عبدالرحمان ایک قول کے مطابق ابو محمد! ایک قول کے مطابق ابو بشیر مدنی شاعر ہے آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے بیعت عقبہ میں حاضر تھے اور بیعت بھی کی، جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے لیکن جنگ احد اور اس کے بعد ہونے والی تمام جنگوں میں شریک ہوئے، غزوہ تبوک میں بھی کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ آپ کی والدہ لیلہ بنت زید کا تعلق بھی نبی سلمہ ہی سے تھا۔ کعب بن مالک جب مدینہ تشریف لائے تو آنحضور ﷺ نے انھیں طلحہ بن عبیداللہ سے رشتہ مواخات کے پیش نظر باندھ دیا۔ وہ شعراء رسول میں ایک نمائندہ شاعر کی حیثیت رکھتے تھے وہ ایک تخلیقی صلاحیت کے حامل تھے اور جذبات کی پوری پوری عکاسی کرتے تھے۔

بیعت عقبہ سے قبل آپ نے اسلام قبول کیا۔ اس وقت آپ مدینہ میں تھے۔ دین اسلام پر غور و خوض کرتے اور خاموشی سے نماز ادا کرتے۔ انھیں حج کے موقع پر اپنی قوم سے نکل کر نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا موقع ملا کہ وہ آپ ﷺ کی حمایت کریں گے اور ان چیزوں کا آپ ﷺ سے دفاع کریں گے جن سے آپ ﷺ کا خاندان آپ ﷺ سے دفاع کرتا رہا ہے۔

یہ واقعہ ہجرت سے دو ماہ قبل ذوالحجہ کے مہینہ میں پیش آیا۔ بعض روایت میں ہے کہ ہجرت سے تین ماہ پیشتر پیش آیا۔

حضرت کعبؓ کی شاعری میں جنگوں کا کثرت سے ذکر ہے، قبائل پر آپ کی شاعری کی وجہ سے لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ابن سیرین کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت کعبؓ کے مندرجہ دو شعر سننے کے بعد دوس کے اوپر ایسی گھبراہٹ طاری ہوئی کہ وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔

قضینا من تهامة كل وطر   وخيبر ثم اعمدنا السيوفا

(ہم نے وادی تہامہ اور خیبر سے ہر ضرورت کو پوری کیا، اور اس کے بعد تلواروں کو نیام میں رکھ دیا)

تخبرها ولو نطقت لقالت   قوا طعهن دوسا او ثقيفا

(تم تلواروں کو آزما رہی ہو اگر انھوں نے کچھ کیا تو یہی کہیں گی کہ ان کے شکار دوس یا ثقیف ہیں)

ایک روایت میں مذکور ہے کہ نبیؐ نے کعب بن مالکؓ سے مذکورہ شعر سنانے کے لئے کہا چنانچہ انھوں نے اس شعر کے ساتھ ساتھ اس کے بعد آنے والے تمام اشعار آپ ﷺ کے حضور پیش کیے تو نبی ﷺ نے سننے کے بعد فرمایا کہ "واللہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ اشعار تو کفار عرب کے حق میں تیز تیر پھینکنے والی کمان سے بھی زیادہ سخت ہیں۔"

ایک مرتبہ براء بن معرور کے ساتھ حضرت کعبؓ مکہ جا کر حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم ان دونوں لوگوں کو پہچانتے ہو۔ تو انھوں نے کہا کہ جی ہاں! ایک تو اپنی قوم کے سردار براء بن معرور ہیں اور یہ کعب بن مالک ہیں تو آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "شاعر" حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس لفظ "شاعر" کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے اس قول میں ان کی شاعرانہ عظمت کا پورے طور سے اعتراف موجود تھا۔

اعظمی صاحب نے غزوۂ احد، غزوۂ خندق، فتح مکہ، غزوۂ تبوک کے حوالے سے بھی حضرت کعبؓ بن مالک کے واقعات اور ان کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ آگے چل کر بتایا کہ حضرت کعب بن مالک نے ایک بار آنحضور ﷺ سے پوچھا کہ شعر کے متعلق آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن اپنی تلوار اور اپنی زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے۔ ابو عمر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے کعب! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے تمہارے اس قول پر تمہارا شکر ادا کیا ہے۔

زعمت سخینة ان ستغلب ربها　　　　فلیغلبن مغالب الغلاب

(سخینة کا گمان (باطل) ہے کہ عنقریب اپنے رب پر غالب آجائے گی پس بہت زیادہ غلبہ رکھنے والے کو غلبہ حاصل کرنا چاہئے)

ابو الفرج اصفہانی کا خیال ہے کہ حضرت کعبؓ بن مالک کو دین اسلام کے دفاع کے لئے عدیم النظیر صلاحیتوں سے نوازا گیا تھا۔ ان کے بعد ان کے خاندان میں دوروں تک شاعری کا سلسلہ برقرار رہا۔ وہ قریش کے اعتراضات کا جواب انہی کے طرز وبیان میں دیا کرتے تھے کعب بن مالک نے مختلف جنگوں کا اپنے اشعار میں ذکر کرتے ہوئے سرور کائنات ﷺ کی عظیم شخصیت کا ذکر کیا ہے دین اسلام کے زیر سایہ آنے کے بعد انھوں نے مختلف موضوعات ومواقع سے متعلق اشعار کہے اور ان تمام قصائد میں دین اسلام اور سرور کائنات کا ذکر ضرور ہوتا۔ مثلاً غزوۂ بدر سے متعلقہ قصیدہ میں انھوں نے کئی اشعار آپ ﷺ سے متعلق کہے۔ مثلاً

وفینا رسول اللہ والأوس حوله　　　　له معقل منهم عزیز وناصر

(اور سول اللہ ﷺ ہمارے مابین ہیں اور قبیلہ اوس کے لوگ اس کے اردگرد ہیں، انہی میں آپ ﷺ کا محفوظ مقام ہے اور انہی میں سے آپ کو قوت دینے والے اور مدد کرنے والے ہیں)

وجمع بنی النجار تحت لوائه　　　　یمشون فی التاذی واختصع تائر

(قبیلہ بنی تجار آپ ﷺ کے زیر علم مجتمع ہے، وہ چکوار زرہوں میں ملبوس پھر رہے ہیں اور سفید بادل اوپر پھیلے ہوئے ہیں)

شهدنابان الله لارب غیره　　　　وان رسول الله بالحق ظاهر

(ہم نے گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی رب نہیں ہے اور بیشک اللہ کے رسول حق کے ساتھ ظاہر ہونے والے ہیں)

ہبیرۃ بن ابی وھب کا تعلق قریش سے تھا یہ اپنی شاعری میں دین اسلام اور سرور کائنات ﷺ کے خلاف گستاخی کرتا اس کے انہی خیال کی عکاسی اس کے ان اشعار میں ہوتی ہے جو اشعار اس نے جنگ احد سے متعلق کہے ہیں۔ کعب بن مالکؓ نے اس کے جواب میں جو قصیدہ کہا ہے اس میں سرور کائنات کی شخصیت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

فینا رسول الله تبع أمره　　　　اذا قال فینا القول لانتطلع

(اللہ کے رسول ہم لوگوں میں موجود ہیں۔ ہم ان کے حکم کی اتباع کرتے ہیں، جب ہم لوگوں کے مابین انھوں نے کچھ کہا، ہم لوگوں کے سر جھکے رہے)

تعالیٰ علیه الروح من عندربه　　　　ینز من جوالسماء ویرفع

(حضرت جبرئیل آپ پر اتارے جاتے ہیں اللہ کے پاس سے، حضرت جبرئیل فضاء آسمانی سے اتارے جاتے اور بلائے جاتے ہیں)

نشاور فیما نرید وقصرنا　　　　اذاما اشتهی انا نطیع وسمع

(ہم جس چیز میں چاہتے ہیں آپ ﷺ سے مشورہ کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق ہم اس کی اتباع کرتے اور سنتے ہیں)

وقال رسول الله حاسدوالنا　　　　ذرواعنکم هول المنیات واطمعوا

(اور جب دشمن ہمارے سامنے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کا خوف چھوڑ دو اور موت کی خواہش کرو)

وکونوا کمن یشتری الحیاة تقربا　　　　الی ملك یحیالدیه ویرجع

(اور ان لوگوں کے مانند ہو جاؤ جو تقرب الٰہی کے لئے اپنی زندگیوں کو فروخت کر دیتے ہیں اس کے

حضور زندہ کیا جائے گا اور اسی کی طرف جانا ہے)

ولکن خذو اسیافکم وتو کلوا　　　　على الله ان الامر لله اجمع

(اپنی تلواروں کو تھام لو اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو، کیونکہ معاملہ اللہ کے ہی اختیار میں ہے)

جنگ احد سے متعلق کئی قصائد حضرت کعب بن مالکؓ نے کہے ہیں اس سے متعلقہ ایک قصیدہ ۲۹ اشعار پر مشتمل ہے اس میں انھوں نے جہاں جنگجو صحابہ کرامؓ اور ان کے کامل کا ذکر کیا ہے، وہیں انھوں نے آنحضور ﷺ کا بھی ذکر کیا ہے۔ دو شعر ملاحظہ کریں۔

تیجست تهجورسول المليك　　　　قاتلك الله جلقالعينا

(تم نے بڑی ملعونیت کا ثبوت دیا کہ اللہ کے رسول کی ہجو بیان کرتے ہو، اللہ تمہیں برباد کرے، تم تو نہایت احمق اور مردود ہو)

تقول الخنا ثم ترمی به　　　　تقی الثياب تقيا أميناً

(تم فحش باتیں کر رہے ہو، اور ایک ایسے شخص کو نشانہ بنا رہے ہو جو پاکیزہ، متقی اور دیانتدار ہے)

جنگ احد سے متعلق ایک قصیدہ میں قریش کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

فينا الرسول شهاب ثم يتبعه　　　　نور مضيئى له فضل على الشهب

(ہمارے مابین رہنے والا رسول شہاب ثاقب کے مانند ہے اور ان کا تابناک نور ان کی ذات سے وابستہ تھا آپ ﷺ کو تمام ستاروں پر برتری حاصل تھی)

الحق منطقه والعدل سيرته　　　　فمن يجبه اليه ينج من تب

(ان کا کلام حق پر اور ان کی ذات عدل پر مبنی تھی جو شخص ان کا ہو کر ان سے محبت کرے گا وہ تباہیوں سے دور رہے گا)

نجدالمقدم ماضى الهم معتزم　　　　حين القلوب على رجعت من الوعب

(جس وقت دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے اس وقت ہم آپ ﷺ کو پیش قدمی کرنے والا، ہمت اور راسخ القدم پاتے ہیں)

يمضى ويأمرنا عن غير معصية　　　　كانه البدر لم يطلع على الكذب

(وہ ہم کو بھلے کام کے کرنے کا حکم دیتے اور اسے نافذ کرتے ہیں، گویا کہ یہ وہ چودھویں کا چاند

ہے جو کذب پر طلوع نہیں ہوتا)

یبدأ لنا فاتبعناہ نصدقہ   وکذبوہ فکنا اسعد العرب

(وہ جس وقت ظاہر ہوئے تو ہم نے ان کی تصدیق کی اور پھر اتباع کی اور انھوں نے ان کی تکذیب کی یہی سبب کہ عربوں میں ہم خوش بخت ہیں)

حضرت کعب بن مالک کا ایک قصیدہ غزوۂ بنی نضیر کے موضوع پر ہے۔ غزوۂ بنی نضیر کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ آنحضور ﷺ قبیلہ بنی نضیر و مقتولین کی دیت کے سلسلے میں مدد چاہی تو انھوں نے ہاں کر لی لیکن دل میں چور چھپا ہوا تھا کہ انھیں عین وقت پر دغا دیں گے یہی چیز جنگ کا سبب بن گئی اسی چیز کو کعب بن مالک نے موضوع بحث بنایا اور سرور کائنات ﷺ کی اصل حیثیت کو واضح کیا۔

وقد اوتوا معافھما وعلما   وجاء ھم من اللہ النذیر

(آپ ﷺ لوگوں کے پاس اللہ کی طرف سے ڈرانے والے بن کر آئے۔ آپ ﷺ نذیر صادق ہیں جنھوں نے کتاب پہنچائی)

وآیات بینۃ تنیر   نذیر صادق اویٰ کتابا

(ڈرانے اور سچ بولنے والے نے کتاب پہنچائی اور ایسی واضح آیات دیں جس سے روشنی پھوٹتی ہے)

وانت بمنکر لناجدیر   فقالوا اما اتیت بأمر صادق

(کفار کا کہنا یہ ہے کہ تم سچے معاملے کے ساتھ نہیں آئے اور تم تو ہمارے حقوق کا انکار کر رہے ہو)

یصدقنی بہ الفھم الخبیر   فقال بلی لقد ادیت حقا

(آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حق کی ادائیگی کر دی ہے اور اسی حق کے توسط سے فہم حقیقی میری شہادت دے رہی ہے)

جنگ خیبر کو بھی حضرت کعبؓ بن مالک نے موضوع بحث بنایا اور معمول کے مطابق یہاں بھی سرور کائنات کے حضور نذرانہ عقیدت لے کر حاضر ہیں۔

یدو دویحمی عن قصار محمد   وید- فع عنہ باللسان وبالید

(وہ محمد ﷺ کے حقوق کے لئے مدافعت اور حمایت کرتے ہیں' وہ زبان اور ہاتھ دونوں سے اس کی مدافعت کرتے ہیں)

وینصرہ من کل امر یریبہ   یجود بنفس دون نفس محمد

(اور وہ ان کی ہر اس معاملہ میں مدد کرتے ہیں جس میں انھیں شک ہو اور محمد ﷺ کی جان کی حفاظت میں اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں)

یصدق بالآبناء بالغیب مخلصا   یرید بذاك الفوز والعزفی عنه

(وہ غیب کی خبروں کی دل سے تصدیق کرتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے آخرت کے لئے کامیابی اور عزت کے خواستگا ہیں)

جنگ حنین سے فراغت کے بعد آنحضور ﷺ نے تبلیغ اسلام کے لئے شہر طائف کا قصد کیا۔ اور جس وقت طائف کا عزم جنگ کے لئے کیا تو کعب بن مالک نے اس موقع کو شعری قالب میں پیش کیا۔ اس کے چند اشعار یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔

رئیسهم النبی وکان صلبا   نقی القلب مصطبرا عزوفا

(رسول ﷺ مسلمانوں کے قائد ہیں اور وہ اپنے دین میں سخت پاکیزہ دل، صابر اور لہو ولعب سے دور رہنے والے ہیں)

رشید الآمر ذو حکم وعلم   وحلم لم یکن نزقا خفیفا

(معاملات میں رہنمائی کرنے والے، فیصلہ کرنے والے، علم رکھنے والے اور بردبار ہیں اور آپے سے باہر ہونے والے نہیں ہیں)

نطیع نبینا ونطیع ربا   هو الرحمان کا بنا رئووفا

(ہم اپنے نبی اور رب کی اطاعت کرتے ہیں اللہ بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے اور ہم لوگوں پر میزبان ہے)

حضرت حسان بن ثابت :...... دوسرے باب میں سعید الاعظمی ندوی نے حضرت حسان بن ثابت کی حیات وخدمات اور ان کی شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔ آپ شعراء مخضرمین میں بڑی نمایاں شخصیت کے حامل تھے، انھیں حد درجہ شہرت ومقبولیت حاصل تھی، سرور کائنات ﷺ کی دفاع اور مدحت کے سلسلے میں سب سے پیش پیش رہے۔ دین اسلام کے تحفظ اور اس کے اعزاز واکرام کے لئے بڑی خدمات انجام دیں دور جاہلیت اور دورِ اسلام دونوں میں انھوں نے مدحیہ قصائد کی بنیاد ڈالی۔ دورِ جاہلیت میں وہ غسان کے سلاطین کی تعریف کیا کرتے تھے۔ انھوں نے جس وقت نعمان بن منذر کی تعریف کی تو انھوں نے آپ کو خوب تحفے وتحائف سے نوازا، اس کے بعد انھوں نے آل جفنہ کے حق میں قصائد کہنے شروع کئے۔ لیکن دین

اسلام کی آغوش میں آنے کے بعد ان کی مدح سرائی سے رخ موڑ لیا اور ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

لله در عصابة نادمتهم　　　　یوماً بجلق فی الزمان الاول

(اس جماعت کی خیر اللہ کے ہاتھ میں ہے جن کے ساتھ دورِ اوّل (دورِ جاہلی) میں بمقام دمشق میں میں ایام گزارے)

فلبثت ازمانا طوالا فیهم　　　　ثم ادکرت کاننی لم افعل

(میں نے ان لوگوں (کفار) میں ایک عرصہ دراز تک رہا۔ لیکن جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوا کہ کچھ ہاتھ نہیں آیا)

دورِ جاہلیت کے شعراء کے مانند آپ ایک امتیازی وصف کے حامل تھے' آپ کو مدحیہ' ہجویہ' فخریہ اور دیگر اصناف شاعری میں ید طولیٰ حاصل تھا یہی وجہ ہے کہ جب اوس اور خزرج کے مابین جنگ واقع ہوئی تو قبیلہ خزرج کی طرف سے حیثیت شاعر اور ترجمان کے نمائندگی کر رہے تھے۔ اس وقت دونوں قبائل کے شعراء کی جانب سے جو شاعری کی گئی تھی اسے "المذھبات" (دورِ جاہلیت کے سات قصائد جو معلقات کے بعد دوسرے درجہ میں شمار ہوتے ہیں) کے نام سے موسوم کیا گیا ان میں حسان بن ثابت کو سر فہرست رکھا گیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ کا نمبر تھا۔ آگے ندوی صاحب نے حسان بن ثابت کے ان اشعار سے بحث کی ہے جو دورِ جاہلیت کی بعض جنگوں سے متاثر ہو کر کہے گئے۔

آپ کا نام اس طرح ہے' حسان بن ثابت بن منذر بن حرام' آپ کا تعلق مالک بن نجار کے لڑکوں سے ہے۔ دورِ جاہلیت میں "نجار" "لات" کے بندے کو کہتے تھے لیکن قبولیت اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسے "تیم الجار" کے بجائے "تیم اللہ" کر دیا تاکہ انصار کے انساب میں اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ' خزرج سے تھا جس کا سلسلہ یمن کے یعرب بن قحطان تک چلتا ہے۔ آپ کی والدہ فریعہ بنت خالد بن قیس بن لوذان کا تعلق بھی قبیلہ' خزرج سے تھا۔

حسان ۵۶۳ء میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آنحضور ﷺ سے آٹھ سال بڑے تھے۔ آپ ﷺ کی سن ولادت ۵۷۱ء ہے حسان کا قبیلہ خزرج انصار کی قیادت کے فرائض انجام دیتا کیونکہ خود کو وہ حضرات شرفاء اور عظام کی اولاد میں شمار کرتے۔ یہ چیز خود حسانؓ کے ذہن میں بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ چنانچہ درج ذیل اشعار میں اس کا عکس پوری طرح سے موجود ہے۔

ویثرب تعلم انا بها　　　　اذا القیس الا مرمیزا نها

(اے یثرب! تمہیں معلوم ہے کہ ہم اسی سرزمین کے ہیں جب کوئی معاملہ بگڑتا ہے تو ہم ہی اسے درست کرتے ہیں)

ویثرب تعلم انا بھا   اذا قحط القطر نوانھا

(اے یثرب! تم جانتے ہو کہ ہمارا اسی مٹی سے تعلق ہے جب یہاں خشک سالی آتی ہے تو ہم اس سرزمین کے لئے بارش بن جاتے ہیں)

ویثرب تعلم آنا بھا   اذا خافت الاوس جیرانھا

(اے یثرب تم واقف ہو کہ ہم اسی شہر کے باشندے ہیں کیا یہ نہیں پتہ کہ جب قبیلہ کوس کے کچھ لوگوں نے غداری کی تھی)

پیچھے یہ بات آچکی ہے کہ آپ کا تعلق بنی نجار سے تھا بنی نجار کی قرابت داری ہاشم بن عبد مناف کے خاندان سے تھی اور ان کی عزیز داری آنحضور ﷺ سے بھی تھی جیسا کہ معلوم ہے کہ سلمیٰ بنت عمرو کا تعلق بوعدی بن نجار سے تھا اور یہ آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کی والدہ تھیں۔ حسانؓ نے اپنے اس تعلق کا ذکر اپنے اشعار میں بڑے افتخار کے ساتھ کیا ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کو جس وقت آنحضور ﷺ کی ولادت کی بشارت معلوم ہوئی۔ اس وقت آپ سات یا آٹھ سال کے تھے' آپ کے دل میں اس دین کے لئے ایک جگہ موجود تھی۔ آنحضور ﷺ تیرہ سال مکہ میں گزارنے کے بعد مدینہ تشریف لائے ان دنوں حضرت حسانؓ کی ساٹھ یا اکسٹھ سال بتائی جاتی ہے اسی عمر میں انھوں نے اسلام کو قبول کیا۔

حسان بن ثابت کو آنحضور ﷺ سے ملنے اور دین اسلام میں داخل ہونے کے لئے مناسب موقع کی تلاش تھی چنانچہ ہجرت کر کے آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو اس وقت پورا مدینہ آپ ﷺ کے استقبال کے لئے امڈا چلا آرہا تھا چنانچہ حسان بن ثابت بھی جماعت انصار کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تاکہ ایک خادم کے مانند آپ ﷺ کو بوسہ دے سکیں نیز دین اسلام اور آپ ﷺ کی رسالت کی دفاع کے لئے آپ ﷺ سے اجازت حاصل کر سکیں اپنی شاعری اور زبان وبیان کو دین اسلام کی خدمت کے لئے وقت کر دیں یہ وقت تھا جب آپ ﷺ تیر و تفنگ کے ساتھ دشمنان اسلام سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسانؓ کو اسلامی روایت کے ایک اہم عضو کی حیثیت سے گلے لگایا چنانچہ اہل ایمان کے مابین حضرت حسان ایک عضو جدید کی حیثیت سے داخل ہوئے انھیں دعوت اسلامی

کے لئے ایک ڈھال تصور کیا گیا۔ اس وقت دین اسلام کو ایسے لوگوں کی شدید ضرورت تھی جو اپنے کلام وگفتار سے دین اسلام کی حمایت کر سکیں۔ چنانچہ ایسے وقت میں مادی ہتھیاروں کے بالمقابل حضرت حسان زبردست اسلحہ ثابت ہوئے۔ اس وقت شاعری کے میدان میں حضرت حسان کا سورج نصف النہار پر تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کی غیر معمولی شاعری کی شہرت ہر جگہ عام ہو گئی اور ہر سوسائٹی میں آپ کو قدرو منزلت کی نظر سے دیکھا گیا آپ نے مختلف اصناف سخن کو موضوع بحث بنایا اور ہر جگہ انھیں میر مجلس تسلیم کیا گیا انھیں شاعر اسلام قرار دیا گیا' ان کی شاعری نے دین اسلام کے دفاع کے سلسلے میں جو کردار ادا کیا وہ سیف وسناں سے کہیں بلند ہے۔ اسلام کی وجہ سے ان کی شاعری میں اخلاص و محبت کا اضافہ ہوا جیسا کہ عمر فروخ کا خیال ہے کہ حسان کی شاعری پر اسلام کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اس میں خاص قسم کی لذت و محبت کی آمیزش ہوئی۔ نیز ان کی شاعری پر اسلامی تعمیرات کی چھاپ نظر آنے لگی نیز قرآن کریم کے اثرات پوری طرح نمایاں تھے حسان تنہا ایسے شاعر ہیں جنھیں شاعری میں نوادرت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سہرا حسان ہی کے سر جاتا ہے کہ عربی شاعری میں انھوں نے نعت نبی کے سلسلے کا آغاز کیا۔

حضرت حسان نے اپنے اشعار میں اس وقت کی منظر کشی ہے جس وقت آنحضور ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ اس وقت اہل مدینہ اپنا سب کچھ آپ ﷺ کے قدموں پر لا کر ڈال دینا چاہتے تھے' آپ کی آمد کی وجہ سے ان کے سر اونچے ہو گئے اپنی باہمی تمام عداوتیں ختم ہو کر کے باہم شیر و شکر ہو گئے تھے حضرت حسان نے اس جذبہ کو اس انداز میں پیش کیا ہے۔

لوی فی قریش بضع عشرة حجة　　　یذ کر لو یلقی خلیلا مواتیا

(آپ ﷺ نے قریش کے اندر دس سال گزارے' اور مستقل یاددہانی کراتے رہے تا کہ کوئی موافق دوست مل جائے)

ویعرض فی اهل المواسم نفسه　　　فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا

(اور لوگوں کی محفلوں میں خود کو پیش کرتے تھے لیکن انھیں کوئی پناہ دینے والا اور ان کی آواز پر لبیک کہنے والا نہ ملا)

فلما أتانا واطمأنت به النوی　　　فاصبح مسرور ابطیبة راضیا

(جب آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو یہ جگہ آپ ﷺ کے لئے قابل قرار بن گئی اور آپ ﷺ پوری طرح خوش وخرم ہو گئے)

واصبح لایخشی عداوة ظالم　　　فریب ولا یخشی من الناس باغیا

(اور آپ ﷺ کو کسی قریبی ظالم کا اندیشہ نہ رہا اور نہ ہی لوگوں میں سے کسی سرکش کا خوف باقی رہا)

بذلنا له الاموال من جعل مالنا　　　وانفسنا عندالوغی والتأسیا

(جنگ اور مالی ضرورت کے وقت ہم نے اپنے قیمتی اموال نیز اپنی جانوں کو آپ ﷺ پر قربان کر دیئے)

نحارب من عادی من الناس کلهم　　　جمیعا وان کان الحبیب المصافیا

(ان تمام لوگوں سے ہماری جنگ ہے جو ہم سے عداوت رکھتے ہیں جبکہ ہمارے حبیب ﷺ کا دل صاف وشفاف ہے)

ونعلم ان الله لارب غیرہ　　　وان کتاب الله اصبح هادیا

(اور ہم کو معلوم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ ہی کی کتاب ہدایت بخشنے والی ہے)

جب قریش کے شعراء کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مدینہ میں شاندار استقبال ہوا ہے تو انھوں نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں اس وقت حضرت حسان نے آپ ﷺ سے ان کی ہجو کی اجازت چاہی۔ تو آپ ﷺ نے انھیں حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا کہ پہلے ان سے قریش کی تاریخ' ان کی جنگوں اور ان کے شجرۂ نسب کا علم حاصل کر لو۔ اس کے بعد ان کی ہجو بیان کرو۔ جبرئیلؑ تمہارے ساتھ ہیں چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں سب کچھ سکھایا اور بتایا کہ فلاں کا ذکر نہ آنے پائے اور فلا کی ہجو بیان کرو چنانچہ ابوسفیان بن حارث کا جواب اس طرح دیا۔

هجوت محمد أناجئت عنه　　　وعندالله فی ذاك الجزاء

(تم نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور میں نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا' اس سلسلے میں اللہ کے یہاں جزاء وسزا ہے)

فان ابی ووالدہ وعرضی　　　لعرض محمد منکم وقاء

(بیشک میرے باپ' میرے دادا اور میری جان تم سے محمد ﷺ کی جان کی مدافعت کے لئے قربان جاتے ہیں)

أتهجوہ ولست له بکفأ　　　فشر کما بخیر کماالفداء

(کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم ایک ایسے شخص کی ہجو کرتے ہو جس کے برابر تم نہیں ہو پس ہم لوگوں

میں سے جو چھوٹا ہے وہ ہمارے بچے پر قربان جائے)

وجبریل رسول الله فینا   وروح القدس لیس له کفاء

(اللہ کے ایلچی حضرت جبرئیل ہم میں موجود ہیں اور روح القدس کا کوئی ہم سر نہیں ہے)

شهدت به فقو لوا صدقوا   فقلتم لا نقوم ولا نشاء

(میں نے اس کی تصدیق کی تم بھی اٹھ کر اس کی تصدیق کرو تو انھوں نے کہا کہ نہ تو ہم اس کی تصدیق اور نہ ہی اسے چاہتے ہیں)

هجوت مبار کا برا حنیفا   امین الله شیمته الوفاء

(تم نے بابرکت، نیک صاحب حق اور اللہ کے امین کی ہجو کی ہے جس کی فطرت میں وعدے کو وفا کرنا ہے)

لسانی صارم لا عیب فیه   ویحری لا تکید ره الدلاء

(اے قریش کے لوگو! جان لو میری زبان سیف بران کے مانند ہے، جو عیب سے پاک ہے اور (میری شاعری) سمندر کے مانند ہے جو ڈولوں کے پے بہ پے ڈالنے سے گدلا نہیں ہوگا)

آنحضور ﷺ عدل وانصاف اور حق ونور کے ساتھ اس دنیا میں تشریف لائے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑھ کر لوگوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں فوج در فوج داخل ہونا شروع ہو گئے اور اس اسلام نے انھیں امن وسلامتی اور عظمت وشرافت سے ہم کنار کیا اور انھیں باہمی عداوت ومنافرت اور جنگ وجدال سے پاک کیا، انھیں تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے حسان بن ثابت نے قصیدہ میمیہ کہا جو ۳۴/اشعار پر مشتمل ہے۔

فلما اتانا رسول الملیک   بالنور والحق بعد الظلم

(ظلم وتشدد کے بعد اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس روشنی اور حق کے ساتھ تشریف لائے)

کنا الیه ولم نعصه   غداة اتا نا من ارض الحرم

(سرزمین حرم سے صبح سویرے آپ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لاتے تو ہم آپ ﷺ کے حضور نگوں ہو گئے اور آپ ﷺ کی نافرمانی نہ کی)

فأنا او لادنا جنة   تقیك وفی مالنا فاحتکم

(پس ہم اور ہماری اولادیں آپ ﷺ کے تحفظ کے باب میں ڈھال کے مانند ہیں۔ آپ ﷺ

ہمارے اموال میں ہر حکم صادر کر سکتے ہیں)

فطار الغواۃ باشیاعھم الیہ یظنون ان یحترم

(سرکش کفار قریش بڑی تیزی سے اپنے ہم نواؤں کے ساتھ آپ ﷺ کی طرف گئے اس گمان باطل میں کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے)

فقمنابا سیا فنا دونہ نجالد عنہ بغاۃ الامم

(پس ہم سب آپ ﷺ کے تحفظ کے لئے اپنے تلواروں کے ساتھ آپ ﷺ کے اردگرد کھڑے ہو گئے اور قوم کے باغیوں کو آپ ﷺ کے پاس سے اپنی تلواروں کے ذریعے ہٹانے لگے)

بکل صیقل لہ میعۃ رقیق الذباب غموس خذم

(ہماری تلواریں صاف وشفاف پانی کے مانند چمک رہی ہیں ان کی دھاریں بہت ہی باریک ہیں' کاری ضرب لگانے والی ہیں اور کاٹنے والی ہیں)

حضرت حسان بن ثابت کو اس کا پوری طرح سے اندازہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو قریش کی طرف سے بڑی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کی وجہ سے اندر ہی اندر آپ ﷺ کا دل پسیج رہا تھا۔ حضرت حسان کے سامنے اس صورتحال کا انکشاف ایسے اشعار کے توسط سے ہوا جو غیب سے سنائی دے رہے تھے' رسول اللہ ﷺ کے توسط سے یہ بات منظر عام پر آئی کہ ہجرت کے تیسری رات کے بعد ایک جن کچھ اشعار مکہ میں ترنم سے پڑھ رہا تھا' عوام بھی اس کے ساتھ ساتھ پڑھتے اور اس کی آواز کو سنتے لیکن اسے دیکھ نہیں پا رہے تھے' یہاں تک کہ یہ جن پڑھتے پڑھتے مکہ کی پہاڑیوں پر نکل گئے۔ اسی طرح کے اشعار حضرت حسان بن ثابتؓ نے بھی کہے۔

لقد خاب قوم غاب عنھم نبیھم وقدس من یسری الیھم ویغتدی

(یقیناً قریش کے لوگ نادم ہو گئے کیونکہ ان کا نبی ان سے غائب ہو گیا اور ان کا قد اونچا ہو گیا جن کے پاس راتوں کو چل کر صبح سویرے پہنچا)

ترحل عن قوم فضلت عقولھم وحل علی قوم بنور مجدد

(جس وقت وہ قریش سے گئے تو ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے اور وہ ایک قوم کے پاس نئی روشنی کے ساتھ تشریف لے گئے)

ھداھم بہ بعد الضلالۃ ربھم وارشد ھم من یتبع الحق یرشد

(ان کے رب نے انھیں ضلالت کے بعد آپ ﷺ کے ذریعے ہدایت بخشی اور انھیں سیدھا راستہ دکھایا جو بھی حق کی اتباع کرے گا' ہدایت یاب ہو گیا۔)

لقد نزلت منه علی اهل یثرب　　　رکاب هدی حلت علیهم باسعد

(اللہ کے توسط سے اہل یثرب پر رشد وہدایت کی سواری اتری اور یہ سواری ان کے لئے عظمت، سعادت لے کر آئی)

نبی یری مالا یری الناس حوله　　　ویتلو کتاب الله فی کل مسجد

(رسول اللہ اپنے اردگرد ایسی چیزوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں جو عوام الناس سے پرے ہے' اور کتاب الٰہی کی تلاوت ہر مسجد میں جاری ہے)

حضرت حسان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کے نزدیک قابل اعتبار مرتبہ کے حامل تھے اور آپ ﷺ ان سے خوش رہا کرتے تھے' مختلف مواقع پر آپ ﷺ ان سے اشعار کہنے کا حکم صادر کرتے' یہی وجہ ہے کہ انھیں آپ ﷺ کا ترجمان اور شاعر کہا گیا آپ کی شان میں رطب اللسان رہتے بے وقوفوں کی گستاخیوں کی تردید کرتے۔ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ لوگوں کو دین اسلام کی باتیں بتا رہے تھے تو شاعر زبرقان نے آپ ﷺ کی شان میں بدتمیزیاں کیں تو آپ ﷺ نے حضرت حسان سے اس کے جواب کے لئے کہا اس کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

اکرم یقوم رسول الله قائدهم　　　اذا تفرقت الاهواء والشیع

(ان لوگوں کی عزت کرو جن کے قائد رسولِ خدا ہیں' جبکہ دشمنان حق اور ان کے قائدین تتر بتر ہو گئے)

اهدی لهم مدحی قلب یوازره　　　فیما اراد لسان حاذق صنع

(آپ ﷺ کی مدد کرنے والے دل نے میرے مدحیہ قصائد کو انھیں بطور ہدیہ پیش کیا' آپ ﷺ کی شیدائی وہ زبان ہے جو دلوں میں گھر کر جانے والی اور ماہر ہے)

وانهم افضل الاحیاء کلهم　　　ان جد بالناس جد القول او شمعوا

(اور بیشک انصار تمام قبائل پر فضیلت رکھتے ہیں جس وقت لوگ کسی سنجیدہ یا کسی غیر سنجیدہ مسئلہ کی دشواریوں میں پھنس جائیں)

اسلام سے قبل حضرت حسان بن ثابت کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ان کے یہاں افتخار اور کبر و نخوت

پایا جاتا ہے' انھیں اپنے حسب ونسب اور آباء واجداد پر بڑا ناز تھا' اپنے قبیلہ کے مقابلے میں دوسرے قبائل کو حقیر تصور کرتے' اپنی خوبیاں بھی اپنے اشعار میں بیان کرتے یہاں تک کہ اپنی ناقہ کی صفات میں زمین و آسمان ایک کر دیتے' اپنی محبوبہ کے حسن و جمال پر روشنی ڈالتے اپنے قبیلہ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

قومی بنو النجار رمذهم　　　حسن وهم لی حاضر والنصر

(میری قوم بنو نجار کا عطیہ کیا خوب ہے' وہ ہر وقت میرے لئے تیار رہتے ہیں اور میری مدد کرتے ہیں)

الموت دونی لست مهتضماً　　　وذو المكارم من بنی عمرو

(یہی وجہ ہے کہ ہلاکت میرے لئے نہیں ہے اور نہ ہی میں مظلوم ہوں اور صاحب مرتبت لوگوں کا تعلق بنو عمرو سے ہے)

جرلو مة عز محاقلها　　　كانت لنافی سالف الدهر

(گزشتہ زمانہ میں ہماری مضبوط جڑیں پیوست ہیں اور وہ ہمارے لئے پناہ گاہ بنی ہوئی ہیں)

اپنی محبوبہ کی یاد میں آپ اس طرح اپنے جذبات کو قلمبند کرتے ہیں۔

لطاول بالخمان ليلى فلم تكن　　　لهم هوادى نجمه ان تصوبا

(مقام خمان میں میری رات طول پکڑ گئی' اس کے ابتدائی ستارے غروب ہونے کا نام نہیں لے رہے ہیں)

ابيت اراعيها كانى مؤكل　　　بها لا اريد النوم حتىٰ تغيبها

(میں اس طرح اختر شماری میں لگا ہوا ہوں کہ گویا انہی کا ہو کر رہ گیا ہوں' ان کے غروب ہونے سے قبل میں سونا نہیں چاہتا)

اذا غار منها كوكب بعد كوكب　　　تراقب عينى آخر الليل كوكبا

(جب ستارے کے ستارے غائب ہوتے رہے تو میری آنکھ رات کے آخری پہر ایک ستارے پر نگاہ گاڑے ہوئے تھی)

مذکورہ اشعار سے حسان بن ثابت کے تغزل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

انھیں اپنے محبوب کی اداؤں اور اس کے حسن کا پورا پورا احساس تھا' ان کے ایسے قصائد بیشمار دیکھنے کو ملیں گے جن میں انھوں نے محبوب کی عشوہ طرازیوں اور اپنی عظمت و کرامت کا ذکر کیا ہے اپنے قبیلہ کے

سامنے تمام دیگر قبائل کو پستہ قد تصور کرتے' ایسا محسوس ہوتا ہے ان کے رنگ و پے میں خود پسندی اور خودستائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ لیکن یہی شخص جب دولت اسلام سے سرفراز ہوا تو اس نے ماضی کی تمام خصلتوں کو فراموش کردیا اور ایک خادم کی حیثیت سے قدم رسول سے ہمیشہ کے لئے چمٹ گیا اپنی ذات اور اپنے ذہن و دماغ دونوں کو دفاع اسلام اور مدحت رسول کے لئے وقف کردیا اپنے ایک قصیدہ جو جنگ بدر سے متعلق ہے اس میں انھوں نے مسلمانوں کے لشکر اور آنحضور ﷺ کے صفات بیان کئے ہیں نیز قریش کو طنز و تعریض کا نشانہ بنایا ہے۔

فینا الرسول وفینا الحق نتبعہ حتیٰ الممات ونصر غیر محدود

(ہمارے ہی اندر رسول ہیں اور ہمارے ہی اندر حق ہے تا مرگ اسی کی ہم اتباع کرتے ہیں' اور ہمیں ایک ایسی قوت حاصل ہے جس کا دفاع ممکن نہیں ہے)

مبارک کضیاء البدر صورتہ ما قال کان قضاء غیر مردود

(آپ ﷺ کے چہرے کی تابانی چودھویں کے چاند کے مانند ہے' آپ ﷺ کا ہر قول ایسے حکم کے درجہ میں ہے جسے رد نہیں کیا جاسکتا)

مستعصمین بحبل غیر مجذم مستحکم من حبال اللہ ممدود

(ہم ایک ایسی رسی سے وابستہ ہیں جو بے ضرر ہے' غیر منقطع ہے' مستحکم ہے اور اللہ کی رسیوں سے جڑی ہوئی ہے)

واف وماضی شہاب یستضاء بہ بدر انار علی کل الاماجید

(آپ ﷺ کی شخصیت کامل ہے کام کی تکمیل کرنے والی ہے ایسی شہاب ثاقب ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے' وہ وہ کامل ہے جو شرفاء پر طلوع ہوتا ہے)

ماضی علی الھول رکاب لماقطعوا اذا الکماۃ تحاجوا فی الصنادید

(وہ خطرناک امور کو کر گزرنے والا ہے' جسے شہ سوار چھوڑ دیتے ہیں اور زرہ پوش حضرات لشکروں میں چھپ جاتے ہیں)

حسان بن ثابتؓ کی نعتوں میں ان کا اپنا رنگ و آہنگ نمایاں ہے۔ اور سرور کونین سے ان کی گہری عقیدت مودسر اٹھائے ہوئے نظر آتی ہے۔

اغر علیہ نبوۃ خاتم من اللہ مشہود یلوح ویشہد

(ختم نبوت کی مہر آپ ﷺ کی شخصیت سے واضح ہے، جس کی شہادت اللہ کی جانب سے پیش کی گئی

ہے اور ختم نبوت کا مسئلہ ظاہر و باہر ہے)

وضم الالہ اسم النبی الیٰ اسمہ اذاقال فی الخمس المؤذن اشہد

(اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا نام اپنے نام سے جوڑ لیا ہے مؤذن پانچ وقتوں میں اس کی شہادت

کا اعتراف کرتا ہے)

وشق لہ من اسمہ لیحطہ فذو العرش محمود وہذا محمد

(اور اس نے آپ ﷺ کو اپنے نام سے اس لئے علیحدہ کیا کہ آپ ﷺ کی عظمت کو منظر عام پر لایا جا

سکے پس صاحب عرش محمود ہے تو یہ محمد ﷺ ہیں)

نبی أتانا بعد یاس وفترۃ من الرسل والاوثان فی الارض تعبد

(نبی کریم ﷺ ہمارے پاس ناامیدیوں اور رسولوں کے ایک لمبے وقفہ کے بعد تشریف لائے اور

جس وقت، دنیا میں بتوں کی پرستش ہو رہی تھی)

فامسیٰ سراجا مستنیرا وھادیا یلوح کما لاح الصیقل المھند

(آپ ﷺ ایک روشن چراغ کے مانند اور ہادی تھے یہ روشن چراغ چمکدار اور دھاری دار تلوار کی

طرح چمچما رہا ہے)

وانذ رنانارا وبشر جنۃ وعلمنا الاسلام فاللہ نحمد

(اور انھوں نے ہمیں جہنم سے ڈرایا اور جنت کی بشارت دی اور دین اسلام کی ہمیں تعلیم دی پس ہم

اللہ کے سراپا سپاس ہیں)

جس وقت آنحضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو حسانؓ پر اس کا بہت اثر ہوا' یہ ان کے لئے

ایک حادثہ جانکاہ تھا اپنے اشعار میں اپنے رنج و غم اور حزن و ملال کو پیش کیا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشعار

انھوں نے اپنے خون قلب سے رقم کیا ہے۔

بطیبۃ رسم للرسول ومعھد منیر وقد تعفو الرسوم وتہمد

(مدینہ منورہ میں رسول ﷺ کے آثار اور روشن رہنے والے مقامات ہیں جبکہ آثار نیست و نابود اور

محو ہو جاتے ہیں)

عرفت بھا رسم الرسول وعہدہ وقبرا بہ واراہ فی الترب ملحد

(مجھے مدینہ میں آپ ﷺ کے آثار اور آپ کا مقام عہد اور قبر نظر آ رہے ہیں اور قبر میں اتارنے والے مجھے اسے مٹی میں دکھایا)

ظللت بها ابكى الرسول فاسعدت   عيون و ختلاها من الجفن تسعد

(آج اس مقام پر رسول ﷺ کے لئے آنسو بہارہا ہوں چنانچہ آنکھیں اور ان کی دونوں پلکیں میرے ساتھ دے کر خوش بخت ہو رہی ہیں)

يبكون من تبكى السماوات يومه   ومن قدبكته الارض فالناس اكمد

(لوگ اس ذات اقدس پر گریہ کر رہے ہیں جس دن اس پر آسمانوں اور زمین رو رہے تھے چنانچہ لوگ تو بہت ہی مغموم ہیں)

نبينا هم فى ذلك النور اذغدا   الى نورهم سهم من الموت مقصد

(اسی اثنا میں جب کہ لوگ اس نور سے لطف اندوز ہو رہے تھے موت کا ایک تیر اس نور پر آکر لگا جو نور کو نشانہ بنائے ہوئے تھا)

فاصبح محموداً الى الله راجعا   يبكيه حق المرسلات ويحمد

(چنانچہ قابل تعریف شخصیت اللہ کی طرف پلٹ گئی برحق فرشتے اس کے لئے آنسو بہارہے تھے اور اس کی تعریف میں مشغول تھے)

ومسجد فالموحشات لفقده   خلاًله فيه مقام ومقعد

(آپ ﷺ کے اٹھ جانے سے وحشت برس رہی ہے اور مسجد کے اندر آج آپ ﷺ کے قیام اور نشست کی جگہ خالی ہے)

اس قصیدے میں باربار حسانؓ نے لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ ایک عظیم نعمت ہم لوگوں سے چھن گئی ہے' وہ اس حادثہ پر جتنا بھی نالہ و شیون کریں کم ہے' جتنا بھی آنسو بہائیں نہ بہانے کے برابر ہے اور جتنا بھی سینہ کوبی کریں وہ کم ہے آپ کے یہ جذبات مندرجہ اشعار میں ظاہر وباہر ہیں۔

فبكى رسول الله يا عين عبرة   ولا اعرفنك الدهر ومعك يجمد

(اے آنکھ اللہ کے رسول پر آنسو بہا اور زمانے میں یہ نہیں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے آنسو خشک ہو گئے ہیں)

ومالك لاتبكين ذاالنعمة التى   على الناس منها سابع يتغمد

(اے آنکھ تو اس صاحب فضل پر کیوں نہیں روتی ہو؟ جس کے فضائل میں سے فضل لوگوں پر نازل ہوتے تھے آج وہ ہم لوگوں میں نہ رہا)

فجودی علیه بالدموع واعولی　　　　لفقد الذی لامثله الدهر یوجد

(تو اس پر آنسوؤں کی جھڑی لگا دے اور تم امن کے چلے جانے پر ڈھاڑیں مار مار کر رو دَ جس کی نظیر زمانہ پیش کرنے سے قاصر ہے)

وما فقد الماضون مثل محمد　　　　ولامثله حتیٰ القیامة یفقد

(پچھلے لوگوں نے محمد ﷺ جیسی شخصیت کو نہیں کھویا اور نہ ہی ایسا بے مثال شخص تاقیامت کھویا جاسکتا ہے)

حسان بن ثابتؓ کا ایک اور قصیدہ ہے جس میں انھوں نے آپ ﷺ کی وفات سے متاثر ہو کر اپنے احساسات کو پیش کیا ہے اس قصیدہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حسان بن ثابتؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ پر کوہ الم ٹوٹا ہوا تھا ہر وقت حزن والم کی تصویر بنے ہوئے تھے اسی جان لیوا اذیت کی تصویر کشی اس قصیدہ میں موجود ہے۔

مابال عینك لاتنام کأنما　　　　کحلت ماقیها بکحل الأرمد

(کیوں تمہاری آنکھوں سے نیند اڑ گئی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنکھ کے کفاروں میں تنکوں کا سرمہ لگا دیا گیا ہو)

جزعاً علی المهدی اصبح تاویا　　　　یا خیر من وطئی الحصی لاتبعد

(اس ہادی پر جزع وفزع کرنا جو اپنے مستقل ٹھکانے پر پہنچ گیا اے کنکریوں کو پامال کرنے والی بابرکت ذات تو دور نہ جا)

وجهی یقیك الترب لهفی لیتنی　　　　غیبت قبلك فی بقیع الغرقد

(میرا چہرہ آپ ﷺ کو مٹی سے بچائے' افسوس! اے کاش میں آپ ﷺ کے جانے سے قبل ہی بقیع غرقد میں دفن کر دیا جاتا)

نوراً اضاء علی البریة کلها　　　　من یهد للنور المبارك یهتدی

(وہ ایسا نور تھا جس نے تمام مخلوق کو روشن کر دیا اس بابرکت نور کی اتباع کرنے والا ضرور ہدایت یافتہ ہوگا)

یارب فاجمعنا معاً ونبینا　　　　فی جنة تثنی عیون الحسد

(اے آقا! تو ہمیں اور ہمارے نبی کو ایک ہی جنت میں یکجا کر دے اور وہاں تک حاسدین کی نظریں نہ جاسکیں)

والله اکرمنابه وهدی به　　　انصاره فی کل ساعة مشهد

(اسی ذات سے ہم سرفراز ہوئے اور اسی سے اللہ نے اس کے انصار کو ہدایت بخشی ہر گھڑی)

صلی الا له ومن یحف بعرشه　　　والطیبون علی المبارك احمد

(اللہ تعالیٰ اس کے عرش کا احاطہ کرنے والوں اور صلحاء کی جانب سے اس بابرکت احمد پر درود و سلام نازل ہو)

آقائے نامدار ﷺ کی اس دنیا سے روانگی کے سبب مستقل حسان بن ثابت آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے رہے اور تحسر و تاسف میں نہائے ہوئے تھے، جس کا ظہور ان کے یہاں مختلف رنگ و آہنگ میں موجود ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ سرور کونین سے آپ کا بڑا گہرا رشتہ تھا۔ آپ کی غیر معمولی محبت کے تاثرات مندرجہ اشعار میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

من الذی کان یستضاء به　　　مبارك الامر ذاعدل وارشاد

(یہ وہ ذات ہے جس سے اکتساب نور کیا جاتا ہے جس کا ہر معاملہ بابرکت ہے اور جو صاحب انصاف اور مشعل ہدایت ہے)

مصد قاللنبین الالی سلفوا　　　وابذل الناس للمعروف للجاری

(وہ گزشتہ انبیاء کی تصدیق کرنے والا ہے، احسانات کرنے اور لوگوں کو عطیات دینے میں تمام لوگوں سے پیش پیش ہے)

یاافضل الناس انی کنت فی شهر　　　اصبحت منه کمثل المفرد الصادی

(اے وہ ذات جو لوگوں میں سب سے برتر ہے! میں پہلے ایک شہر میں تھا لیکن اب ایک تنہا اور پیاسے شخص کے مانند ہو گیا ہوں)

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آنحضور ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ بالکل حضرت حسان بن ثابتؓ کے مندرجہ اشعار کے مانند ہیں۔

متیٰ یبد فی الداحی البهم جبینه　　　یلح مثل مصباح الدجی المتوقد

(جب کبھی آپ ﷺ کی جبین مبارک شب دیجور میں ظاہر ہوئی تو ایسی ہی چمک رہی تھی جیسے

اندھیرے میں چراغ روشن ہو)

فمن کان او من یکون کا حمد　　　　نظام لحق او نکال لملحد

(رسول اللہ ﷺ کی طرح نہ کوئی ماضی میں تھا اور نہ آئندہ ہوگا آپ نے نظام حق برپا کیا اور ملحدین کے لئے عذاب ثابت ہوئے)

نبی کریم ﷺ کی تدفین کے دن حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں

لاد فنتم رسول فی سقط　　　　من الالوۃ والکافور منضود

(تم سب سرور کائنات ﷺ کو کافور اور تہہ بہ تہہ خوشبودار لکڑیوں کی خوشبوؤں میں دفن نہیں کرسکے)

اس کے بعد حسان بن ثابتؓ کے ان اشعار سے بحث کی گئی ہے جو فتنہ ارتداد' زبیر بن عوام' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر بن خطاب' حضرت عبداللہ بن عباس کی قوت دو صفات سے متعلق ہیں' اس کے بعد مصنف نے ان اشعار کو پیش کیا ہے جن میں ایک نجاشی شاعر ابن عفر انصاری کے خیالات کی تردید کی ہے اور اس بات کا اختتام ان اشعار پر ہوا ہے جن میں حسان بن ثابتؓ نے حارث بن معاذ کی ہجو بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ :......اس کے بعد تیرے باب کا آغاز ہوتا ہے جس میں اعظمی صاحب نے مشہور شاعر رسول عبداللہ بن رواحہ انصاری کی شخصیت اور شاعری کو موضوع بنایا ہے آپ کے اشعار میں یہ چیز بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ دفاع اسلام اور ثناء رسول میں قابل ذکر خدمات انجام دیں۔ آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے : عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امراء القیس بن عمرو ابن امرء القیس الاکبر بن مالک الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج بن حارث بن خزرج انصاری خزرجی۔ آپ کی کنیت ابو محمد ایک قول کے مطابق ابو رواحہ اور دوسرے قول کے مطابق ابو عمرو ہے آپ کی والدہ کا شجرۂ نسب یوں ہے :کبشہ بنت واقد بن عمرو بن اطنابہ۔ آپ کا شمار ایسے شعراء میں سر فہرست ہوتا ہے جنھوں نے حبیب کبریا ﷺ کے مصائب کو دور کرنے میں شب و روز ایک کر دیئے نیز رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی شاعری کے ساتھ ساتھ اپنے تقدس کو وقف کر دیا کفار عرب کی ہجو کرنے میں پیش پیش رہے۔ اور ان شعراء کا تعاقب کیا جو ملت اسلامیہ کی برائیاں بیان کر رہے تھے اور نہایت برے طریقے سے ان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔

عبداللہ بن رواحہ سریع الحسن اور اعلیٰ اقدار کے حامل شاعر تھے' وہ فی البدیہہ اشعار کہتے' ہشام بن عروہ نے اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ عبداللہ بن رواحہ سے زیادہ جری اور برجستہ اشعار

کہنے والا شاعر میری نظر سے نہیں گزرا۔ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ نے حالات کے مطابق ان سے فرمایا کہ میں اس وقت تمہیں شعر کہتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ وہ اسی وقت اپنی جگہ سے اٹھ کر صفات رسول میں رطب اللسان ہو گئے۔

انی تفرست فیك الخیر اعرفه   والله یعلم ان ماخاننی البصر

(مجھے آپ ﷺ کے اندر علامت خیر نظر آرہی ہے اسی بنیاد پر میں نے آپ ﷺ کی شناخت کی، خدا مجھے معلوم ہے کہ میری نظر نے مجھے چوکہ نہیں دیا ہے)

انت النبی ومن یحرم شفاعته   یوم الحساب لقد ازری به القدر

(آپ ﷺ نبی ہیں اور جو شخص قیامت کے روز آپ ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے حق کو کم کر دیں گے)

فثبت الله ما اتاك من حسن   تثبیت موسی ونصراً کالذی نصروا

(اللہ نے آپ ﷺ کو جو خوبیاں عطا کی تھیں ان میں آپ ﷺ کو حضرت موسیٰ جیسا اثبات عطا کیا، اور اس شخص کے مانند آپ ﷺ کی مدد کی جیسا کہ ان لوگوں کی مدد کی)

ان اشعار کی سماعت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں اثبات و استقلال بخشے، ہشام بن عروہ کا خیال ہے کہ واقعۃً اللہ نے انھیں زبر دست ثابت قدمی عطا کی آپ کو شہادت نصیب ہوئی اور آپ کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے۔

ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "الاصابہ" میں رقمطراز ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ نے جتنے اشعار مدح رسول میں پیش کئے ہیں ان میں سب سے عمدہ شعر یہ ہے۔

لو لم تکن فیه آیات مبینة   کانت بدیهته تنبیك بالخیر

(اگر یہ آیات بینات اس کی شہادت کے لئے نہ نازل ہوتیں تو اچانک اس کے ظہور کی خبر ایک روز تم کو معلوم ہوتی)

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں مقام "عمرۃ القضاء" میں داخل ہو رہے تھے تو آپ ﷺ کے حضور ابن رواحہ بھی تھے اور یہ اشعار نغمہ ریز تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیله   خلوا فکل الخیر فی رسوله

(اے کفار کی اولاد! آپ ﷺ کے راستہ سے ہٹ جاؤ اور دور ہو جاؤ اور جان لو کہ تمام خیر آپ ﷺ

کی ذات میں ہے)

ضربا یزیل السهام عن مقیله ویذ هل الخلیل عن خلیله

(ایسی تلوار سے وار کریں گے جو کھوپڑی کو اس کی خوابگاہ سے الگ کر دے گی اور دوست کو دوست سے الگ کر دے گی)

ان اشعار کو سنتے ہی حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ ابن رواحہ! کیا تمہیں یہ خیال نہیں کہ تم اس وقت حدود حرم میں ہو اور خود سرور کائنات ﷺ کے حضور تم موجود ہو اور یہ اشعار کہہ رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمر اس وقت تم اس کے درمیان میں مت آؤ میں یہ بات خالق کائنات کے حوالے سے کہہ رہا ہوں کہ ابن رواحہ کا کلام کفار و مشرکین کے حق میں تیر کھانے سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے۔

جاہلی شعراء کے مابین بھی آپ کو ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی اور اپنی قوم بنی حارث بن خزرج میں انھیں ایک بلند پایہ سردار کی حیثیت سے جانا جاتا' آپ کی قوم کو آپ کی شاعرانہ صلاحیت پر ناز تھا نیز آپ کی شاعری کے سبب ان کے عز و شرف میں اضافہ ہوا' قیس بن خطیم سے آپ کی شاعرانہ چشمک تھی۔ آپ کے قبیلہ خزرج سے جل قبائل کی جنگ رہی آپ نے اپنی شاعری میں ان کی اور خصوصاً قبیلہ اوس کی خوب خوب ہجویاں کی۔

عبداللہ بن رواحہ نے بیعت عقبہ سے قبل اپنی قوم کے ساتھ اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد پوری طرح سے دین اسلام کے دفاع میں مشغول ہو گئے چنانچہ ان کی ہجو حسان بن ثابت کی ہجو کے مقابلے میں مشرکین کے لئے سخت ترین ثابت ہوئی ایک روایت میں ان کے اسلام و ایمان کے متعلق آتا ہے کہ جب کوئی صحابی عبداللہ بن رواحہ سے ملتے تو فرماتے کہ "آئیے ایک لمحہ اپنے رب پر ایمان کو تازہ کر لیں" ابو درداء کا شمار ان لوگوں میں سے ہے جو ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے نیز ان کی تعریف کیا کرتے' وہ ہر وقت ان کا ذکر کرتے اور ان سے خیر کی بشارت حاصل کیا کرتے یہ دونوں حضرات جب کبھی مل جاتے تو ذکر خداوندی' تجدید ایمان اور دلوں میں تقویت ایمان کی مجالس کا انعقاد کرتے ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسے دن سے دوچار نہ ہوں جس دن میں عبداللہ بن رواحہ کا ذکر نہ کر سکوں وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مجھ سے آگے سے آتے ہوئے ملتے تو میری چھاتی پر ہاتھ مارتے اور اگر پیچھے سے آتے ہوئے ملتے تو کاندھوں پر ہاتھ مارتے' پھر مڑ جاتے کہ یا عویمر! کچھ دیر بیٹھو ایمان کو تازہ کر لیا جائے۔ کچھ وقت طبیعت کے مطابق ذکر الٰہی میں لگا دیا جائے آخر میں فرماتے اے عویمر! یہ ایمان کی مجالس ہیں

آنحضور ﷺ کو ان کی محبت الٰہی ان کے ایمان کی گہرائی اور تجدید ایمان کے سلسلہ کا خوبی علوم تھا آپ کے زہد وورع اطاعت الٰہی اور تعلق رسول سے متعلق اور بہت سی روایات اعظمی صاحب نے نقل کی ہیں لیکن خوف طوالت سے اسے قلم انداز کیا جارہا ہے۔

عبداللہ بن رواحہ نے حسان بن ثابت کی طرح دفاع اسلام کے باب میں صرف اپنی شاعری ہی سے کام نہیں لیا بلکہ بنفس نفیس اسلامی جنگوں میں حصہ لیا اور سرورکائنات ﷺ کے ساتھ جہاد میں شامل ہوئے وہ فی سبیل اللہ شہادت کے متمنی تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تمام تر توجہ دشمنان اسلام سے جنگ لڑنے میں مرکوز کی چنانچہ وہ جنگ بدر' احد، خندق، حدیبیہ' خیبر اور عمر قضاہ میں موجود ہے اور آنحضور ﷺ کے ساتھ تمام جنگوں کا مشاہدہ کررہے تھے۔ غزوۂ موتہ میں اسلامی فوج کی قیادت انہی کے ہاتھوں تھی اور اسی میں انھیں جام شہادت نوش کرنا پڑا آگے ندوی صاحب نے بتایا کہ عبداللہ بن رواحہ اور مقداد کے مابین حضور اکرم ﷺ سے رشتہ مواخاۃ قائم کیا۔ جنگ بدر اور جنگ احد کے حوالے سے بھی عبداللہ بن رواحہ کی خدمات کا ذکر کیا ہے جنگ خندق کے موقع پر آنحضور ﷺ جنگی سرنگوں کے کھودنے میں لگے ہوتے تھے اور مٹی میں اٹے ہوئے تھے۔ انہی حالات میں عبداللہ بن رواحہ کے درج ذیل (جزیہ اشعار گنگنارہے تھے۔

اللھم لو لا انت ما اھتدینا

ولا تصدقنا ولا صلینا

(اے پروردگار! اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو ہم راہ ہدایت نہ پاتے نہ ہی ہم تصدیق کرتے اور نہ ہی ہم نماز پڑھتے)

فائزلن سکینہ علینا

وثبت الاقدام ان لاقینا

(پس نمازوں نے ہمیں سکینت عطا کی اور اے پروردگار! دشمنوں سے ملاقات کے وقت تو ہمارے قدموں میں استقلال پیدا کردے)

ان لالی قد جغوا علینا

وان ارادو افتنۃ ابینا

(بیشک نعمتیں ہم پر وارد ہوئیں جب کہ ہمارے آباؤاجداد نے ہمیں جتلا دیکھنا چاہا)

آنحضور ﷺ کے بار بار مذکورہ اشعار کے دہرانے کی وجہ سے مسلمانوں میں جوش وجذبہ پیدا ہو جاتا اور بغیر کسی تکان کے اپنے کاموں میں جٹے ہوئے رہتے۔ اس باب میں عبداللہ بن رواحہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سمیٹتے ہوتے بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ انھوں نے مختلف مواقع پر ملت اسلامیہ کی حمایت' دین اسلام کے تحفظ اور ثناء رسول کے لئے تھے قصائد کہے آپ کے اشعار میں غیر معمولی تاثیر اور دین اسلام

سے گہری عقیدت موجود ہوتی۔ لیکن اس طرح کے اشعار کی تعداد بہت کم اس لئے ہے کہ وہ برابر دعوت توحید اور اسلامی جہاد میں مصروف رہتے یہی وجہ ہے کہ وہ فراغت کے ساتھ اسلامی شاعری پر اپنی توجہ کو مرکوزنہ کر سکے عبداللہ بن رواحہ نے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ اور نافع بن بدیل کی شہادت سے متاثر ہو کر جو اشعار کہے ان میں اسلامی آن بان نمایاں نظر آتی ہے اب کچھ اشعار ایسے نقل کیے جارہے ہیں جن میں پیغمبر خاتم کی ذات وصفات کو پیش کیا گیا ہے۔

نجالد الناس عن عرض فنا سرهم　　فينا النبی وفينا تنزل السور

(عزت وناموس کی خاطر ہم کفار سے جنگ کرتے ہیں اور انھیں قید کر لیتے ہیں ہمارے درمیان نبی ہیں اور ہمارے مابین سورتیں نازل ہوتی ہے)

وقد علمتم باناليس غا لبنا　　حی من الناس ان عزواوان كثروا

(اور تمہیں خوبی معلوم ہے کہ کوئی قبیلہ ہم پر غالب ہونے والا نہیں ہے' اگرچہ وہ کتنا ہی طاقت ور اور تعداد میں زیادہ ہو)

یاهاشم الخير ان الله فضلكم　　علی البريۂ فضلا ماله غير

(اے قبیلہ ہاشم کے خیر وبرکت کے حامل شخص! یقیناً اللہ نے تمام مخلوق پر تم کو وہ فضیلت عطا کی ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں)

ایک شعر میں آپ ﷺ کی عظمت شان کو اس اسلوب میں پیش کیا گیا۔

انت النبی ومن يحرم شفاعته　　يوم الحساب فقد أزری به القدر

(آپ ﷺ نبی ہیں اور جو آپ ﷺ کی شفاعت سے روز قیامت محروم ہو گا اللہ اس کے حق میں کمی کر دے گا)

ایک بار عبداللہ بن رواحہ کی بیوی ان سے اس لئے ناراض ہو گئیں کہ انھوں نے رات کسی لونڈی کے ساتھ گزاری لیکن عبداللہ نے اس کی تردید کی اور اسی مناسبت سے مندرجہ اشعار پڑھے جن میں سرور کائنات ﷺ کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

وفينا رسول الله يتلو كتابه　　اذا انشق معروف من الصبح ساطع

(اور ہم میں اللہ کے رسول ہیں جو کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں' جب صبح اپنی روشن نشانیوں کے ساتھ طلوع ہوتی ہے)

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا　　　به موقنات ان ماقال واقع

(گمراہی کے بعد اس نے ہمیں ہدایت سے روشناس کیا پس ہمارے دلوں میں اس کا پکا یقین ہے کہ اس کا کہا ہوا واقع ہو کر رہے گا)

يبيت يحافي جنبه عن فراشه　　　اذا استقلت بالكافرين المضاجع

(اپنے بستر سے اپنے پہلو کو علیحدہ کر کے بیدار رہتا ہے، جب کفار کی جانب سے ملنے والی تکالیف اسے زیر کر دیتی ہیں)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کے ساتھ ان کی مدد کے لئے نکلے۔ لیکن کچھ دور چلنے کے بعد انھیں الوداع کہہ کر واپس لوٹ آئے اس موقع کی منظر کشی عبداللہ بن رواحہ نے اس طرح کی ہے۔

خلف السلام على امرء ودعته　　　في النخل خير مشيع وخليل

(خداوند قدوس نے اس عظیم شخصیت پر سلامتی نازل کی ہے جس سے تم نخلستان میں جدا ہوئے ہو۔ یقیناً وہ اچھی شفاعت کرنے والا ہے اور بہترین دوست ہے)

حضرت کعب بن زہیر: ......اس کتاب کا چوتھا اور آخری باب کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ کی شاعری سے متعلق ہے۔ ادب مخضرم کی تاریخ میں آپ سرخیل کے مانند ہیں قدیم عربی شاعری میں آپ کے خاندان کا ایک بہت نمایاں مقام رہا ہے اس خاندان کے شعراء کو میدان شاعری میں جو عزت و شہرت نصیب ہوئی وہ اس وقت کے شعراء کو نہ مل سکی آپ کے والد زہیر دور جاہلی کے نمائندہ شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں آپ اصحاب معلقات میں اپنی فنی خوبیوں کے سبب منفرد نظر آتے ہیں حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کی گئی کہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ تم اپنے سب سے عظیم شاعر کی شاعری پیش کرو تو ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ آخر ہے کون؟ آپ نے فرمایا "زہیر" دوبارہ سوال کیا گیا کہ وہ کیوں بڑے شاعر ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس لئے کہ ان کے اشعار میں تعقید اور پیچیدگی نہیں ہے نہ ہی وہ اپنے اشعار میں وحشت زدہ کلام پیش کرتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کی بلاوجہ تعریف کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

اذا ابتدت قيس بن غيلان غاية　　　من المجدمن يسبق اليها يسود

(جب تم مجد و شرافت کی غایت تک پہنچنے میں قیس بن غیلان سے سبقت لے گئے جو شخص شرافت میں سبقت کرے گا وہی قائد ہوگا)

سبقت اليها كل طلق مبرز　　　سبوق الى الغايات غير مخلد

(غایت شرافت تک پہنچنے میں ہیں ہر تیز رفتار اور اس برق رفتار نوجوان گھوڑے سے سبقت لے گیا جو مستقل غایتوں کا چکر لگاتا ہے)

مضامین کے تنوع کے لحاظ سے کعب بن زہیر کو اپنے والد پر فوقیت حاصل تھی' فی البدیہہ اشعار کہنے میں بھی اپنے والد سے کہیں پیش پیش تھے' شعر و شاعری کعب بن زہیر کے گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور یہ سلسلہ شاعری ان کے خاندان میں موروثی چلا آرہا تھا چنانچہ ان کے والد زہیر ان کے دادا ابو سلمیٰ' ان کے دونوں چچی سلمیٰ اور خنساء ان کے والد کے ماموں بشامہ بن عزیر ان کی چچی تماضر کے دونوں بیٹے اور ان کے بھائی صحرہ ان کی بیٹی سلمیٰ کے دونوں بیٹے عوتبال اور قریض ان کے بھائی جبیرہ ان کے لڑکے عقبہ اور دادے عوام بن عقبہ سب کے سب شاعر تھے۔ حضرت کعبؓ کے مفاہیم و معانی میں جدت ہوا کرتی تھی جب وہ اپنی شاعری میں کئی نادر مفہوم کو پیش کرتے تو شعراء اسے لے اڑتے' جیسا کہ ذوالرمہ اور طرماح بن حکیم کی شاعری میں حضرت کعبؓ کے خیالات کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے حضرت کعبؓ کے دور جاہلی میں کہے گئے بہت سے اشعار کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا کہ وہ جاہلی شعراء کے مابین امتیازی اور انفرادی شخصیت کے حامل تھے۔

حضرت کعبؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل ان کے بھائی جبیر بن زہیر نے بعثت رسول کے بعد اسلام قبول کیا اور واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ قوم کے بعض افراد نے ان کی مخالفت کی لیکن اکثریت نے اس دعوت پر بڑھ کر لبیک کہا۔ اعظمی صاحب نے ان کے اشعار سے بھی قدرے بحث کی ہے' یہ اشعار ان کی اسلام سے گہری محبت کا پتہ دیتے ہیں ان اشعار میں ہمارے نبی ﷺ کا ذکر بھی آیا ہے۔

واعطینا رسول اللہ منا موائیق علی حسن التصافی

(اور ہم نے اپنی جانب سے صاف دلی کے ساتھ اللہ کے رسول سے عہد کیئے)

زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے لڑکوں کو وصیت کر دی تھی کہ میرے انتقال کے بعد نبی آخر الزمان کا ظہور ہوگا تم لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لانا یہی وجہ ہے کہ بعثت رسول کے بعد ان کے بیٹے مدینہ میں آپ ﷺ کے حضور حاضر ہوئے۔ آپ کا اچھے مسلمانوں میں شمار ہوتا۔ فتح مکہ کے روز وہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے جنگ خیبر اور جنگ حنین میں بھی حاضر رہے۔

ہجرت کے آٹھ سال کے بعد حضرت کعبؓ مشرف باسلام ہوئے جس وقت آنحضور ﷺ غزوۂ طائف سے واپس لوٹے تھے اسی ملاقات میں انھوں نے آپ ﷺ کی شان میں کہا گیا قصیدہ بھی آپ ﷺ

کے حضور پیش کیا جس کے مطلع کا پہلا مصرع یوں ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم مقبول

حضرت کعب بن زہیر کی قبولیت اسلام کے سلسلے میں قدرے فرق کے ساتھ اور بھی بہت سی روایات ہیں جنھیں مصنف نے نقل کی ہیں اس کے بعد ان کے ایک طویل قصیدہ کا ذکر ہے جس میں انھوں نے دین اسلام کے سلسلے میں انصار کی خدمات کا اعتراف کیا ہے یہاں پر ان کے مشہور قصیدہ "بانت سعاد" کے چند اشعار پیش کئے جا رہے ہیں جس سے ایک طرف جہاں یہ معلوم ہوگا کہ ذات رسول سے انھیں گہری عقیدت وانسیت تھی وہیں یہ بات بھی کھل کر سامنے آجائے گی کہ وہ شعر وشاعری کی کن رفعتوں پر فائز ہیں۔

نبئت ان رسول الله اوعدنی   والعفو عند رسول الله مامول

(مجھے رسول اللہ ﷺ کی دھمکی سے آگاہ کیا گیا اور رسول اللہ کے دربار سے عفو درگزر ہی کی امید کی جاتی ہے)

منه تظل سباع الجو نافرة   ولا تمشی بوادیه الأراجیل

(اس ذات عالیہ سے وادی جو کے درندے بھی بھاگتے ہیں اور پیادہ پا مسافر اس کی وادیوں میں سکون سے چلتے ہیں)

ولا یزال بوادیه اخو ثقه   مضرج النرو الدسان ماکول

(اور جب بھی کوئی بہادر اس کے حدود سے گزرے گا اس کے کپڑے خون میں لت پت ہو جائیں گے اور ہتھیار برباد کر دیئے جائیں گے)

ان الرسول لنور یستضاء به   مهند من سیوف الله سلول

(بیشک رسول اللہ ﷺ ایک ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہیں اللہ کی تلواروں میں سے ایک برہنہ تلوار ہیں)

فی عصبة من قریش قال قائلهم   ببطن مكة لما اسلموا زولوا

(قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے ان سے ان کے اسلام لانے کے بعد وادی مکہ میں کہا کہ (مدینہ) ہجرت کر چلو)

زالوا فما زال انکاس ولا کشف   عند اللقاؤ لاحیل معازیل

(وہ ہجرت کر کے گئے تو مقابلہ کے وقت کمزور اور بے ڈھال' بے تلوار اور بے ہتھیار قسم کے لوگ نہ تھے)

شم العرانین ابطال' لبوسھم　　　من نسیج داؤد فی الھیجا مسرابیل

(یہ مہاجرین اونچی ناک والے اور بہادر ہیں اور جنگوں میں حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں کی بنی ہوئی زرہوں کو پہنے ہوئے ہیں)

بیض سوابغ قدشکت لھا حلق　　　کانھا حلق القفعاء مجدول

(یہ زرہیں چمکدار اور لمبی ہیں اور ان کے حلقے بالکل جڑے ہوئے ہیں اور یہ حلقے کے حلقوں کے مانند پائیدار ہیں)

یسو مفاریح ان ثالت د ماحھم　　　قوماً ویسوا مجازلعااذا یتلوا

(یہ مہاجرین ایسے نہیں کہ کسی قوم پر غالب آجائیں تو اکڑ بھوں مارنے لگیں اور نہ ہی ایسے کہ مغلوب ہونے کے بعد جزع وفزع شروع کردیں)

یمشون مشی الجمال الزھر تعصمھم　　　ضرب اذاعرد السود التنابیل

(یہ خوبصورت اونٹوں کے مانند وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور ان کی تلواریں سیاہ اور پستہ قد لوگوں کے لئے محافظ بن جاتی ہیں جس وقت وہ میدان چھوڑ کر بھاگتے ہیں)

لایقع الطعق الافی نحورھم　　　ومالھم عن حیاض الموت تھلیل

(نیزے صرف ان کے سینوں پر پڑتے ہیں اور موت کے مونہوں میں غوطہ زنی سے ڈر کر واپس نہیں آتے)

اس باب کے اخیر میں چند اور قصائد مصنف نے نقل کئے ہیں جو مدائح نبویہ کے ضمن میں نہیں آتے ہیں ایک قصیدہ انھوں نے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان کے لئے کہا اور ایک قصیدہ میں انھوں نے حضرت علیؓ کی ذات وصفات کو بیان کیا لیکن کچھ لوگوں کو اس سے اختلاف ہے کہ یہ قصیدہ حضرت کعبؓ کا نہیں ہے ایک قصیدہ انھوں نے والد کے انتقال سے متاثر ہو کر کہا جو حد درجہ مالدار تھے اور پر تعیش زندگی بسر کیا کرتے تھے' چنانچہ والد کے انتقال کے بعد حضرت کعبؓ کو فقر وفاقہ سے دوچار ہونا پڑا' آپ کی کسمپرسی اور عشرت کی وجہ سے آپ کی بیوی آپ کو لعنت وملامت کیا کرتی تھی بلاغت وفصاحت کے لحاظ سے یہ قصیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اب آخر میں چند باتیں اس مقالہ کے سلسلے میں کہنا چاہوں گا۔ ایک تو یہ کہ مقالہ کی ترتیب میں بنیادی مراجع و مصادر سے کام لیا گیا ہے جو ایک قابل تعریف عمل ہے لیکن عہدِ جدید میں ان شعراء پر اور بہت سی تصانیف آچکی ہیں' ان سے اس مقالہ میں استفادہ نہیں کیا گیا دوسرے ایک چیز قارئین اس مقالہ میں ضرور محسوس کریں گے کہ کسی روایت سے صرف ایک چیز لینی ہے لیکن اس روایت کو اعظمی صاحب پورا کا پورا نقل کرتے ہیں پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ شعراء رسول سے متعلق روایات کو یکجا کر دیا گیا ہو روایات کی روشنی میں تحقیق و تنقید اور تحلیل و تجزیہ نام کی کوئی چیز نہیں ملتی مباحث کتاب میں انتشار وافتراق نظر آتا ہے مثلاً جنگ بدر کے حوالے سے حضرت حسان بن ثابت شاعری کا جائزہ لینا ہے یا ان کی دورِ جاہلی کی شاعری پر تبصرہ کرنا ہے تو ان کے لئے ایک ایک عنوان قائم کرنا چاہئے لیکن کتاب میں اس طرح کی ترتیب نہیں پائی جاتی حضرت حسان کی جاہلی شاعری کا ذکر مختلف عنادین کے تحت کیا گیا ہے اسی طرح ان کے جنگ احد یا جنگ بدر سے متعلقہ قصائد کو ایک جگہ ذکر کرنے کی جائے مختلف جگہوں پر ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ سے قارئین خلط مبحث کے شکار ہو جاتے ہیں۔

اس کتاب میں اعظمی نے حواشی پر بڑی توجہ اور محنت صرف کی ہے اشعار میں بہت سے الفاظ تفسیر وتوضیح کے متقاضی ہیں چنانچہ الفاظ کے معانی کے تعین میں انھوں نے بڑی عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے۔ تعلقات اور حواشی ہی اس کتاب کی جان ہیں۔

مصادر کی فہرست کی تیاری میں صرف کتاب اور صاحب کتاب کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ علم و تحقیق کی دنیا میں اتنا نا کافی ہے دوسرے ایک کمی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ اماکن اور اعلام کی فہرست بھی ہونی چاہیے تھی' اس سے شائقین علم کے لیے کافی سہولت ہو جاتی ہے اور یہ تو ندوۃ العلماء کی خاص چیز ہے۔ مولانا علی میاں ندوی مدظلہ تعالیٰ کی تمام کتب میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

پروفیسر آفاق صدیقی

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری

ایک تحقیقی جائزہ

اردو کی نعتیہ شاعری اب ہماری تاریخ ادب کا ایک انتہائی روشن باب ہی نہیں بلکہ بجائے خود ایسی تاریخ ہے جس کی اہمیت و افادیت میں نوبہ نو قابل قدر اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً تحقیقی شعبے میں جو تصانیف منظر عام پر آرہی ہیں ان سے عصر حاضر کے نعت گو شعراء اور نعتیہ کلام سے مستفیض ہونے والوں کو بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

نعت گوئی پر پاکستان میں جو وقیع تصانیف اور نعت رنگ جیسے جریدے شائع ہو رہے ہیں وہ تو اکثر و بیشتر ہمارے مطالعے میں آتے رہتے ہیں مگر ہمسایہ ملک یعنی بھارت میں جو کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس سے ذرا کم ہی واقفیت ہو پاتی ہے۔ خدا کرے یہ محرومی جلد ختم ہو۔

حال ہی میں یو۔پی کے شہر کانپور کی یونیورسٹی سے ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے حضرت مولانا احمد رضا بریلویؒ کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ایچ۔ڈی ہونے کا اعزاز حاصل کیا اور یہ لائق تحسین مقالہ ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں منظر عام پر آ گیا ہے۔

ڈاکٹر سراج احمد بستوی یو۔پی کے ضلع بستی سے تعلق رکھتے ہیں ذریعہ معاش محکمہ پولیس کی ملازمت ہے۔ علم و ادب کے ذوق و شوق کا یہ عالم کہ درسِ نظامیہ کے فاضل، فارسی میں کامل، اردو میں ایم۔اے اور اب پی۔ایچ۔ڈی۔

ڈاکٹر سراج اپنے تحقیقی کام کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”حضرت مولانا احمد رضا بریلویؒ کی نعتیہ شاعری پر تحقیقی کام کا موضوع مجھ کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ملا تھا۔“

ناگزیر وجوہ کی بناء پر یہ تحقیقی مقالہ کانپور یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی حدود میں آیا اور صدر شعبہ اردو و پرنسپل حلیم پوسٹ گریجویٹ کالج کانپور، پروفیسر سید ابوالحسنات حقی کی رہنمائی میں لکھا گیا۔

مقالہ نگار نے اپنے تحقیقی مقالہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا بیان کیا گیا اور اس سلسلے میں نہ صرف اردو نعت گوئی کو نظر میں رکھا بلکہ عربی، فارسی اور کئی دوسری

مشرقی و مغربی زبانوں کے نعتیہ کلام پر بھی روشنی ڈالی گئی۔

دوسرے حصے میں حضرت رضا بریلوی کی سوانح حیات اور نعت گوئی پر تفصیلی تحریریں شامل ہیں اور یہی حصہ کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ غالباً اس لیے کہ اگر پورا مقالہ شائع کیا جاتا تو کتاب کی ضخامت ہزار بارہ سو صفحات تک پہنچتی۔ بہر کیف موضوع کے اعتبار سے یہ تحقیقی تصنیف بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

ڈاکٹر سراج نے اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں سوانحی کوائف ہیں مگر اس اہتمام کے ساتھ کہ پورے باب کو چار ذیلی حصوں میں بانٹا ہے شجرۂ نسب، خاندانی حالات، ولادت کی بشارت، پیش گوئیاں، اسم گرامی، عہد طفلی، شادی، حج وزیارت تصانیف، فتویٰ نویسی، شاعری اور ایسے ہی کئی دوسرے متعلقہ موضوعات پر پہلے حصے میں تمام ضروری معلومات کو سلیقے سے یکجا کیا ہے۔ دوسرے حصے میں اساتذہ کرام اور کسب علم کا مکمل نقشہ اور رسم بسم اللہ خوانی کا تذکرہ ہے۔ تیسرے حصے میں مخصوص احباب نعت گوئی کی ابتدا اور اس سے خصوصی شغف کے سلسلے کی باتیں ہیں۔ ان باتوں میں مولانا وصی احمد محدث سورتیؒ، مولانا عبدالقادر بدایونیؒ، مولانا عبدالسلام جبلپوریؒ، مولانا سید نعیم الدین مراد آبادیؒ اور مولانا سید سلیمان اشرف بہاریؒ کا تذکرہ اور احباب گرامی کی تصانیف کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ چوتھے حصے میں مولانا احمد رضا بریلوی کی علمی ادبی اور سیاسی خدمات کا تجزیہ ہے اور اس بارے میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، ترجمۂ قرآن، علم سائنس، علم ریاضی اور علم نجوم سے مولانا کو جو دلچسپی رہی اس حوالے سے سیر حاصل بیانیہ قاری کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ہمہ جہت عالم دین تھے۔ علاوہ ازیں موصوف کی ادبی خدمات اور سیاسی خدمات کا احاطہ بھی بڑا اثر آفریں ہے۔ مثلاً ادبی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے مقالہ نگار نے لکھا ہے ''مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی ادبی خدمات کا دائرہ بہت ہی اہم اور وسیع ہے وہ مختلف اصناف ادب کے صاحب طرز اور صاحب اسلوب شاعر، ادیب اور نثار و نقاد تھے۔''

کتاب کا دوسرا باب نعت گوئی کے فن اور اس فن میں فنی خصوصیات و لوازمات کے ذکر و اذکار سے عبارت ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ اور کئی دوسرے اہل قلم کی نگارشات کے اقتباسات بھی مصنف نے اس غرض سے پیش کیے ہیں کہ نعت گوئی کی نزاکتوں کا احساس پیدا ہو سکے۔ مثلاً مولانا موصوف فرماتے ہیں ''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔''

نعت گوئی کے لیے کیا احتیاط لازم ہے اس احتیاط کو حدود شرع اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کی پاسداری

سے مشروط رہنا چاہیے مگر کتاب مذکور کے مصنف نے کئی ممتاز شعراء کے ایسے اشعار لکھ دیے ہیں جن میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ مثلاً

محمد ﷺ نے خدائی کی خدا نے مصطفائی کی

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے

جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد ﷺ سے

یہ اور ایسے ہی دیگر اشعار سے مصنف نے یہ باور کرایا ہے کہ بڑے نامی گرامی شعراء بھی توحید ورسالت کی شرعی حدود کا لحاظ نہیں رکھتے۔ مصنف نے نعت کی ہیئت اور ساخت کے بارے میں ڈاکٹر ابو محمد سحر کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کیا ہے جو میں سمجھتا ہوں فنی اعتبار سے جامع ہے۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں۔ ”نعت کی کوئی مستقل ساخت نہیں بلکہ اردو میں مروجہ جملہ اصناف سخن کی ساخت میں کہی جاتی ہے۔ نعت ابتدا میں قصیدہ کی شکل میں کہی جاتی تھی وجہ یہ کہ عربی کی شاعری میں جہاں نعت کی پیدائش ہوئی ہے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے قصیدے کی شکل مروج تھی۔“

ہیئت اور ساخت کے سلسلے میں ڈاکٹر سراج نے نعت کو آفاقی صنف سخن قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر احتشام حسن اور ڈاکٹر ریاض مجید وغیرہ کی نگارشات کے حوالے بھی دیے ہیں پھر اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کے نعتیہ کلام سے غزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی اور مثنوی جیسی اصناف شعری کی ہیئتوں میں خوبصورت مثالیں رقم کی ہیں مثال کے طور پر یہ رباعی ۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ   ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں   ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

نعت کہنے کے لیے ضمائر کا استعمال بھی کثرت سے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری اور کچھ دوسرے اہل قلم کے حوالے سے اس بات پر زور دیا ہے کہ ”تو“ اور ”تم“ جیسے ضمیر کا استعمال ذوق صحیح پر جو شریعت کا بھی رہین منت ہے کسی قدر گراں گزرتا ہے اگر چاہیں تو اس کی جگہ ضمیر غائب کے الفاظ یعنی ”وہ“ اور ”ان“ استعمال ہو سکتے ہیں۔ واحد حاضر کے لیے کم از کم ”آپ“ کا لفظ آسکتا ہے۔

بات معقول ہے اور دل کو لگتی بھی ہے مگر حضرت احمد رضا بریلویؒ نے تو، تری، تمہارے تم اور تجھ

جیسے ضمیر استعمال کیے ہیں البتہ ڈاکٹر سراج کا یہ کہنا اس حقیقت کا جواز ہے کہ "حضرت رضا بریلوی نے اپنی نعتوں میں کثرت کے ساتھ ضمائر کا استعمال کیا ہے مگر بڑے ہی حسن و خوبی اور سلیقے سے کہیں بھی اس کے مرجع کے تعین میں کسی طرح کی کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔"

اس سلسلے میں کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں مثلاً

تری تعریف میں جتنا بھی ہیں سب تجھ کو شایاں ہے

فقط اک ماروا یہ ہے کہ یوں کہیے خدا تو ہے

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن وادا کی قسم

شاعری میں تخیل کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اسی خیال سے ڈاکٹر سراج نے "خیال آوری" کے موضوع پر حضرت رضا بریلوی کے نعتیہ کلام سے روشن مثالیں پیش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "نعت گوئی میں خیال آوری، مضمون آفرینی، جدت و ندرت، علوے فکر اور تنوع، شکوہ الفاظ کے دروبست، بندش و چستی، طرز ادا کی بے ساختگی و نیرنگی یہ ساری چیزیں احتیاط کی پابند ہیں۔"

حضرت مولانا احمد رضا بریلوی نہ صرف بلند پایہ عالم دین اور باکمال و صاحب دل شاعر تھے بلکہ علم ہیئت و نجوم اور کئی دیگر علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان علوم کا اثر موصوف کی نعت گوئی میں بھی نمایاں ہے جو خیال آواری کی بڑی اچھوتی سی نیرنگیاں دکھاتا ہے خصوصاً وہ قصیدہ جو حضرت نے علم ہیئت و نجوم کی اصطلاح میں لکھا اور جس کی مشکل پسندی کا اعتراف ممتاز اہل سخن اور نعتیہ شاعری کے محققین نے بھی کیا ہے۔

یہ قصیدہ ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے اور ابتدائیہ کچھ یوں ہے۔

خالقِ افلاک نے طرفہ کھلائے چمن اک گل سوسن میں ہیں لاکھوں گل یاسمن

اس قصیدے کے کچھ اشعار کی لغوی معنویت اور تشریح پر مصنف نے خاصی جگر کاری کا ثبوت دیا ہے قصیدے میں تشبیب جتنی جمال آفریں ہے اتنی ہی دلکشی تمام اشعار میں نمایاں ہے مثلاً حضور ﷺ کی شان میں یہ شعر کتنا اعلیٰ و ارفع ہے۔

جانِ دو عالم نثار وہ ہے مرا تاجدار ﷺ جس کو کہیں جانِ دیں جان من ایمانِ من

کتاب کے باقی ماندہ ابواب میں فاضل بریلوی کے خصوصی حوالے سے "فن نعت گوئی" حضرت

رضا بریلوی کے عہد میں نعت گوئی کا معیار اور عام روش، نعت اور منقبت کے درمیان حد فاصل، صنائع بدائع اور علم عروض سے ماہرانہ واقفیت، زبان و بیان سے واقفیت، علاقائی بولیوں سے واقفیت، مقامی بولیوں میں نعت گوئی، قصائد و رباعیات، مثنوی اور مسدس میں نعتیہ شاعری کا جائزہ، قصائد اور ان کی تشبیب، حضرت رضا بریلوی کی طرزوں کی اتباع، نعتیہ رجحانات اور افکار و خیالات کی پذیرائی اور نعتوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ جیسے موضوعات پر اتنا تحقیقی سرمایہ مل جاتا ہے کہ ہم مولانا احمد رضا قبلہ کی شخصیت اور نعتیہ شاعری پر اگر بذات خود کوئی مقالہ لکھنا چاہیں تو ڈاکٹر سراج کی یہ کتاب ہمارے لیے معلومات کا گنجینہ ''گنج'' ثابت ہوتی ہے۔ حیثیت نعت گو حضرت رضا بریلوی کا مقام یقیناً بہت بلند ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر سراج نے کتاب کے آخری چند صفحات میں بڑی بالغ نظری سے مکمل کر کے بات کر دی ہے کہ مولانا جدید نعت گو شعراء کے پیش رو اور امام تصور کیے جاتے ہیں۔

اس کتاب کو بجا طور پر ایک تحقیقی و معنوی تصنیف کے طور پر مکمل کرنے کے لیے مصنف نے ۱۱۹ کتابوں اور جریدوں سے استفادہ کیا۔ ایک قابل تعریف کارنامہ ہے یقیناً قاری نعتیہ شاعری کی مدد سے اسے خاطر خواہ تفہیمات حاصل ہوگی۔ (انشاءاللہ)

حاصلِ مطالعہ

تبصرہ نگار : حنیف اسعدی، عزیز احسن، منصور ملتانی

نزُول

"نزول" شفیق الدین شارق مرحوم کا مجموعۂ کلام ہے کتاب میں حمدیں بھی ہیں۔ نعتیں بھی ہیں۔ رباعیات بھی ہیں۔ نظمیں بھی ہیں اور ہائیکو بھی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا کہ شارق صاحب ہر صنف سخن پر دستگاہ رکھتے تھے۔ وہ صرف ایک قادر الکلام شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک اچھے تنقید نگار بھی تھے انہوں نے زندگی بھر لکھا اور اپنے پیچھے مضامین کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا۔ زیر نظر کتاب ان کے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کے عقیدے اور عقیدت کی وضاحت کرتی ہے۔ شارق صاحب ایک طرف تو مذہب سے گہرا تعلق رکھنے کی وجہ سے اللہ و رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے والے بزرگ تھے اور دوسری طرف ادب سے گہری دلچسپی کے سبب ان کا قلم ہمہ رنگ و ہمہ جہت خصوصیات کا حامل تھا۔ ان کے کلام میں جوشِ عقیدت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اتباعِ رسول ﷺ اور اطاعت خداوندی کی طرف راغب کرنے کے واضح اشارے بھی ملتے ہیں۔ شارق مرحوم کا یہ چھوٹا سا مجموعہ کلام اپنے اندر بہت وسعت اور گہرائی رکھتا ہے ان کا ایک ایک شعر عشق کی پختگی اور عقیدت کی جدت سے بہرہ ور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں بلا کی تاثیر ہے۔

ناشر : اقلیم نعت

قیمت : ۱۰۰ روپے

ملنے کا پتا : فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار کراچی

(حنیف اسعدی)

نعت کا دریا

شاعری میں شعریت کی کمی وبیشی تو ممکن ہے لیکن آقائے نامدار کے برگزیدہ شعرائے کرام کی عقیدت مندی ہر شک وشبہ سے پاک ہے۔ شمیم متھراوی کی کتاب "نعت کا دریا" ان دنوں میرے زیر مطالعہ رہی اور میں نے یہی محسوس کیا کہ ان کی پختہ کلامی اور سادہ نگاری کے وصف سے کہیں زیادہ ان کی عقیدت کی لہر ان کے کلام میں نظر آتی ہے شمیم متھراوی سیماب اکبر آبادی کے حلقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کے استاد صبا متھراوی سیماب صاحب کے چہیتے شاگردوں میں سے تھے اس لیے شمیم متھراوی کے یہاں زبان کی صحت وصفائی۔ لہجے کی بے ساختگی اور بیان میں روانی کے اوصاف پائے جاتے ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ شمیم متھراوی جیسے محتاط شاعر کو یہ کیا سوجھی کہ صرف مشاقی کے اظہار اور زور کلام کی نمائش کی خاطر انہوں نے ایسے اشعار بھی کہہ ڈالے اور پھر انہیں شریک دیوان بھی کر لیا جو انگھڑ اور غیر مانوس الفاظ کے ذخیرے کو قافیہ پیمائی کی نذر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

کتاب فیض الاسلام پرنٹنگ پریس راولپنڈی سے شائع ہوئی ہے اور D-124 گلی نمبر 20` G6/2 اسلام آباد سے ساٹھ روپیہ ادا کر کے مل سکتی ہے۔ (حنیف اسعدی)

رشکِ بشر

تمثیل جاوید کی نعتیہ کتاب کا نام رشکِ بشر ہے سب سے پہلے مجھے اس نام نے متوجہ کیا جو مجھے اپنی معنویت کے علاوہ اپنی ندرت کی وجہ سے حد درجہ دلکش اور دل پذیر نظر آیا۔

نعتیہ شاعری کے دو اہم ستون ہیں "جوشِ عقیدت" اور "شعری معیار" اس اعتبار سے اگر تمثیل جاوید کے کلام کو دیکھا جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا کلام پختہ اور عقیدت پختہ تر ہے۔ نہ ان کی شاعری رواروی کی شاعری ہے نہ ان کی عقیدت رسمی وروایتی ہے۔ حضور ﷺ سے ان کی قلبی وابستگی ان کے ایک ایک شعر سے مترشح ہے۔ان کا کلام واردات قلبی کا نمونہ اور ان کا کلام اپنے آقا سے محوِ کلام ہونے کی سرشاری ہے۔ان کی نعتوں میں ایک نوع کا والہانہ پن ہے جو بغیر حب نبی ﷺ ممکن نہیں۔

تمثیل جاوید ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں اور ادب سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ان کی طبع رواں نظم ونثر دونوں اصناف پر حاوی ہے۔ وہ انشاء پرداز بھی ہیں،افسانہ نگار بھی۔ نظم نگار بھی،غزل گو بھی اور حمد ونعت

نگار بھی۔ دین و دنیا کے معاملات میں ایسا توازن کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کے یہ اشعار دیکھئے:

اب اسی دشت میں شاداب ہیں رحمت کے گلاب
آپ ﷺ سے قبل عبارت تھے جو ویرانی سے

لاتے نہیں خاطر میں سلاطین زمن کو
دیکھے کوئی اندازِ گدایانِ محمد ﷺ

ادب سے ہر ورق دل پہ لکھ لیا تمثیل
خدا کے ساتھ محمد ﷺ کا نام میں نے بھی

جو وقفِ ناز پس پردۂ تعین ہیں
نگاہ و دل سے انہیں آشکار دیکھوں گا

اب ان اشعار کو بھی دیکھئے جن پر نظر ثانی کی شدید ضرورت تھی:

طلب کا مجھ میں سلیقہ نہیں مگر تمثیل
مجھے بھی وہ شہِ عالی وقار دیتے ہیں

جس رسم اخوت پر نازاں تھی مسلمانی
اس رسم اخوت کی تجدید ضروری ہے

پڑھے درود مسلسل زبان جذبوں کی
نبی ﷺ کی ذات سے نسبت مری نہانی ہے

روضۂ مقدس کی روشنی ہو نظروں میں
سر پہ حسنِ رحمت کی چاندنی تنیدہ ہو

کتاب خوبصورتی و خوبی کی تصویر ہے۔ قیمت 100 روپے۔ کہاں سے دستیاب ہے درج نہیں۔

(حنیف اسعدی)

اللہ اکبر

اللہ اکبر، اللہ بڑا ہے، اللہ کی بڑائی کا اندازہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ انسان تو اللہ کی کائنات بلکہ کائناتوں کا شعور نہیں رکھتا۔ وہ اس ذات کی وسعتوں کی کیا خبر پا سکے گا جس کی عظمتوں کو اللہ کے حبیب ﷺ نے بھی صرف اتنا جانا جتنا مالک حقیقی نے انہیں تعلیم کیا۔ ایسی صورت میں شاعر کی کیا بساط کہ وہ خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا کا حق ادا کر سکے۔ ہاں مگر یہ کہ وہ اپنے مالک و خالق کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی کوشش کر سکے اس نوع کی ایک کوشش گہر اعظمی نے "اللہ اکبر" لکھ کر کی ہے۔ یہ مجموعہ تمام و کمال حمدیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ جس میں طرح طرح سے اللہ تعالٰی کی بڑائی بیان کی گئی ہے۔ گہر اعظمی نے اپنی شاعری کو حمد و نعت تک مختص و محدود کر رکھا ہے اس طرح ان کا شمار ان شعرائے کرام کی صف میں شمار کیے جانے کے لائق ہے جن کے لیے :الشعراء تلامیذالرحمن. کہا جاتا ہے۔

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں مختلف بحروں اور قافیہ ردیف میں طبع آزمائی کی گئی ہے مگر دوسرے حصے میں ایک بحر اور ایک ہی ردیف کے ساتھ صرف قافیہ بدل کر ساری حمدیں مکمل کی گئی ہیں۔ یہ اہتمام قدرت کلام کی دلیل اور مشاقی کی عمدہ مثال ہے۔

گہر اعظمی نے اپنی کتاب کی اشاعت کا خود ہی اہتمام کیا ہے۔ کتاب کی قیمت برائے نام رکھی ہے یعنی صرف چالیس روپے۔ اتنی چھوٹی قیمت اُن کی اپنی بڑائی کی دلیل ہے۔

کتاب 21۔ ڈی اسٹریٹ۔ فیز 5 ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

(حنیف اسعدی)

رب العالمین و رحمت اللعالمین

گہر اعظمی کی کتاب کا نام ہی اس بات کی واضح نشاندہی کر دیتا ہے کہ ان کا یہ مجموعہ کلام حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں اللہ تعالٰی کے ذاتی و صفاتی اسماء کو نظم کے روپ میں ڈھالا گیا ہے اس کے علاوہ جو حمدیہ کلام ہے اس پر قرآن پاک کی آیات کا پرتو نظر آتا ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ نعتوں سے مزین ہے مگر اس سے پہلے اسمائے نبوی ﷺ کا منظوم ترجمہ بڑے حسن و کمال سے تحریر کیا گیا ہے۔ نعتوں میں شاعر کی اپنے آقا سے گہرے تعلق کی نشاندہی ہوتی ہے جس میں سرتاپا شگفتگی اور عقیدت ہی عقیدت ہے نہ تکلف نہ

آورد۔ گہر اعظمی کی یہ کاوش ایک طور پر منفرد حیثیت کی حامل ہے جس میں ایک ساتھ اسمائے حسنیٰ اور اسمائے نبوی ﷺ کو نظم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ تو عام ہیں مگر یہ گہر اعظمی کی عقیدت اور لگن کا بین ثبوت ہے کہ انہوں نے بڑی جاں فشانی اور تلاش سے حضور ﷺ کے اسمائے گرامی کو ڈھونڈ نکالا۔

گہر اعظمی اپنی کتاب کے خود ہی ناشر ہیں۔ کتاب کی قیمت صرف ساٹھ روپے ہے جس کا مقصد تجارت نہیں سعادت حاصل کرنا ہے۔ کتاب ۲۱ ڈی اسٹریٹ، فیز ۵ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

(حنیف اسعدی)

لوحِ نور

کتاب کے مصنف کا نام کلیم شفائی ہے۔ ان کا کلام سادہ و سہل ہے اسی سبب سے اپنے اندر دل نشینی کی صفت رکھتا ہے۔ کلیم شفائی کا نام شعراء کی اس صف میں آتا ہے جو صرف اور صرف نعت کہتے ہیں اور شاعر ہو کر بھی غزل سے اجتناب برتتے ہیں۔ یہ بڑی سعادت کی بات ہے مگر نعتیں غزل ہی کی فارمٹ میں لکھی گئی ہیں۔ دراصل اردو شاعری غزل کے بغیر اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی۔

"لوحِ نور" ایسی نعتوں کا مجموعہ ہے جس میں شاعر حضور اقدس ﷺ سے اپنی شگفتگی اور اضطراب کو طرح طرح سے عرض کرتا ہے اور بڑے انکسار و عجز کے ساتھ عرض کرتا ہے۔ کلیم شفائی کی شاعری کھرے عقیدے اور سچے جذبات کی شاعری ہے جو نہ تو روایتی انداز برتنے کے لیے کی گئی ہے اور نہ صرف شوق پورا کرنے کے لیے۔ کلیم شفائی کے کلام میں ادبی خوبیوں کے ساتھ ساتھ دینی تعلق کی جھلک نمایاں ہے جس نے ان کے کلام میں سوز و گداز اور سپردگی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ کتاب خوبصورتی اور طباعت کے اعتبار سے معیاری ہے۔

کتاب ممبئی میں شائع ہوئی ہے اور ممبئی کے علاوہ علی گڑھ اور دہلی سے بھی دستیاب ہے اور نوے روپے ادا کر کے حاصل کی جاسکتی ہے۔

(حنیف اسعدی)

انوار حرا

تنویر پھول کا یہ مجموعہ کلام اپنے کلام کے علاوہ اپنی ضخامت کے اعتبار سے بھی بڑا ہے کتاب حمد و نعت و منقبت پر مشتمل ہے جسے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کر کے مکمل کیا گیا ہے۔ تنویر پھول کے دینی شغف نے ان کے کلام کو وقیع بنا دیا ہے۔ ان کا کلام سادہ ہے اور زبان وبیان اور فنی پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ ان کے کلام میں سخنوری کے کمال کی تلاش کرنے کے بجائے ان کی عقیدت کے اس مقام تک رسائی کی کوشش کی جائے جہاں پہنچ کر ایک غلام نے اپنے آقا سے اپنے تعلق خاطر کو مختلف انداز سے بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ تنویر پھول اللہ کی اطاعت، حضور اقدس ﷺ کی غلامی اور اہل بیت اور صحابہ کرام سے محبت کے قائل اور عامل ہیں وہ محبت کے آدمی ہیں۔ محبت ہی نے انہیں شاعر بنایا ہے اور محبت ہی نے ان کو پاکیزہ شاعری کے اتنے بڑے ذخیرے کا مالک بنایا ہے۔ اللہ کریم ان کی محبت کو قائم اور دائم رکھے۔ (آمین)

کتاب میں کتابت کی بہت ساری غلطیاں ہیں جس کے لیے غلط نامہ شائع کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ کیا اچھا ہوتا اگر پروف ریڈنگ توجہ کے ساتھ کر لی جاتی۔

ناشر حرا فاؤنڈیشن رجسٹرڈ کراچی ہدیہ تعاون 200 روپے جس کے لیے خریدار کو کتاب خریدنے کے لیے دوبار سوچنا پڑے گا۔

(حنیف اسعدی)

نورِ حق

علیم النساء ثنا کے مجموعہ کلام کا نام نورِ حق ہے۔ علیم النساء خود ایک اچھی شاعرہ ہیں اور ایک اچھے شاعر گہر اعظمی کی شریک حیات بھی۔ نور علی نور۔ علیم النساء اور ان کے شوہر گہر اعظمی میں اس ہم آہنگی کے علاوہ ایک اور نمایاں قدر مشترک ہے کہ دونوں کو قرآن سے گہری وابستگی ہے اور قرآن فہمی کی سعادت حاصل ہے جس کا فرق دونوں کے کلام پر صاف طور پر نظر آتا ہے۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو نظم کیا ہے۔ حمد کے علاوہ چند نظمیں اور نعتیں اور کچھ قطعات کتاب کی زینت ہیں۔ ثنا کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرآن کی تعلیمات کے ذریعہ انسان میں اعلیٰ اوصاف پیدا کرنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ ان تجربات و مشاہدات کو جن کی اساس اعلیٰ اقدار پر استوار ہے عام کرنے کی خواہشمند ہیں۔ مختصر یہ کہ

ان کی شاعری محض شاعری ہی نہیں جو شوق پورا کرنے یا اظہار عقیدت کے لیے کی جاتی ہے بلکہ وہ ایک آدرش، ایک پیغام، ایک تبلیغ کا مرقع ہے جس کی مقصدیت واضح اور مسلّم ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نیت، ارادے اور عمل میں پختہ تر کردے اور اپنے خاص اجر سے نوازے۔ (آمین)

کتاب کی قیمت نہ ہونے کے برابر یعنی ۲۵ روپے ہے۔ ملنے کا پتہ مون ولا۔ ۲۱ ڈی اسٹریٹ فیز ۵۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی۔

(حنیف اسعدی)

اکرام

"اکرام" ۶۴ صفحہ کی چھوٹی سی کتاب ہے اور اس چھوٹی سی کتاب میں بھی تین حصہ دار ہیں۔ نذیر فتح پوری، دلدار ہاشمی اور ریاض جبنوری، نذیر فتح پوری کتاب کے تہائی حصہ کے مصنف اور باقی دو تہائی حصہ کے مولف ہیں۔ کتاب کے شروع میں ہر شاعر پر ایک چھوٹا سا نوٹ ہے جسے کتاب کے مرتب نذیر فتح پوری نے تحریر کیا ہے اپنے علاوہ دونوں شاعروں کی شاعری پر تبصرہ اور اپنے بارے میں صرف عجز بیان پر چھوٹا سا بیان ہے۔ اس طرح یہ چھوٹی سی کتاب اردو کے ذخیرۂ نعت میں شامل ہو کر بڑی کتاب بن گئی ہے اس لیے کہ نعت خود بڑی چیز ہے۔ شاعروں کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

جس کے لیے دنیا کو بنایا ہے خدا نے
وہ پیارا نبی ﷺ ہم کو مقدر سے ملا ہے
دلدار ہاشمی

اچھا ہوا کہ کملی کے سائے میں آگئے
ورنہ سب اپنی اپنی انا کی ردا میں تھے
ریاض جبنوری

بے چہرگی کے دور میں یا صاحب جمال
آئینہ حیات کی عظمت تمہی تو ہو
نذیر فتح پوری

کتاب اسباق پبلی کیشنز پونہ نے بغیر کسی اہتمام کے شائع کی ہے۔ قیمت ۲۵ روپے ہے جو حد درجہ مناسب ہے۔

(حنیف اسعدی)

ابرِ نیساں

یہ بات شاید ۷۔ ۳۔ ۱۹۳۶ء کی ہے جب احسان دانش مرحوم شاہ جہاں پور تشریف لائے تھے اور مجھے انہیں دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ ان کے اپنے اور اپنی شاعری کے شباب کا زمانہ تھا۔ اس وقت وہ شاعرِ مزدور کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ انھوں نے پہلی بار مزدور کے حق میں لکھا اور اس کے حقوق کے مطالبہ کو منوانے کے کام کا آغاز کیا تھا۔ پر تاثیر کلام۔ حق گوئی اور خوش الحانی کے سبب احسان دانش اس عہد کے ابھرتے ہوئے شاعر بن گئے تھے اس کے علاوہ اس وقت تک اردو ادب کا دامن نظم سے قریب قریب خالی تھا۔ احسان دانش نے اردو کو ایسی ایسی نظمیں عطا کیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ احسان دانش گداز قلب۔ حساس طبع۔ غریبوں کے ہمدرد اور استحصالی طبقہ کے خلاف جذبات رکھنے والے شخص تھے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا خلوص نیت سے لکھا۔ یہی مزاج جب حمد و نعت کی طرف راغب ہوا تو عقیدت و سپردگی میں ڈھل کر ایسا مقام حاصل کر گیا کہ "ابرِ نیساں" جیسی تصنیف منظر عام پر آئی۔

احسان دانش کی نعتیہ شاعری کسی صاحب دل کی عقیدتوں سے سرشار بندگی کے شعور سے مملو واردات قلبی کا درجہ رکھتی ہے۔ جسے آنسوؤں کی نمی نے ایسی تازگی و شادابی بخشی ہے جو سننے اور پڑھنے والوں کے قلوب میں گرمی اور گداز پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ احسان دانش کی نعتیہ شاعری دیوانگانِ عشق کی روداد عشق ہے جس میں ساز بھی ہے سوز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ (آمین)

کتاب مرحوم کی زندگی میں تو نہ چھپ سکی بعد میں یہ کار خیر ان کے صاحبزادے ڈاکٹر فیضان دانش نے انجام دیا۔ کتاب بڑے اہتمام اور حسن کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ قیمت/=150 روپے۔ اور مکتبۂ دانش 11۔ ایبک روڈ انار کلی لاہور سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

(حنیف اسعدی)

م صلی اللہ علیہ وسلم

غالب عرفان کا نعتیہ مجموعہ "م صلی اللہ علیہ وسلم" اپنے نام ہی سے شاعر کی تجرید پسندی کا آئینہ ہے۔ اس سے قبل بزرگ شاعر حضرت فدا خالدی دہلوی کا نعتیہ مجموعہ "م۔ ص" کے نام سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے غالب عرفان نے "ص" کی تجرید کو تفصیل میں بدل دیا ہے۔

"م صلی اللہ علیہ وسلم" میں شامل کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کا مزاج غزل کے "میرتی اسکول" سے نہیں بلکہ "سودائی اسکول" سے ہے کیونکہ ان کی غزل میں میر کا دھیمہ لہجہ نہیں سودا کی غزل کا طمطراق ہے۔اسی لیے غالب عرفان کی نعتیہ غزلوں پر مختصر قصیدوں کا گمان ہوتا ہے۔مزید براں غالب عرفان اپنے نام کی مناسبت سے اسد اللہ خاں غالب کی فکری روش پر چلنے کی کوشش کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں اہمال کا پرتو بھی پڑا ہے اسی لیے معراج جامی نے اس رجحان کے حوالے سے ایک خدشے کا اظہار کیا ہے۔"سہل پسندوں کو شاید غالب عرفان کی شاعری میں الفاظ اور خیالات کی گنجلک نظر آئے۔" پھر بھی جہاں کہیں شاعر نے اپنی بات اپنے مزاج سے ہم آہنگ کر کے کہی ہے اس میں بلا کی قوت ابلاغ پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قسم کی دلکشی بھی پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً

کہیں نوائے "صبا حا" میں کائنات کی لے
کہیں پہ جنبش لب سے جہان کی تسخیر
جہادِ وقت میں ہر گام فتح کا خورشید
کہیں پہ صلح کہیں جنگ تو کہیں تدبیر
ہر ایک دور کی الجھن کو آگہی کا جہاں
ہر اک زمانے میں ہر رنگ ونسل کی تطہیر
تمام کہنہ روایات کو شکست دوام
تمام سلسلۂ روز وشب کی نو تعمیر

1993ء میں غالب عرفان کا مجموعہ غزل "آگہی سزا ہوئی" شائع ہو چکا ہے۔زیر نظر مجموعۂ نعت ایک حمد اور ۳۳ نعتوں پر مشتمل ہے۔ کہیں کہیں "حسنہ"، "کوثر" کے سکون اور متحرک "کو ثٓر" کی تسکین کے ساتھ باندھا ہے جو برا کھٹکتا ہے۔اسی طرح "ان بجھ روشنی" اور "رحمت العالمین" کی تراکیب بھی بھلی نہیں لگتیں بلکہ مؤخر الذکر کا استعمال تو جائز ہی نہیں ہے۔ جیسا قرآن میں آیا ہے ویسا ہی لکھنا ضروری ہے۔

بعض فکری ولفظی ومعنوی تسامحات کے باوجود "م صلی اللہ علیہ وسلم" میں شاعر کی پاکیزہ فکری اور روایت گریز شاعری کے اچھے نمونے ہیں کاش غالب عرفان نعت گوئی کا سفر جاری رکھ سکیں اور مزید احتیاط سے اس راہ کو طے کرنے کی سعادت پا سکیں۔(آمین)

کتاب میں پروفیسر حسنین کاظمی۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی اور سید معراج جامی کی آراء شامل ہیں۔

کتاب خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ غیر مجلد چھپی ہے۔ بزمِ تخلیقِ ادب پاکستان D-12 منیبہ آرکیڈ، گلستانِ جوہر، بلاک-7 مین یونیورسٹی روڈ کراچی 75290 کے پتے پر دستیاب ہے۔ ہدیہ 60 روپے ہے جو مناسب لگتا ہے۔

(عزیز احسن)

بساطِ عجز

ایم سلیم چشتی صاحب تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ مفتی محمد عبدالشکور ہزاروی کے فرمان کے مطابق چشتی صاحب تحریک عید میلادالنبی ﷺ کے بانیوں میں سے ہیں۔ آپ ایک شعلہ بیان مقرر بھی ہیں۔ زیر نظر نعتیہ تصنیف سے ان کی طبیعت کا مائل بہ شاعری ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔

چشتی صاحب کی شاعری، سادہ ہے اور بیشتر روایتی مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ شاعری عید میلادالنبی ﷺ کے جلسوں میں پڑھنے کی غرض سے معرض وجود میں آئی ہے اس لیے سادہ بھی ہے اور اس پر جذباتی عنصر غالب ہے۔ شاعری کا ادبی پہلو ذرا دبا سا ہے۔ بہر حال شاعر موصوف کو نعت خوانِ محمد ﷺ ہونے پر ناز ہے۔

میں چھیڑوں گا اب داستانِ محمد ﷺ
زہے بخت ہوں نعت خوانِ محمد ﷺ

بساطِ عجز میں نعتوں کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی منقبتیں بھی ہیں اور بزرگانِ دین کی توصیف بھی۔

شاعری میں کہیں کہیں اسقام رہ گئے ہیں جنھیں تھوڑی سی کوشش سے دور کیا جاسکتا تھا لیکن نہ جانے کیوں مسلم چشتی کے استاد ڈاکٹر سید محمد صائم علی شاہ صائم گنجوی نے بھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی حالانکہ انھوں نے خود لکھا ہے:

"آپ (ایم۔ سلیم چشتی) کے مجموعہ کلام پر جہاں بزم ادب اور مقامی شعرا کو فخر ہے وہاں مجھے بھی یہ افتخار حاصل ہے کہ مجھے ان کے کلام کی اصلاح و نظر ثانی کا موقع ملا۔

"حرفِ آغاز" کے تحت محمد اعظم چشتی کی رائے بھی کتاب میں شامل ہے۔

۱۱۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۸۰ روپے ہے۔ جلد مضبوط ہے اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔
گورا پبلشیرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۲۵۔ لوئر مال۔ لاہور کے پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

(عزیز احسن)

جہانِ عقیدت

عزیز جبران انصاری کا نام شعر و ادب کی دنیا میں معروف نام ہے۔ ان کی کئی کتابیں پہلے بھی شائع ہو چکی ہیں۔ جہانِ عقیدت ان کا نعتیہ مجموعۂ کلام ہے۔ پروفیسر آفاق صدیقی لکھتے ہیں:

"عزیز جبران کے نعتیہ کلام کا مطالعہ ہمارے فکر و عمل کی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے۔ انہوں نے اپنی نعتوں میں توحید و رسالت کے اعلیٰ موضوعات کی ملی جلی تجلیات کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے اور مدحتِ سرکارِ دو عالم ﷺ میں اسوۂ حسنہ اور سیرت مبارکہ کے روشن پہلو کچھ اس طرح بیان کیے ہیں کہ ہمارے دلوں میں وہ جذبہ اور وہ امنگ پیدا ہو جو خیر کثیر کے حصول کو اور زیادہ با مقصد بنائے۔"

عزیز جبران کا اسلوب سادہ ہے اور انہوں نے بڑے سلیقے سے اپنے جذبات کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔

اب کسی طور بھی دل بہلتا نہیں
ان کا جبران دست شفا چاہیے

اور پھر کیا چاہیے کونین میں اس شخص کو
جس کو حاصل ہو گئی الفت رسول اللہ ﷺ کی

درِ خیر البشر ﷺ ہو میرا سر ہو
یہیں پر ختم دنیا کا سفر ہو

عزیز جبران عظمتِ خیر البشر ﷺ کا جلوہ آپ ﷺ کے اسوۂ کامل میں دیکھتے ہیں اور اسی کو معراج عبودیت قرار دیتے ہیں۔

عظمت نوعِ بشر کیا؟ اسوۂ ختم الرسول ﷺ
دیکھ معراج عبودیت مکاں تا لامکاں

جہانِ عقیدت میں غم زوال امت بھی جھلکتا ہے۔

ہم مسلماں ہیں مگر اپنا وتیرہ کیا ہے
خوار ہیں آج زمانے میں تو شکوہ کیا ہے
زباں سے ہم نبی ﷺ کے عشق کا دعوا تو کرتے ہیں
مگر شمعِ عمل ہم نے کہاں اور کب فروزاں کی

عزیز جبران کی شاعری میں روایتی غزل کا رچا ہوا مزاج بھی ہے اور پاکیزہ فکری بھی۔ ۱۴۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مجلد ہے اور عادل کتاب گھر C-584/276 نصرت کالونی، نمبر 6، پرانا سکھر سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کتاب کا ہدیہ 150 روپے ہے جو ضخامت اور معیار طباعت کی روشنی میں کچھ زیادہ لگتا ہے۔

(عزیز احسن)

مجتبیٰ ﷺ

اختر ہوشیار پوری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ نعت کے موضوعات انھوں نے خود متعین کیے ہیں اور زیر نظر مجموعۂ نعت میں ان موضوعات کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ لکھتے ہیں:

"میری نعت کے اجزائے ترکیبی میں حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا وجہ تخلیق کائنات اور رحمۃ للعالمین ہونا، شب معراج کی برکات کا پورے زمانے پر چھا جانا، غلاموں کو قوتِ گویائی و آقائی کا ملنا، بندگی و خواجگی کا امتیاز ختم ہونا، حضور ﷺ کی دہلیز کا معراج نظر ہونا، درس گاہِ رسالت سے مٹی کے ہیولے کا انسان بن جانا، آقائے نامدار کا روشنی کا صحیفہ اور تہذیب کا سرچشمہ ہونا شامل ہے۔"

شاعر کے نثری بیان کی روشنی میں اس کے کلام کے چند نمونے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

ادب کی آخری منزل ہے بارگاہِ رسول ﷺ
نسیم صبح سنبھل یہ ہے شاہراہِ رسول ﷺ
تمام عرصۂ کونین پر ہے لطفِ نبی ﷺ
تمام عالم امکاں پہ ہے نگاہ رسول ﷺ

از ازل تاابد سلسلہ آپ ﷺ کا
منزلیں آپ ﷺ کی راستہ آپ ﷺ کا
نور قریہ بہ قریہ لٹاتا رہا

ظلمتوں میں فروزاں دیا آپ ﷺ کا
یہ اور بات کوئی کسب۔ ضد کرے نہ کرے
وہ روشنی کا صحیفہ ہے سب پہ اترا ہے

اختر ہوشیارپوری کی شاعری میں پختہ کاری ردیف و قافیہ کا مضبوط انسلاک اور معنوی دل کشی جگہ جگہ اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔

چراغوں کی لو تیرا ہر نقش پا — گلوں کی روش تیرا حسن خرام
مری ظلمت۔ شب میں کرنیں اتار — کہ مہتاب واختر ہیں تیرے غلام

بعض جگہ احساس ہوتا ہے کہ شعر نظر ثانی سے محروم رہا ہے مثلاً۔

باقی تمام عمر جہاں چھوڑ آیا ہوں
لے چل وہیں کو زندگیٔ مختصر مجھے
اس شعر میں "وہیں کو" بڑا کھٹکتا ہے

درجِ ذیل شعر میں شاعر موصوف نے شریعت عشق محمدی ﷺ کے حوالے سے ایک فتویٰ دیا ہے جو "شریعت عمومی" کے لحاظ سے ذرا سخت ہو گیا ہے۔

اک گناہِ عظیم ہے لوگو
بے وضو ان کا نام لینا بھی

جناب اختر ہوشیارپوری کی خود اعتمادی قابلِ تحسین ہے۔ پوری کتاب میں صرف خود ہی اپنی شاعری کے نکات بیان کیے ہیں کسی اور سے تقریظ یا تعارف نامہ نہیں لکھوایا ہے۔

کتاب سنگ میل پبلی کیشنز لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ ہدیہ 99 روپے ہے۔ جلد مضبوط، ٹائٹل دیدہ زیب اور صفحات ۱۰۳ ہیں۔ کاغذ بھی اعلیٰ ہے۔

(عزیز احسن)

"نعت نگار"

سرور کیفی صاحب کا نعت میں شخصی تداخل (Personal Involvement) اتنا ہے کہ انہوں نے نہ صرف نعتیہ غزلوں کے متعدد مجموعے شائع کروائے ہیں بلکہ نعت گو شعراء پر بھی اپنے خاص رنگ

میں ایک ایک شعر کہہ کر انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ "نعت نگار" ایسے ہی پانچ سو اشعار پر مشتمل کتاب ہے۔

نظم کے اشعار میں شعراء کے اسمائے گرامی کسی زمانی ترتیب یا حروف تہجی کی مناسبت سے نہیں آئے ہیں بلکہ جیسے جیسے شاعر کو یاد آتے گئے نظم ہو گئے ہیں اور اسی طرح کتاب میں بھی درج ہیں۔

کتاب پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ مسرور کیفی نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسرور کیفی تک، عربی، فارسی، اردو اور پاکستان کی علاقائی زبانوں کے مختلف شعراء پر ایک ایک شعر کہا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کیفی صاحب نے شعراء کے نام نظم کرتے وقت نعت کا اختصاص رکھنے والے شعراء کا ہی خیال نہیں رکھا ہے بلکہ ہر اُس شاعر کو اِس نظم میں جگہ دی ہے جس نے اپنی پوری زندگی میں کوئی ایک آدھ نعت کہہ لی تھی۔ اس نظم سے مصنف کا وسیع المطالعہ ہونا بھی ثابت ہے۔

کتاب کا تعارف نور احمد میرٹھی نے لکھا ہے۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے۔ نور احمد میرٹھی کی تحریر اور کتاب کے بیک ٹائٹل سے مترشح ہوا کہ "نعت نگار" کی یہ جلد نظم کے حصہ اول پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم بھی تکمیلی مراحل میں ہے۔

پنج رنگا سرورق، مضبوط جلد، ۱۱۲ صفحات، سفید کاغذ اور باسلیقہ طباعت دیکھ کر اس کتاب کی قیمت 60/- روپے بالکل زیادہ نہیں لگتی۔ تقسیم کار، ہلال بک ہاؤس۔ پوسٹ بکس نمبر 15027۔ صدر، کراچی۔

(عزیز احسن)

"عکسِ تمنّا"

مسرور کیفی بزرگ نعت گو شاعر ہیں۔ "عکسِ تمنّا" سے قبل اُن کے دس نعتیہ مجموعے منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ مسرور کیفی کی نعتیہ شاعری سے فنی نزاکتوں اور شعری محاسن کی طرف سے شاعر کی بے نیازی مترشح ہے۔ لیکن جذبے کی زبان کہیں کہیں اپنا جلوہ دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ راقم الحروف کو مذکورہ مجموعہ نعت میں درج ذیل اشعار اچھے لگے۔

پلکوں کی مسرور نمی سے لگتا ہے
مجھ کو پھر سرکار بلانے والے ہیں

نعت لکھتے ہوئے لیتا ہوں حضوری کے مزے

نعت گوئی بھی تو الطاف و عطا ہے سائیں
ہو سکے تو دل کی آنکھوں سے کبھی
گنبد خضریٰ کا جلوہ دیکھنا
ورد کرنا پہلے اُن کے نام کا
اور پھر جی بھر کے جلوہ دیکھنا

ایک سو بارہ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے ابتدائی دو صفحات طارق سلطان پوری کی منظوم تقریظ کے لیے وقف کیے گئے ہیں۔ دو ہی صفحات کو "حمد باری تعالیٰ" محیط ہے۔ کتاب کے صفحہ ۷ سے ۸۶ تک نعتیہ غزلیں ہیں اور صفحہ ۸۹ سے ۱۱۲ تک "نعت نگار" کے زیر عنوان ایک طویل نظم کے ۱۴۵ اشعار درج ہیں۔ یہ اشعار نعت گو شعراء کے منظوم تعارف کا حصہ ہیں۔

میں بصد ادب یہ عرض کرنے کی جسارت ضرور کرونگا کہ شاعر کو تعدادِ کتب اور مقدارِ اشعار سے زیادہ معیارِ شاعری پر توجہ صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ مسرور کیفی کا ایک وصف بہر حال قابلِ ذکر بھی ہے اور لائق تقلید بھی کہ اُن کی نعتوں میں ادبی خوبیوں کی کمی کا احساس ہو تو ہو۔ شرعی خطا کے مقامات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

کتاب مجلّد ہے۔ سرورق دیدہ زیب ہے، کاغذ بھی اچھا ہے اور کتاب کا ہدیہ بھی مناسب ہے یعنی صرف -/40روپے۔ فروغ ادب۔ کندن اسٹریٹ، کراچی سے یہ کتاب حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز احسن)

"طلع البدر علینا"

نعت گوئی جس متانت کی متقاضی ہے اور جس طرح کی علمی استعداد حمد و نعت کی شاعری کے موضوعات کو نباہنے کے لیے درکار ہے وہ دونوں خوبیاں کم کم شعراء میں یکجا ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ وادیٔ نعت میں بیشتر شعراء سطحی قسم کی شاعری سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ علیم ناصری ان شعراء میں سے ایک ہیں جن کو مبداء فیاض سے شعر گوئی کی اعلیٰ صلاحیت بھی عطا ہوئی ہے اور انہیں اپنے ناقہ ٔفن کا رخ سوئے حجاز موڑنے کی سعادت بھی ملی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس دیارِ مقدس میں احتیاط کلام کے گہرے شعور اور محاسنِ کلام کے بھرپور ادراک کے ساتھ داخل ہوئے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں علیم ناصری کی حمدیہ و نعتیہ شاعری کے غیر فانی نقش ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ ان کی شاعری میں سب سے زیادہ علامہ اقبال کے فکری عمق اور شعری لہجے کا پرتو نمایاں ہے قصیدہ گوئی کی طرف جب ان کی طبیعت مائل ہوتی ہے تو ان کے قصائد پر محسن کاکوروی اور عبدالعزیز خالد کی جولانی طبع کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مقصد قطعی نہیں ہے کہ وہ محض اقبال، محسن کاکوروی اور عبدالعزیز خالد کے مقلد ہیں حالانکہ میرے خیال میں کوئی شاعر بھرپور تخلیقی شعور کے ساتھ ان شعراء کی محض تقلید کر کے بھی ایسی شاعری کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے جو سنجیدہ اور متین اہل علم کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا سکے۔

علیم ناصری کا لہجہ شستہ ہے ان کی شاعری کا مافیہ (ف)، (Content) حبِ رسول ﷺ جذبۂ اتباعِ رسول ﷺ اور پیامِ رسول ﷺ ہے۔ ان کی نظمیں وسیع منظر نامہ پیش کرتی ہیں اور ایک خاص حد تک فکری گہرائی کی حامل ہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں لطافت بیان سے مملو ہیں۔ ایجاز و اختصار ان کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے جو ان کی قادر الکلامی پر دال ہے۔

رسالتِ ابدی پر ہے جس کی مہر دوام
وہ جس کے بعد نبی ﷺ و رسول کوئی نہیں

کتاب پر نعیم صدیقی صاحب نے تقریظ لکھی ہے اور موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے فلیپ لکھا ہے۔ مکتبۂ قدوسیہ، اردو بازار لاہور کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی اس قابل قدر کتاب کی قیمت =/150 روپے ہے جو نہایت مناسب لگتی ہے۔ دو سو سولہ صفحات کی یہ کتاب سفید کاغذ پر دیدہ زیب گرد پوش اور مضبوط جلد کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی ہے۔

(عزیز احسن)

حسنِ ازل

نعتیہ شاعری دو سطحوں پر ہو رہی ہے۔ ایک روایت قدیم ہے اور دوسری جدید۔ قدیم روایت میں شاعری محض محافلِ نعت کی ضرورت پوری کرنے کی غرض سے ہوتی رہی ہے۔ اس طرح کی شاعری عام فہم بھی ہوتی ہے اور جذباتی سطح پر عوام کے حبِ رسول ﷺ کے احساسات سے قریب تر بھی ہوتی ہے۔ اس طرح کی شاعری شعری محاسن اور شرعی پہلوؤں سے بیشتر گریزاں ہوتی ہے۔ اکثر تو بحر و قافیہ اور وزن وغیرہ

سے بھی عاری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی شاعری کرنے والے شعراء لاکھ کتابیں لکھ لیں، اہل نقد و نظر ان کی شاعری کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ہاں عوام اس شاعری کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ خالد محمود خالد کی شاعری کا بھی یہی حال ہے۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "اکثر دینی محفلوں اور سرکاری مجلسوں میں ان (خالدؔ) کا کلام پڑھا جاتا ہے۔" وہ محفل میں نہیں ہوتے مگر ان کا کلام رونق محفل ہوتا ہے...... ان کی نعت کا یہ مصرع

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

زباں زدِ خاص و عام ہے۔

"حسن ازل" خالد محمود خالد کا مجموعۂ نعت ہے۔ اس میں چھ حمدیہ اور ایک سو بیس نعتیہ غزلیں ہیں۔ کچھ قطعات بھی ہیں اور ایک سلام ہے۔ یہ تمام کی تمام شاعری نعتیہ محفلوں میں لحن سے پڑھے جانے کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ بقول حفیظ تائب "وہ (خالد) نئی زمینوں کی تلاش کا زیادہ تکلف و تردد نہیں کرتے جو بھی زمین سامنے آجائے۔ اُسے محبت کی خمیر سے اٹھاتے ہوئے رنگارنگ مضامین سے آراستہ و پیراستہ کرتے چلے جاتے ہیں۔" کتاب میں خواجہ رضی حیدر، ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر، پروفیسر حافظ منظور حسین بصیر پوری، سید قمر الزماں شاہ اور مفتی محمد اشفاق احمد رضوی کی تقریظیں شامل ہیں برق اجمیری اور ہلال جعفری نے قطعات لکھے ہیں۔ خالد اگر ذرا سی توجہ دیں تو اپنی شاعری کو ادبی سطح سے بھی ہمکنار کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ محض محفلوں کی شہرت اور عوامی مقبولیت کی وقتی سرشاری سے ذرا ہٹ کر سوچیں۔ بہر حال زیر نظر کتاب میں بعض شعر مجھے اچھے لگے۔

کتاب کی جلد مضبوط ہے۔ کاغذ بھی اچھا ہے قیمت درج نہیں ہے 336 صفحات کی یہ کتاب مکان نمبر ۱۸/۱۶۳۸ فیڈرل بی ایریا سمن آباد (گلبرگ) کراچی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

(عزیز احسن)

تیری شان جل جلالہ

سبز گنبد کے خیالوں میں

درج بالا دونوں کتابیں ایک نوجوان شاعر کی تصانیف ہیں۔ اس شاعری میں پختگی اور شاعرانہ ریاضت کے آثار کم کم دکھائی دیتے ہیں۔ شاعری خود ایک مقدس چیز ہے کیونکہ شعراء براہِ راست مبدء فیاض سے کسبِ فیض کرتے ہیں۔ ''الشعراء تلامیذ الرحمٰن'' اسی لیے کہا گیا ہے۔ شعر گوئی کا یہ وہبی ملکہ جب مزید تقدس آمیز جذبوں کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور موضوع بھی مقدس منتخب کیا جاتا ہے تو شاعر کی ذمہ داریاں دوہری ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہاں صرف شعر کی عام ہنت ہی کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ شاعری کے نفس مضمون مافیہ Content کے نازک تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کا مرحلہ بھی درپیش ہوتا ہے۔ ہمارا عہد سہل انگاری کے فروغ کا عہد ہے اس عہد میں فنی ریاضت اور موضوع کی تقدیس کے حوالے سے احتیاط آمیز محنت مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ پھر ظلم یہ ہے کہ جب کسی ناپختہ شاعر کا کلام طباعت کے مراحل سے گزرنے لگتا ہے تو شعروادب کی دنیا کے بزرگ غالباً تالیف قلوب کی خاطر ہر کتاب پر کچھ تحسین آمیز کلمات ضرور ہی لکھ کر دیتے ہیں۔ اہل علم کی اس روش سے نوجوان شعراء کے دل تو بڑھ جاتے ہیں لیکن شاعری میں شعور فن کے آثار پیدا ہونے کے امکانات کوسوں دور جا پڑتے ہیں۔

محمد مشرف حسین انجم کی شاعری میں کچھ اچھے اشعار بھی ہیں لیکن ان کتابوں میں ایسی حمدیہ ونعتیہ غزلیں بھی ہیں جو شاعر کی اوزان وعُور سے بے نیازی کی غماز بھی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ حمدیہ ونعتیہ غزلیں شاعر نے بحر کے بجائے لہر میں لکھی ہوں...... لیکن ان دونوں کتابوں پر رائے دینے والوں نے شاعر کو طباعت کتب کے ضمن میں عجلت پسندی کے رویئے سے باز رہنے کی نصیحت کیوں نہیں کی؟ یہ بات میرے لیے ایک معمہ ہے!!!

مجموعۂ حمد پر رائے دینے والے حضرات میں خواجہ محمد حمید الدین سیالوی، ڈاکٹر وزیر آغا، شبیر قادری، علامہ اشک ترابی، پروفیسر ہارون الرشید تبسم، صفدر حسین ملک اور خالد سعید اختر، وغیرہم شامل ہیں اور نعتیہ مجموعہ ڈاکٹر وزیر آغا، سعد اللہ شاہ، حفیظ تائب اور محمد علی ظہوری کی گرانقدر آراء کے ساتھ چھپا ہے۔ دونوں کتابیں مجلد ہیں صفحات دونوں کتابوں کے بالترتیب ۱۰۸ اور ۱۱۰ ہیں۔ کاغذ عمدہ ہے۔ ٹائٹل بھی

دونوں کتابوں کے دیدہ زیب ہیں حمدیہ مجموعہ چاند پبلشرز میاں مارکیٹ اردو بازار لاہور اور نعتیہ مجموعہ عمیر پبلشرز، میاں مارکیٹ، لاہور سے دستیاب ہے۔ دونوں کی قیمت یکساں ہے یعنی اسی روپے فی کتاب۔

(عزیز احسن)

سعادت

حسین سحر کا نام شعروادب کی دنیا میں ایک معروف نام ہے۔ ان کی کتاب "پھول اور تارے (بچوں کے لیے نظمیں)" پر رائٹرز گلڈ کی جانب سے انعام بھی مل چکا ہے۔ حمد و نعت کے حوالے سے ان کا کام اس سے قبل بھی منظر عام پر آچکا ہے...... زیرِ نظر کتاب ان کی بارھویں کتاب ہے۔

حسین سحر کی طبیعت غزل گوئی سے بمناسبت رکھتی ہے اس لیے "سعادت" میں ان کا تقریباً تمام کلام اسی صنفِ سخن کی ہیئت میں ہے۔ اسماء النبی ﷺ کے زیر عنوان پابند نظمیں ہیں اور تلبیہ اور درودِ تاج کا ترجمہ آزاد نظم کی صورت میں شامل کتاب ہے۔ حسین سحر کا کلام سادہ ہے۔ اُن کے لہجے میں متانت بھی ہے اور اندازِ بیان میں ندرت بھی۔ چھوٹی بحر میں شاعری کرنے اور اس بحر کے تقاضوں کو کماحقہ نباہ لے جانے کی صلاحیت "سعادت" کی شاعری سے مترشح ہے۔

مری جبیں تو ہے مخصوص ان کے در کے لیے
ہر آستاں مرا مقصود ہو نہیں سکتا

اپنی آنکھوں کی جلا کی خاطر
ان کی خاکِ کفِ پاپاد آئی

کتابِ پاک کو دیکھا ہے غور سے میں نے
ورق ورق پہ ہے بین السطور نعتِ رسول ﷺ

کتاب کا انتساب "پروفیسر عاصی کرنالی کے نام" ہے۔ کتاب پر کسی قسم کی تقریظ یا کسی ناقد کی رائے بھی نہیں ہے اور خود شاعر نے بھی سوائے انتساب کی دو سطور کے نثر لکھنے سے گریز کیا ہے۔ یہ رویہ شاعر کی خود اعتمادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ایک سو اٹھائیس صفحات کی یہ مجلد کتاب دیدہ زیب ٹائیٹل کے ساتھ کتاب نگر حسین آرکیڈ، ملتان کینٹ سے شائع کی گئی ہے۔ قیمت = /۱۰۰ روپے ہے۔

(عزیز احسن)

حبیبی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مدحتِ سرکارِ دوعالم ﷺ کی بے شمار جہتیں ہیں۔ اِن جہتوں میں احساسِ دوری و مجبوری کا شعری اظہار بھی ہے اور بارگاہِ بے کس پناہ میں حضوری کے حوالے سے روحانی ترفع حاصل کر لینے کا جذبہ اور اُس جذبے کے غلبۂ صادقہ سے نمو پانے والی شاعری بھی۔

"ادب" کی تخلیق احساس کی شدت (INTESITY) کے بغیر ممکن نہیں اس تخلیق میں ادیب یا شاعر کائنات کے ذرّے ذرّے کو اپنی ذات سے بڑا قریب پاتا ہے۔ وہ پھولوں سے مخاطب ہوتا ہے، چاند ستاروں سے مکالمہ کرتا ہے، پہاڑوں اور دریاؤں اور درختوں سے گفتگو کرتا ہے اور ہواؤں کو براہِ راست پیغام دیتا ہے۔ شاعر یا ادیب کے اس قسم کے تخاطب کو دنیا میں کبھی بھی کسی نے اعتراض کا نشانہ نہیں بنایا۔ مجازی محبوب سے (غائبانہ) تخاطب تو شعر وادب میں سکۂ رائج الوقت کے طور پر ہر عہد میں قابلِ قبول رہا ہے۔ پھر صرف نعت کہنے والوں ہی کو یہ احساس دلانے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے کہ وہ "ندا" سے گریز کریں؟ نہیں بھئی وہ اس پابندی کو قبول نہیں کر سکتے۔ یہ الگ بات کہ شاعر مختلف کیفیات میں مختلف رویے اختیار کرتا ہے مثلاً جامیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ نسیما! جانب بطحا گزر کن (اے ہوا تیر البطحا کی طرف گزر ہو) اور یہ بھی کہا ہے یا شفیع المذنبیں ﷺ بار گناہ آوردہ ام)، (اے گناہ گاروں کے شفاعت فرمانے والے نبی ﷺ! میں گناہوں کا بار لے کر حاضر ہوا ہوں)۔

"حبیبی یارسول اللہ" میں ایسی شاعری پیش کی گئی ہے جس میں نعتیہ غزلوں کی ردیف "یارسول اللہ" ہو۔ اس طرح مرتب نے نعتیہ شاعری کی ایک جہت کا انتخاب کیا ہے۔ غزل عموماً قوافی کے التزام کی وجہ سے اپنی تازگی کھوتی جارہی ہے۔ غزل میں تازہ کاری کے امکانات کو بروئے کار لانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات پہلے بھی نہ تھی لیکن اب یہ زیادہ دشوار ہے۔ پھر نعت کے مضامین قوافی اور طویل ردیف کی پابندی کے ساتھ غزل کی فارم میں شعری قالب میں ڈھالنا کس قدر مشکل کام ہوگا اس کا اندازہ کچھ اہلِ علم و فن ہی کر سکتے ہیں۔ زیر نظر مجموعے کی شاعری میں بھی تازگی اور ادبی حُسن سے زیادہ جذبے کی چمک ہے جو لائق تحسین ہونے کے باوجود ادبی دنیا کے لیے بہت زیادہ لائق توجہ نہیں ہو سکے گی۔ مرتب کی تلاش اور جستجو کی داد و نیا بہر حال ناگزیر ہے کہ اس نے محنتِ شاقہ سے عربی، فارسی، ترکی، اردو، سندھی، پنجابی، بلوچی، پشتو، سرائیکی اور انگریزی کی ایسی نعتیں جمع کر دیں جن کی ردیف "یارسول اللہ" ہے۔

کتاب میں قمر وارثی اور طارق سلطان پوری کے قطعات تاریخ اور سید رفیق عزیزی، شہزاد احمد، اختر خان ندیم وغیرہم کے تعارفی مضامین شامل ہیں۔ شہزاد احمد کا مضمون تحقیقی نقطۂ نظر سے قابل تحسین ہے۔

سادہ مگر پرکشش سرورق کے ساتھ اچھی جلد اور سفید کاغذ کی ۳۰۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب تنظیم استحکام نعت (ٹرسٹ) پاکستان قادری ہاؤس ۶۲۰، ۳۳/ ٹی کورنگی ڈھائی کراچی نمبر ۳۱ کے زیر اہتمام شائع کی گئی ہے کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

(عزیز احسن)

مرا پیمبر عظیم تر ہے

محمد متین خالد بارگاہِ رسالت میں اپنی محبتوں اور عقیدتوں کے گلاب اس سے قبل بھی پیش کر چکے ہیں......اور اب پھر وہ عشق رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی ایمان افروز نعتوں کا انتخاب لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

مرتب نے ورقہ بن نوفل سے لے کر صبیح رحمانی کے عہد تک کے چودہ سو سالہ دورانیے کا نعتیہ سرمایہ کھنگال کر ایک انتخاب پیش کیا ہے جس میں عربی کی سات، فارسی کی چار، اردو کی ایک سو تیس اور پنجابی کی چار نعتیں شامل ہیں۔

"نعت کیا ہے" کے زیر عنوان ایک مقفیٰ (قافیہ دار) اور مسجع (نثر میں فقرے کے آخر میں قوافی کا استعمال) عبارت ہے۔ میں اس تحریر کو مضمون کا نام نہیں دے سکتا کیونکہ اس میں ہر فقرے کا الگ الگ مطلب تو ہو سکتا ہے اس سے کسی مربوط فکر کا لبِ لباب ظاہر نہیں ہو سکتا۔ رجب علی بیگ سرور کی نثر اس نثر سے کم گنجلک ہوتی تھی۔ بہر حال محمد متین خالد نے حسن کارانہ انداز میں نعت کے بارے میں الگ الگ مقفیٰ اور مسجع فقرے لکھ کر جو ہنر دکھایا ہے اس کی داد نہ دینا بھی بیداد کے مترادف ہوگا۔

پروفیسر اقبال جاوید کا مضمون "نعت کہئے مگر احتیاط کے ساتھ" "تنقید نعت کے حوالے سے لائق تحسین کاوش ہے۔ یہ مضمون نعت رنگ کے کسی شمارے میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

اس کتاب کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کی جانے والی وہ نعت بھی مع منظوم ترجمہ شامل ہے جو ورقہ بن نوفل نے نزول وحی کا واقعہ سن کر حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں کہی تھی۔ عبد القادر خان نے ورقہ بن نوفل کے کلام کی آزاد ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

مرتب نے ہی۔ "نبی کریم ﷺ کے القاب اعلام کے زیر عنوان گلہائے عقیدت پیش کرتے

ہوئے اپنے ذوق قافیہ پیمائی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی یہ کاوش کتاب کے آخر میں زینت قرطاس بنی ہے۔ اس جگہ طباعت کے سلیقے اور القاب کی موزونیت کے باعث یہ تحریر دل موہ لینے والی ہے۔

"آداب نعت گوئی" اور "آداب محفل نعت" کے زیر عنوان علی الترتیب جناب ڈاکٹر عاصی کرنالی اور پروفیسر افضال احمد انور کی نظمیں بھی شامل کتاب ہیں۔

حفیظ تائب صاحب نے کتاب کا فلیپ لکھا ہے۔ کتاب میں بعض کمزور نعتیں بری کھٹکتی ہیں لیکن مجموعی تاثر اچھا ہے۔

سرورق پر کشش جلد مضبوط کاغذ بہت ہی اعلیٰ اور طباعت "نور علی نور" صفحات 223 قیمت عمومی ایڈیشن =/120 روپے اور اعلیٰ ایڈیشن =/150 روپے ہے جو انتہائی مناسب لگتی ہے۔ علم و عرفان پبلشرز C-7 ماتھر اسٹریٹ، لوئر مال روڈ، لاہور کے پتے سے منگوائی جا سکتی ہے۔

(عزیز احسن)

رزقِ ثناء

ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے کہا تھا "شاعری کے شائقین کی اکثریت کے لیے مذہبی شاعری ایک قسم کی ادنیٰ شاعری ہوتی ہے۔" اس حقیقت سے انکار تو ممکن نہیں ہے لیکن مذہبی شاعری کی طرف مائل شعراء اس تاثر کو بدل ضرور سکتے ہیں۔ ریاض حسین چوہدری ان گنے چنے شعراء میں شامل ہیں جو مذہبی شاعری کے حوالے سے شائقین شاعری کا تاثر بدلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کیونکہ وہ جدید شعریات (Modern Poetics) کا ادراک رکھتے ہوئے ادبی شان سے نعتیہ شاعری تخلیق کرتے ہیں۔

"رزق ثناء" ریاض حسین چوہدری کی نئی کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنے دینی خلوص کو ادبی اظہار کی اچھی مثالوں سے مزین کیا ہے۔ وہ اپنا نظریہ فن اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"ادب اپنے عہد کے تخلیقی اور سماجی رویوں کی کوکھ سے جنم لینے والی خوشبو کا نام ہے اور خوشبو کا امتیازی وصف یہ ہے کہ زمان و مکان کی حد بندیوں سے ماوراء ہوتی ہے۔" آگے چل کر لکھتے ہیں "شاعری جب دہلیز مصطفےٰ علیہ السلام کو چوم کر کیف دوام میں سرشار ہوتی ہے اور تخلیقی سطح پر خود سپردگی کے دائرۂ عمل میں آتی ہے تو نعت قرطاس و قلم کو اپنے وجود کے اظہار کا اعزاز بخشتی ہے۔"

ریاض حسن چوہدری کی شاعری ان کے نظریۂ فن اور تخلیقی محرکات کی عکاس ہے۔ رزق ثناء میں شامل نعتیہ نظمیں، غزلیں، گیت اور قطعات شاعر کے فن میں ادبی سطح کی بالغ نظری، عصری حسیت، جذبے کی شدت اور مذہبی خلوص کی آئینہ دار ہیں۔ یہ وہ شاعری ہے جسے ادب کا عام قاری محض مذہبی شاعری کہہ کر نظر انداز نہیں کر سکتا۔

ان گنت چہروں کے جنگل میں بھی تنہا ہوں حضور ﷺ
کب سے صحرائے شب کرب کے ذرّات میں ہوں

حجاز عشق پیمبر ﷺ کے رنجگو سُن لو
ادائے اذنِ حضوری اسی برس میں ہے
بھٹک رہی ہے مری روح کن جزیروں میں
حضور ﷺ کب سے بدن مقتل ہوس میں ہے

یہ لہجہ اردو نعت میں تجدد پسندی کی روایت کی تشکیل کا غماز ہے۔

خزینۂ علم و ادب، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور کے زیر اہتمام چھپنے والی یہ کتاب مضبوط جلد اور خوبصورت سرورق کے ساتھ ساتھ اچھے کاغذ اور دستی کتابت کی وجہ سے اور دیدہ زیب ہو گئی ہے۔ ۱۷۶ صفحات کی اس کتاب کا ہدیہ =/۳۰ روپے ہے۔

(عزیز احسن)

اوصاف

ایک زمانے میں اشتراکی پروپیگنڈے پر مبنی تحریروں کو ترقی پسند ادب قرار دیا جاتا تھا اور بد نصیبی سے مسلمان شعراء بھی ترقی پسندی سے، اسلام بیزاری ہی مراد لیتے تھے۔ چنانچہ اس تاریک دور میں کسی شاعر کا حمد و نعت کی طرف مائل ہونا، اس کی رجعت پسندی کی علامت قرار دیا جاتا تھا اس طرح حلقۂ شعراء میں وہ کم رتبہ ٹھہرتا تھا لیکن آخر مسلمان مسلمان ہے۔ اس کے قلب میں موجود ایمان کی روشنی کب تک چھپ سکتی ہے؟ چنانچہ بہت سے نام نہاد ترقی پسند، حمد و نعت کی طرف مائل ہوئے اور انہوں نے اس مقدس فضا میں قدم رکھتے ہی اپنا وجود تسلیم کروالیا۔ جمیل ملک بھی ترقی پسندی کی محدود اور اضطراری شاعری کے دائرے سے نکل کر فکر کی آفاقیت کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

"اوصاف" جمیل ملک کا پہلا "حمد و نعت" پر مبنی مجموعہ کلام ہے۔ جس میں ۳۱ حمدیہ اور تقریباً ۸۴ نعتیہ غزلیں اور نظمیں ہیں۔

جمیل ملک کی غزل، لہجے کی جس انفرادیت اور شعری رویے کی جس پہچان سے آشنا ہو چکی ہے۔ ان کی حمد و نعت بھی اس پختہ کاری اور اسلوب کی شستگی کی عکاس ہے۔

اُچھال بحرِ اُفق سے سفینۂ خورشید
بھٹک گیا ہے کہیں کاروانِ شب میرا
کٹ کٹ کے گر رہی ہیں صفیں جھوٹ کی تمام
سچائیوں کے ہاتھ میں تلوار آپ ﷺ ہیں
جب آفتاب رسالت کی روشنی پھیلی
تو کائنات سجی کتنے اہتمام کے ساتھ
بعد میں ان لفظوں کی چاہے کتنی ہو تفسیر
سب سے اوّل کام ہے تیرا امن، محبت، خیر

جو ترے نام پر نثار ہوا　　اس سے خود آملی بقائے دوام
تیری معراج سے ہوا معلوم　　کتنا اونچا ہے آدمی کا مقام

کتاب میں یثرب کا بار بار استعمال بھی کھٹکتا ہے اور بعض املا کی غلطیاں شعر کو ناموزوں بھی بنا دیتی ہیں مثلاً پیمبر کی جگہ پیغمبر۔ ایک شعر میں ستار العیوب "کوت" کی تشدید کے بغیر لکھا ہے جو جائز نہیں درج ذیل شعر میں فکری کجی ہے:

بخشے گئے گناہ جو سب کے بروز حشر
یزداں کی بھول تھی کہ سخاوت رسول ﷺ کی!

یہاں "یزداں کی بھول" قابلِ اصلاح ہے کہ ایمان باللہ کے منافی ہے۔

کتاب کا ٹائیٹل جاذب نظر ہے۔ کاغذ بھی اچھا ہے۔ 160 صفحات کی کتاب کی قیمت البتہ کچھ زیادہ ہے یعنی =/150 روپے کتاب کے ناشر نوید پبلشرز، این 222، پراچہ اسٹریٹ، راولپنڈی ہیں۔

کتاب کے بیک ٹائٹل پر احمد ندیم قاسمی کی رائے ہے۔

(عزیز احسن)

شوقِ نیاز

یہ عہد نعت رسول ﷺ کا عہد ہے۔ ہر طرف مدحت آقا ﷺ کا غلغلہ ہے اس لیے شعراء کو از خود تحریک ہوتی ہے کہ ان کا قلم بھی مدح سرکار دو عالم رقم کرے۔ اس لیے اب وہ شعراء بھی جو الحاد پرستی پر نازاں تھے اپنے الحاد سے تائب ہو کر نعت نگاری کی طرف مائل ہو گئے ہیں لیکن بعض شعراء کا کلام پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی نوائے عاشقانہ، اثر بہار کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کے جذب دروں کا تقاضا اور ایمان کی حرارت کا داعیہ ہے۔ سجاد مرزا کی حمد و نعت میں جگہ جگہ ان کی وارفتگی اور والہانہ پن اور سوزِ دروں کی جھلکیاں اس بات کی غمازی کر رہی ہیں کہ ان کی طبیعت از خود مائل بہ اظہار حب رسول ﷺ ہوتی ہے محض زمانے کا چلن ان کا راہبر نہیں ہوا ہے۔

سجاد مرزا کے بارے میں پروفیسر اسرار احمد سہاروی جا فرماتے ہیں کہ ”سجاد مرزا بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور اسی کوچے سے ہو کر نعت کے میدان میں آئے ہیں اس لیے ان کی ہر نعت میں غزل کی جھلک نظر نوازی کرتی نظر آتی ہے۔“

پروفیسر محمد اقبال جاوید اسی پہلو کو اس طرح اجاگر کرتے ہیں ”جب ایک سچے غزل گو کے قلم کو اس عظیم الشان انسان ﷺ کی مدحت کی توفیق ملتی ہے تو اس کا فنی حسن اس کے فکری انوار سے مل کر سحر حلال بن جاتا ہے سجاد مرزا کی ان نعتوں میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جو فنی نقطۂ نظر سے بھی بلند ہیں اور فکری لحاظ سے بھی دل آویز ہیں۔“

نقادانِ فن کے خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد کلام پر نظر ڈالیے تو وہ ان آراء کا آئینہ لگتا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دولتِ دید نبی ﷺ کشکول چشم تر میں ڈال
اے خدا! نورِ محمد ﷺ سے مری دنیا اُجال

وہ سراپائے مروّت، پیکر خلق عظیم
ان کی راہوں سے نقوشِ حسن سیرت مانگنا

یادِ جمال گلشنِ طیبہ میں ہر نفس
کھلنے لگے ہیں دیدہ و دل میں گلاب سے

ان کا اونچا نام

حکم خدا کے تابع ہیں

جن کے سارے کام

(ہائیکو)

خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد والی 144 صفحات کی یہ کتاب فروغ ادب اکادمی 108۔ بی سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔ کے زیر اہتمام چھپی ہے۔ ہدیہ 100 روپے ہے۔

(عزیز احسن)

صدائے اللہ اکبر۔ حریمِ ناز میں

خواتین کی شعری تخلیقات کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بیشتر شاعرات کے حوالے سے شک درست بھی ثابت ہوتا ہے...... لیکن مدت العمر شاعری کرنے اور کوئی مقام بنا لینے والی خواتین بھی شعری دنیا میں موجود رہی ہیں اور ہیں۔ جن کی کاوشِ فن اور تخلیقی اپج نیز علم و ادب سے بچی وابستگی ان شاعرات کو نہ صرف ایک قابلِ احترام مقام عطا کرتی ہے بلکہ ان کا اعتبار بھی قائم کرتی ہے۔ دنیائے ادب میں مقدس اصنافِ سخن صرف دو ہیں حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول اللہ ﷺ عجیب بات ہے کہ عربی، فارسی اور اردو میں جتنی نعتیہ شاعری ظہور پذیر ہوئی اتنی حمدیہ شاعری نہیں ہو سکی۔ اس کی وجوہات پر تو فی الحال گفتگو کرنا محال ہے لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ اب اردو دنیا میں حمدیہ شاعری کی جمع و تدوین کی طرف بعض لوگوں نے خصوصی توجہ دی ہے۔ کراچی میں غوث میاں اور طاہر سلطانی ایسی شاعری کی کتابیں مرتب کر رہے ہیں طاہر سلطانی نے پہلے خزینہ حمد پیش کر کے اپنی فکری راست سمتی اور حسنِ ترتیب کا ثبوت فراہم کر دیا تھا۔ اب انہوں نے خواتین کا ایسا کلام ترتیب دیا ہے۔ جس میں ربِ کریم کی حمد کی گئی ہو۔ بعض اہل نظر نے اس کام کو اوّلیات طاہر سلطانی میں شمار کیا ہے۔ اس کتاب میں طاہر سلطانی نے اللہ رب العزت کے ننانوے اسمائے حسنیٰ کی رعایت سے 99 شاعرات کا حمدیہ کلام پیش کیا ہے اور چونکہ کلام کے ساتھ ساتھ شاعرات کا تعارف بھی ہے اس لیے بجا طور پر اس مجموعے کو تذکرہ شاعرات کا بھی درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ متن کی استنادی شان اجاگر کرنے کے لیے مرتب نے حوالہ جات بھی درج کر دیے ہیں۔

تذکرہ نگاری کے شوق میں بعض جگہ موضوع (حمد) کی متانت مجروح کردی گئی ہے۔ ثمر بانو ہاشمی اور سارا شگفتہ کے احوال میں موزوں الفاظ اور راست پیرایۂ بیان استعمال کرنا ضروری تھا۔ میمونہ غزل کے بیان میں لکھا ہے "غالب کے دادا کی طرح میمونہ غزل کے دادا کی زبان بھی پشتو تھی (ص ۱۶۱) اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرتب نے غالب کے دادا پر بھی تحقیق کر رکھی ہے! بہر حال تذکرہ لکھنے کے لیے جس حزم واحتیاط کی ضرورت ہے وہ کتاب میں کمیاب ہے۔

پروفیسر آفاق صدیقی، پروفیسر شفقت رضوی، خواجہ رضی حیدر، عزم بہزاد، رشید وارثی، شہزاد احمد، پروفیسر مقصود پرویز، معظم علی امجد، ابن مختار انصاری وغیرہم کی تقاریظ اور طارق سلطان پوری کا قطعۂ تاریخ کتاب کی زینت ہے۔ خوبصورت ٹائٹل کی یہ مجلد کتاب ادارہ چمنستان حمد ونعت کراچی نے شائع کی ہے۔ ویلکم بک پورٹ، اردو بازار کراچی سے ایک سو پچاس روپے میں دستیاب ہے۔ صفحات ۲۴۸ ہیں۔

(عزیز احسن)

مالک ارض وسما

"مالک ارض وسما" میں وہ حمدیہ کلام جمع کیا گیا ہے جو بقید ردیف طرحی مشاعروں میں پیش کیا گیا تھا۔ روایت زدہ شعراء جدت کی طرف مائل ہوتے ہیں تو ردیف کی ندرت تک پہنچنا ان کی معراج ہوتی ہے لیکن افسوس روایت زدہ لوگ شعری روایت کا پاس ولحاظ بھی نہیں رکھ سکتے...... کیونکہ اس کام میں پتا مارنا پڑتا ہے۔ دبستان وارثیہ کے مشاعروں میں (جیسا کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے) ردیف متعین کردی جاتی ہے۔ قوافی اور بحر کے انتخاب میں شعراء آزاد ہوتے ہیں لیکن حمد ونعت میں کامیابی محض کیت (Quantity) کی ہوتی ہے اشعار میں تخلیقی بصیرت صرف کہیں کہیں جھلکتی ہے پھر مشاعروں میں تو واہ واہ کی فضا قائم ہونے کے باعث بھی اور شعراء وسامعین کی شعری تفہیم اور ذوق کی یکساں سطح کے حوالے سے بھی، ایسی شاعری کچھ داد وصول کرلیتی ہے لیکن کتاب میں چھپ کر لسانی عیوب خیال کی کجی اور بیان کی بے احتیاطیاں زیادہ واضح ہوجاتی ہیں لہٰذا کتابی سطح پر داد صرف تحسین باہمی کے جذبے ہی کے تحت دی جاسکتی ہے کیونکہ اس شاعری میں قافیہ پیمائی کی کوشش اور ردیف کی چول سے چول بٹھانے کی آرزو کہیں کہیں ہی پوری ہوسکی ہے۔

مزید برآں معلوم ہوتا ہے کہ مرتب کی مجبوری یہ تھی کہ ان تمام شعراء کا کلام شامل کتاب کیا

جائے جو مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور ان کا بھی تمام کا تمام کلام محفوظ کرنے کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے اس لیے یہ انتخاب شاعری کا نہیں ہے بلکہ دبستانِ وارثیہ کی چشم محبت کو بھا جانے والے ان لوگوں (شعراء) کا انتخاب ہے جو شعرائے کرام کی بھیڑ میں سے شعری نشستوں میں شرکت کے لیے منتخب کیے گئے یا جن لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ

شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فنِ ما

(شعر نے خود یہ خواہش کی کہ ہمارا فن بن جائے)

ایسی صورت میں کتاب میں رہ جانے والے شعری اسقام مرتب یا دبستانِ وارثیہ کے سر نہیں تھوپے جاسکتے۔

بہت سی حمدوں میں دین کے مسلمہ حقائق کو اس طرح پیش کیا گیا ہے جیسے اللہ رب العزت کو (نعوذباللہ) اطلاع فراہم کی جارہی ہے۔

نمونۂ کلام خوف طوالت حذف کرتا ہوں۔ لیکن ایک دو مثالیں پھر بھی نقل کرنا ہی پڑیں گی۔ کتاب پڑھتے ہوئے محسوس ہوا کہ شوق قافیہ پیمائی اور ندرت ردیف کے عشق میں اچھے خاصے شاعر بھی توازن قائم نہیں رکھ سکے۔ مثلاً

خالق کون و مکاں پروردگارِ رنگ و نور

تو ہے مرکز گرد ہے تیرے مدار رنگ و نور

منصور ملتانی کے اس شعر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے گرد بھی کوئی شے ہے...... اس خیال سے اللہ کے محیط کل ہونے کا حقیقی نظریہ متزلزل ہوتا نظر آتا ہے...... حالانکہ شاعر نے عقیدہ نہیں بدلا ہے محض قافیہ سنوارنے کی سعی کی ہے۔

میرے مولا نے انھیں بخشا ہے حسن لازوال

اس لیے اترا رہے ہیں آفتاب و ماہتاب

(شفیق بریلوی)

آفتاب و ماہتاب تو خود طلوع و غروب ہو کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ان کا حسن لازوال نہیں ہے...... لیکن شاعر نے اترانے کی کیفیت کا تصور کر کے آفتاب و ماہتاب کے حسن کو لازوال بنا ڈالا۔

اسی طرح درج ذیل شعر میں تصورات میں نقص مترشح ہے کہ محض ردیف ٹانکنے کے شوق میں رب کو مکان یا مقام کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔

جلووں سے ہے خدا کے معمور گوشہ گوشہ
یوں ہو گیا ہے رب کا پر نور گوشہ گوشہ
(شفیق بریلوی)

اس موقع پر مجھے سترھویں صدی عیسوی (۱۶۳۶ء۔۱۷۱۱ء) کا ایک فرانسیسی نقاد "بولو" یاد آگیا جس نے کہا تھا "اس وقت جب تم خدا کو اپنی بد شاعری (بری شاعری) کا موضوع بناتے ہو تو خود پسند ملحد بھی اسے سن کر کانپ اٹھتا ہے۔"

بہر حال جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ مجموعہ، حمدیہ کلام کا انتخاب نہیں ہے بلکہ دستیاب کلام کا مجموعہ ہے اس لیے اس میں جہاں اسقام ہیں وہیں اچھے اشعار بھی مل جاتے ہیں مثلاً

گنہگار ہوں تیرے در پر کھڑا ہوں
میں رکھتا ہوں اشک ندامت اثاثہ
(منصور ملتانی)

رب کعبہ کے کرم پر سب کو ہے منصور ناز
سر خوشی میں کر رہے ہیں سب تمھارے طواف
(منصور ملتانی)

نور اپنا بھر دیا کونین میں
سب کی پیشانی میں رکھ دی آب وتاب
(شفیق بریلوی)

کتاب میں اور بھی اچھے اشعار ہیں لیکن میں نے قصداً انہی شعراء کے اچھے اشعار نقل کیے ہیں جن کے تسامحات کی نشاندہی کی تھی۔

نمونہ کلام کے ساتھ ساتھ کتاب میں شعراء کے ذاتی کوائف بھی درج کر دیے گئے ہیں اور اس طرح یہ مجموعۂ حمد ایک تذکرہ بھی بن گیا ہے۔ ناانصافی ہوگی اگر میں طباعت کی خوش سلیقگی کی تعریف نہ کروں۔ سفید کاغذ، دیدہ زیب سرورق، مضبوط جلد کی یہ کتاب ۳۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا ہدیہ

=/190 روپے ہے جو کہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کتاب کے ناشر ہیں۔ داستانِ وارثیہ، ۱۲۔ایل، ۴۴۶ اورنگی، کراچی۔ نوابزادہ افتخار احمد عدنی کی گرانقدر رائے بھی کتاب میں شامل ہے۔

(عزیز احسن)

والفجر

میکل اتساہی کا شمار ہندوستان کے معروف شعراء میں ہوتا ہے وہ کوئی تیس پینتیس برس سے نعت کے میدان میں فکر کے پھول کھلانے میں مصروف ہیں۔ ان کی نعتوں کے مختصر مجموعے نغمۂ میکل، نشاطِ زندگی، بزم رحمت، آفتاب نور حسن مجبی، موج تسنیم، ام گل، کلام میکل اور ترانہ میکل وغیرہ شائع ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ نوریزداں، نور کی برکھا، سرورِ جاوداں اور عرش کا جلوہ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۹۲ میں اُن کا پہلا باقاعدہ نعتیہ مجموعہ کلام "والضحیٰ" منظر عام پر آیا۔ اور اب یہ زیرِ نظر کتاب "والفجر" (سن اشاعت) ۱۹۹۷ میں ظہور پذیر ہوئی اس میں ان کے ابتدائی نعتیہ کلام کا بڑا حصہ شامل ہے۔ اس میں مختلف اقسام نظم یعنی ردیف قافیے کی پابند غزلیہ نعتیں، نعتیہ نظمیں، ہائیکو، ماہیے، دوہے، قطعات اور پوربی اودھی اور بھوجپوری بھاشاؤں میں خوبصورت نعتیہ گیت موجود ہیں۔

ان کی اردو شاعری بھی پختہ کاری کا نمونہ ہے مگر اِن کا خاص رنگ اِن کے لوک بھاشاؤں میں کہے ہوئے رسول پاک کی مدحت سے مہکتے ہوئے گیتوں میں سے چھلکا پڑتا ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ گیت بہت لہک لہک کر محفلوں میں پڑھے جاتے ہوں گے۔

کتاب کے شروع میں تقریظات ڈاکٹر شرر مصباحی، محمد صابر القادری، نسیم بستوی، اور ابرار کرتپوری کی تحریر کردہ ہیں۔ چہ گفتم کے عنوان سے ابتدائیہ شاعر کا اپنا لکھا ہوا ہے اس کے بعد حضرت حسان بن ثابتؓ کی اور حضرت احمد رضا خان کی ایک ایک نعت ہے اور پھر شاعر کا کلام ہے۔ ۱۸۰ صفحات کی یہ کتاب سفید کاغذ اور رنگین سرورق کے ساتھ بیگم صغریٰ خانم سول لائن بلرام اتر پردیش ہندوستان نے شائع کی ہے۔ اور اس کی قیمت ۷۰ روپے انتہائی مناسب ہے۔

(منور ملتانی)

خالقِ ذوالجلال

"خالق ذوالجلال" کے عنوان سے شائع شدہ اس شعری مجموعے میں محامد اور مناجات شامل ہیں اسی لئے سرورق کے اُوپر اسے "منظوماتِ حمد" کا سرنامہ دیا گیا ہے اور اندر ضابطہ کے صفحہ پر سے قسم تخلیق میں بھی یہی لکھا گیا ہے۔ نئی دہلی انڈیا سے ۱۹۹۴ میں شائع ہونے والی زیرِ نظر کتاب ابرار کرت پوری کے مزاجِ شاعری کی عاجزانہ کاوش ہے۔ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے پہلے باسٹھ صفحات میں تعارفی مضامین شاعر کی سوچ کا اظہاریہ ۱۹۹ اسماء الحسنٰی کی فہرست اور پھر بعد میں ۱۱۲۷ اسماء کی تشریحات مندرج ہیں ان کے بعد حضرت ابوبکر کی مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات پھر مولانا ادریس کاندھلوی ابوالفیض فیضی، ناصر خسرو، ابن آدم سنائی اور نورالدین ظہوری کی عربی اور فارسی محامد مع ترجمہ ہیں پھر ایک مخصوص دُعا اور اس کے بعد شاعر کی تخلیقی کاوشیں موجود ہیں جن کی ابتداء قطعہ سے ہوتی ہے جو اسم ذات یعنی اللہ کی یکتائی کے بارے میں ہے گویا شاعر نے اس کتاب کو ہر لحاظ سے تحفہ سالکین بنانے کی کوشش کی ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں ابرار کرتپوری کی کل چھتیس تخلیقات شامل ہیں جن میں ایک قطعہ آٹھ غزلیہ محامد گیارہ غزلیہ مناجات تین معرا نظمیں سات نظمیں اور چھ مسدس ہیں۔ شاعر کے مزاج میں خاص روانی الفاظ کا مناسب چناؤ اور خیال کی وسعت ان تمام تخلیقات کی صفات عالیہ کہی جاسکتی ہیں۔ عموماً چھوٹی بحریں چنی گئی ہیں جن سے شاعر کی سادگی کا اظہار ہوتا ہے مگر اکثر جگہ بات میں گہرائی اور گیرائی کی کمی محسوس ہوتی ہے رنگین سرورق اور سفید کاغذ پر یہ کتاب جمینی پبلشرز چتلی قبر دہلی نے خوبصورتی سے شائع کی ہے اور اس کتاب کی قیمت سو روپے مناسب ہے۔

(منصور ملتانی)

حمد نامہ

شاعروں کی نئی نسل سے تعلق رکھنے والی شیبا حیدر رضی نے کسی بھی خاتون کی طرف سے پہلے شعری حمدیہ مجموعے کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ "حمد نامہ" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ رب کریم کی محامد پر مشتمل ہے اس کتاب کو شاعرہ نے چار ابواب بلکہ انوار میں تقسیم کیا ہے اور اسے نورِ اوّل، نورِ دوم، نورِ سوم، اور نورِ چہارم سے معنون کیا ہے جس کی بظاہر کوئی وجہ سمجھ نہیں آئی اور نہ ہی شاعرہ نے خود اس بات کی

کوئی وضاحت کی ہے۔

نورِ اوّل میں بارہ غزلیہ حمدیں ہیں۔ نورِ دوم ایک طویل حمدیہ مسدس پر مشتمل ہے جس کے ۹۹ بند ہیں نورِ سوم میں ۲۷ بندوں پر مشتمل ایک مخمس ہے اور آخری نور یعنی نورِ چہارم میں اللہ کے ۱۹۹ اسماء کے بارے میں حمدیہ قطعات ہیں۔ نورِ اوّل میں شامل غزلیہ حمدوں پر عنوانات قائم کئے گئے ہیں حمد رب ذوالجلال والاکرام، حمد پروردگار، حمد باری تعالیٰ وغیرہ جو غیر ضروری محسوس ہوتے ہیں۔

نورِ دوم کی مسدس میں شاعرہ کا لہجہ خاص روانی لئے ہوئے ہے اور رواں دواں بحر میں کئی اشعار بہت اچھے ہیں تاہم اس مسدس میں غیر مانوس الفاظ / قوافی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جن کا مفہوم نہ تو اُوپر کے تین مصرعوں میں واضح ہوتا ہے اور نہ ہی اس مصرعے میں جس میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

جہاں تک نورِ سوم کی مخمس کا تعلق ہے اس میں عمومی طور پر بند کے ابتدائی مصرعوں میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کو شامل کیا گیا ہے۔ جبکہ نورِ چہارم میں ۱۹۹ اسمائے الٰہی پر قطعات راقم الحروف کی کتاب "مرسل ومرسل" سے استفادہ نظر آتے ہیں بہت سارے قطعات میں اسماء الٰہی کے مفہوم کی وضاحت بھی مناسب طور پر نہیں کی گئی۔ مجموعی طور پر شاعرہ کی ناپختگی کا اظہار زبان وبیان کی غلطیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ مصرعوں کی بندش بھی چست نہیں ہے۔ ایس این پبلی کیشنز نے یہ کتاب رنگین گردپوش کے ساتھ شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۱۰۰ روپے کاغذ اور چھپائی کے لحاظ سے مناسب ہے۔

(منصور ملتانی)

یاایھاالمزمّل

قمرالحسن قمر بستوی مصباحی کا نعتیہ مجموعہ کلام "یا ایُّھا المزمّل" کے عنوان سے رضوی کتاب گھر دھلی نے پیپر بیک خوبصورت رنگین سرورق اور سفید کاغذ پر شائع کیا ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ نعت کی تقدیم علامہ بدرالقادری مصباحی (ہالینڈ) نے تحریر کی ہے جب کہ سروشِ دل کے عنوان سے ابتدائیہ شاعر کا اپنا تحریر کردہ ہے۔ شروع میں حصولِ برکت کے لئے ایک حمد اور ایک التجائیہ ہے اور اس کے بعد اڑتالیس غزلیہ نعتیں شامل کی گئی ہیں۔

قمر بستوی کا تعلق دبستان احمد رضا خان سے ہے اور ان کے بقول شاعری میں رہنمائی انہوں نے مولانا احمد رضا خان کے دیوان "حدائقِ بخشش" سے حاصل کی ہے۔ اسی لئے شاید انہوں نے مولانا کی کئی

مشہور زمینوں میں بھی نعتیں تحریر کی ہیں۔ اور واضح طور پر ان کی شاعری میں عقائد اھلِ سنت والجماعت کا بیان ہے۔

شاعرانہ طور پر یہ مجموعہ روایات کی پاسداری کا امین ہے اور اس میں سیرت رسول سے زیادہ شمائل پاک کا ذکر کیا گیا ہے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ گناہوں کی معافی اور محشر میں شفاعت کو سب سے نمایاں موضوع بنایا گیا ہے۔

(منصور ملتانی)

وسیلۂ نجات

ساحر شیوی، بحیثیت شاعر اب تک چھ شعری مجموعے "نیم شگفتہ" (۱۹۷۹)، "وقت کا سورج" (۱۹۸۳) "صحرا کی دھوپ" (۱۹۸۷) "سلسلہ منتشر خیالوں کا" (۱۹۹۱) "پانچواں آسمان" (۱۹۹۴) اور "ابھی منزل نہیں آئی" (۱۹۹۶) میں پیش کر چکے ہیں۔ اس سے ان کے شاعرانہ قد و قامت کا خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس بار انہوں نے نعتیہ مجموعہ "وسیلہ نجات" کے عنوان سے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں سید معراج جامی، پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم خلیل اور ڈاکٹر عبدالغفار عزمؔ کی تحریر کردہ تعارفی تقریظات ہیں۔

شعری حصہ "دعائیہ" سے شروع ہوتا ہے۔ غزلیہ اور نظمیہ ہیئتوں میں بارہ حمدیہ کاوشیں پہلے پہلے نظر نواز ہوتی ہیں۔ نعتیہ حصے کی ابتداء مسدس بعنوان "ولادت ناخدائے اسلام" سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد بتیس نعتیں ہیں جس میں درود و سلام بھی شامل ہے۔ نعتیہ حصے کے ختم ہونے پر مناقب ہیں جن کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر غوث الاعظم تک ہے یہ کل گیارہ مناقب ہیں اس کے بعد رباعیات ہیں ۱۲ حمدیہ اور ۷ انعتیہ رباعیات ہیں۔ قطعات میں پہلے ۱۲ حمدیہ قطعات ہیں پھر ۱۲ نعتیہ قطعات ہیں ہائیکو کے حصے میں ۶ حمدیہ اور ۱۶ نعتیہ ہائیکو ہیں۔ آخر میں ماہیے کا حصہ ہے جس میں ۶ حمدیہ اور ۶ نعتیہ ماہیے ہیں۔ یوں شاعر نے مختلف اصناف سخن میں حمد و نعت کے موتی بکھیرے ہیں۔

مجموعے میں روایتی نعتیہ شاعری کا اثر زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ جس کا محرک محبت اور عقیدت کے جذبات ہوتے ہیں۔ زیادہ تر اشعار میں سادگی سلاست اور روانی قابل داد ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

سب کو پہنچا گئی پیام خدا شانِ پیغمبری محمد ﷺ کی

جو پہنچے وہاں انسان بن کر ہی نکلتا ہے؟ ایک نورِ ہدایت ہے دربارِ رسالت میں

اوّل و آخر باطن و ظاہر ہر حالت میں صابر و شاکر

شانِ رسالت اللہ اکبر میرے نبی ہیں پیارے محمد ﷺ

خوبصورت سرورق کے ساتھ سفید کاغذ پر یہ کتاب وجے پبلشرز نئی دہلی انڈیا نے شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ =/150 کچھ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ بہر حال ساحر شیوی اس سعادت کے حصول پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

یہ ہیں کارنامے رسولِ خدا کے

راجہ محمد عبداللہ نیاز مرحوم کے نعتیہ ترجیع بند پر مشتمل یہ کتاب جس کی اشاعت اوّل مدرسہ نور اسلام رحیمیہ لیہ نے 1967ء میں کی تھی۔ اردو دنیا کے اہم شاعر جعفر بلوچ نے دوبارہ ترتیب دے کر دار اللہ کیر سے شائع کیا ہے۔ یوں یہ کتاب مرحوم شاعر کی وفات سے ستائیس سال بعد منصۂ شہود پر نئی آب و تاب کے ساتھ آئی ہے اور اس سلسلے میں جعفر بلوچ کی خدمات قابلِ ستائش ہیں کہ اس دورِ خرابی میں جب اپنا کام پورا نہیں ہوتا راجہ عبداللہ نیاز کے کام کو آگے بڑھانا یقیناً دلی خلوص کی خوبصورت مثال ہے۔

راجہ عبداللہ نیاز کی یہ شعری کاوش "یہ ہیں کارنامے رسول ﷺ خدا کے" ایک طویل نعتیہ نظم ہے جس کے لیے بحر راجہ صاحب نے مسدس حالی والی اختیار کی ہے مگر یہ ہیئت کے اعتبار سے ترجیع بند ہے۔ اور اس میں کل 25 بند ہیں جبکہ ٹیپ کے شعر کو چھوڑ کر 450 اشعار پر مشتمل ہے اور بقول جعفر بلوچ نیاز صاحب نے اپنے اس نعتیہ ترجیع بند میں حضور رسالت مآب ﷺ سے اظہار عقیدت و ارادت کے ساتھ ساتھ اسلام کی علمی، عسکری، تہذیبی اور تمدنی فتوحات کو بھی بطریق احسن نمایاں کیا ہے اور اسلام کے تعمیری اور انقلابی پیغام کو بھی صراحت۔ لطافت اور خوبصورتی کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔

ہر بند کے آخر میں مفہوم کے اعتبار سے اشعار کو اس طرح ڈھالا ہے کہ آخر میں ٹیپ کا شعر خوبصورتی سے فٹ ہو سکے۔ شاعر نے ایک ایک شعر میں ایسی ایسی خوبصورت تلمیحات نظم کی ہیں کہ اشارات پڑھ کر پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ کچھ تلمیحی اشعار دیکھئے۔

جب اندلس کا غازی کنارے پہ اترا

وہیں اس نے ایک ایک کشتی جلا دی

مرا کو کے فاتح نے راہ خدا میں

جب ایڑ اپنے گھوڑے کو اٹھ کر لگادی

اٹھا سعد اک مختصر فوج لے کر

تو تھرا گئی سطوت کیقبادی

حضور علیہ پاک کے فرمودات کا بالفاظ قرآن ذکر کرتے ہوئے دیکھئے کیا اچھے اچھے اشعار تخلیق

ئے ہیں۔ مثلاً

کہا "اسجدو" اور زمیں پر دکھا دی

بشر نے ادائے ملائک خصالی

کہا "وارکعو" اور ہوئے سر بزانو

ادانی کے پہلو بہ پہلو اعالی

کہا "انظرو" جس کی تاکید کر کے

علومِ جدیدہ کی بنیاد ڈالی

پوری نظم خوبصورت شاعری کا گلدستہ ہے۔ نظم کے بعد ۳۴ اشعار پر مشتمل مجاہدین مشرق کا جنگی ترانہ ہے اور آخر میں خاصے کی چیز کے طور پر شہنشاہ دوعالم علیہ کی بارگاہ میں نذر گوہریں ہے جو اکیس اشعار پر مشتمل ہے۔ منظوم کاوشوں کے بعد فرہنگ ہے جس میں تمام تلمیحات اور مشکل الفاظ کی وضاحت دی گئی ہے۔ اس کے بعد جعفر بلوچ صاحب کے دو مضامین "نیاز صاحب، حالات حیات اور "راجہ محمد عبداللہ نیاز کی نعت نگاری ہے اور اختتام پر اعتراف کمال کے عنوان سے نعیم صدیقی، حفیظ تائب، ڈاکٹر تحسین فراقی، نظیر لدھیانوی ڈاکٹر حامد خان حامد اور طاہر شادانی کی آراء بھی شامل ہیں۔ یہ خوبصورت اور خوب سیرت کتاب دار التذکیر اردو بازار لاہور نے سفید کاغذ پر شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ صرف =/۴۰ روپے رکھا گیا ہے۔

(منصور ملتانی)

ادب و نعت کا سراجِ روشن ___ حافظ لدھیانویؒ

ہ حافظ لدھیانویؒ کی صورت میں ادب و نعت کا ایک زریں عہد ختم ہوا ___ آہ ___ "ایک روشن سراج تھا نہ رہا" مولانا حالیؔ کے مصرع میں تصرف کا جواز حضرت حافظ لدھیانویؒ کے اصل نام نے مہیا کیا، جو سراج الحق تھا ___ حافظ صاحب ادب کے کئی میدانوں میں قابل قدر خدمات سرانجام دینے کے بعد رفتہ رفتہ ہمہ تن نعت بلکہ فنافی النعت ہو گئے اور انہیں علائق دنیوی سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ آخری دور میں خوفِ آخرت نے انہیں بہت گداز بلکہ نڈھال کر دیا تھا۔

حافظ لدھیانوی صاحب قرآن خوانی اور تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اسلام آباد/راولپنڈی سے بس پر سوار ہوتے ہی تلاوت شروع کر دیتے اور لاہور یا فیصل آباد پہنچنے تک قرآن پاک ختم کر لیتے۔ عمرہ کے لئے روانہ ہوتے تو پورا قرآن مجید، حامل قرآن (ﷺ) کی نذر کے لیے تلاوت کر لیتے۔ بیت اللہ شریف یا حرم نبوی میں قریب بیٹھے ہوئے لوگوں اور ساتھیوں کو نوافل یا درود شریف پڑھنے کی ترغیب دلاتے رہتے۔ ایک مرتبہ کعبۃ اللہ میں بیٹھے ہوئے ایک معمر آدمی سے کہا "بابا جی! کچھ نفل ہی پڑھ لیجئے۔" تو بابا جی نے جواب دیا "بیٹا! مجھے کچھ پڑھنا نہیں آتا ___ بس لوگ کھڑے ہوتے ہیں تو میں بھی کھڑا ہو جاتا ہوں اور جو جو کچھ وہ کرتے جاتے ہیں، میں بھی وہی کچھ کرتا چلا جاتا ہوں۔" یہ جواب سن کر حافظ صاحب بے ساختہ رونے لگے۔

مجھے حافظ صاحبؒ کی ۲۷ برس تک رفاقت نصیب رہی۔ میں سفر و حضر میں ان کی محبتوں، رہنمائیوں اور دعاؤں سے فیضیاب ہوتا رہا۔ نور کے سمندر ___ قرآن پاک کو سینے میں سمونے اور قرآن پاک اور نعت شریف کو زندگی بنا لینے والے، اس صاحب تقویٰ کھرے، سادہ اور معصوم انسان سے مجھے بڑا گہرا قلبی تعلق رہا ___ وہ بھی ہمیشہ میری دوستی کا دم بھرتے رہے۔ چنانچہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو جب میں ان کے جنازے میں شرکت کے لئے فیصل آباد گیا تو حافظ صاحب کے رفیقوں، نیاز مندوں اور عزیزوں نے مجھے رلا رلا دیا۔ ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں کہتا "آپ کے دوست حافظ صاحب آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ کا ذکر خیر ہر وقت کرتے تھے۔ جب بھی ہم ان کے پاس آتے، وہ آپ کو ضرور یاد کرتے تھے ___" ایسی باتیں سن کر مجھے یاد آتا کہ جب پہلے میری بیماری شدت اختیار کر گئی تو حافظ صاحب بیت اللہ شریف پر

پہلی نظر پڑنے کے وقت میرے لئے دعا فرماتے کہ اس وقت دعا کی قبولیت لازمی ہوتی ہے۔ یہ ان کے ایثار و اخلاص کی اعلیٰ ترین مثال ہے جبکہ مجھ پر ان کے اور بھی کئی احسانات ہیں۔ ایسی شفقتوں کے باعث مجھے ان کی دوستی بہر صورت عزیز رہی۔ مجھے ان کی دوستی پر ہمیشہ ناز رہا اور یہ آرزو دل میں موجزن رہی کہ ان کی رفاقت بعد محشر بھی نصیب ہو۔

حافظ صاحب کی باتوں اور تحریروں سے ان کی شخصیت و فن کا خاکہ کچھ یوں مرتب ہوتا ہے:

سراج الحق حافظ لدھیانوی ۷ر جولائی ۱۹۲۰ء کو لدھیانہ میں حافظ محمد عظیم رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پھگواڑہ ریاست کپورتھلہ کے پرائمری اسکول میں ہوئی، جہاں ان کے والد بزرگوار ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کے والد محترم جامع مسجد میں خطیب و امام بھی تھے اور ان کا شمار لدھیانہ کے جید حفاظ میں ہوتا تھا۔ وہ شعر بھی کہتے تھے۔ حافظ صاحب تیسری جماعت میں تھے، جب دو لڑکے حفظ قرآن کے لئے ان کے والد صاحب کے پاس آئے۔ اس موقع پر ان کے والد محترم نے کہا "سراج! تم بھی کلام پاک حفظ کر لو ـــــ حافظ صاحب نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا ـــــ والد محترم نے بازار سے انگور منگوائے اور ان لڑکوں کے ساتھ حافظ صاحب کی بھی بسم اللہ ہو گئی۔ گھر میں والدہ ماجدہ اور ہمشیرگان نے بھی بہت خوشی منائی اور شیرینی بانٹی گئی ـــــ کلام پاک کے اعجاز سے زبان صاف ہو گئی جبکہ پہلے وہ کئی لفظ ٹھیک ادا نہیں کر پاتے تھے۔ دو سال میں کلام پاک حفظ کر لیا اور بڑی صحت کے ساتھ تلفظ کی ادائیگی کرنے لگے۔ وہ ملازمتوں کی ذمہ داریوں کے باوجود نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک تراویح میں قرآن پاک سناتے بھی رہے۔ یونگ کرسچین اسکول (مشن سکول) لدھیانہ سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج سے بی۔ اے کیا۔ میٹرک ہی کے زمانے میں شعر کہنے لگے تھے اور شاعری کا ذوق ساحر لدھیانوی، م۔ حسن لطیفی، علاء الدین کلیم، نصیر احمد زار، احمد ریاض، اکرم یوسفی، فاخر ہریانوی اور اصغر حسین نظیر کی صحبتوں میں نکھرتا چلا گیا ـــــ قیام پاکستان کے بعد پہلے لاہور میں قیام کیا اور پھر ملازمت کے سلسلے میں راولپنڈی رہے اور بالآخر فیصل آباد آ گئے، جہاں ڈپٹی ڈائریکٹر نیشنل سیونگز کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور اسی شہر کے ہو کر رہ گئے۔

حافظ صاحب نے جوانی کا زمانہ غزل گوئی میں گزارا۔ اس دور میں انہیں جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری، صوفی تبسم، احسان دانش، سید عابد علی عابد، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، عبدالحمید عدم، ناصر کاظمی جیسے شعراء کی رفاقتیں نصیب ہوئیں۔ اس دور کا ماحصل غزلیہ مجموعہ "خامہ مژگاں" کی صورت میں ۱۹۲۹ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ جس میں حفیظ، فیض اور الطاف پرواز کی بھرپور تحسین شامل تھی۔ زندگی کے اس دور میں بھی تراویح میں قرآن پاک سناتے رہے کہ دینی مزاج کی آبیاری مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا عبدالقادر رائے پوری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے بزرگوں سے وابستگی کی بدولت ہوتی رہی تھی۔

نعت گوئی کی طرف انہیں محمد عارف خاں عرف بھائی جان نے راغب کیا جن کے حلقہ ارادت میں یوسف ظفر اور کئی اور ذہین فطین لوگ تھے۔ ایک مشاعرے کے بعد یوسف ظفر، حافظ صاحب کو بھائی جان کے پاس لے گئے۔ بھائی جان نے حافظ صاحب سے غزل سنیں اور کچھ دیر شعر و ادب کے باب میں گفتگو کرنے کے بعد حافظ صاحب سے دریافت کیا "کبھی نعت بھی کہی ہے؟" حافظ صاحب نے جواباً کہا "ایک آرزو ہے کہ روضہ اطہر پر حاضری کے وقت رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں ہدیہ نعت پیش کروں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری یہ آرزو پوری کرے۔" بھائی جان نے یہ سن کر تین بار "وار چل گیا" کے لفظ ادا کئے۔ حافظ صاحب نے پوچھا "بھائی جان کس کا وار چل گیا؟" کہنے لگے "شیطان کا" حافظ صاحب نے پوچھا وہ کیسے؟" فرمایا "شیطان کا ایک حربہ یہ بھی ہے کہ خیر کے کاموں میں ایسی آرزوئیں، امنگیں پیدا کر کے دیر کرایا کرتا ہے۔ خیر اور بھلائی کے کاموں میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے۔" پھر فرمایا "حافظ صاحب اگر آپ کی حاضری دو سال، چار سال، دس سال نہ ہو تو نعت کہنے کی سعادت سے محروم رہو گے۔ یہ محرومی شیطان کے اس حربے کی وجہ سے ہو گی۔ خدانخواستہ اگر ساری عمر اذن باریابی نصیب نہ ہو تو ساری عمر غزل گوئی میں صرف ہو جائے گی، نعت کی طرف رجوع نہ ہو گا" اس پر حافظ صاحب نے کہا "بھائی جان نعت کہنے کی کوشش کروں گا۔" انہی دنوں چوہدری حبیب فیصل آبادی نے بھی حافظ صاحب سے نعت کہنے کی فرمائش کی تھی ____ یہ بات ہے ۱۹۲۸ء کی جب حافظ صاحب کی طبیعت نعت گوئی کی طرف مائل ہوئی۔ چنانچہ ۱۹۷۱ء میں ان کا پہلا مجموعہ نعت "ثنائے خواجہ" چھپا۔ اس مجموعے میں حفیظ جالندھری اور حافظ مظہر الدین کے مقدمات اور احمد ندیم قاسمی کا تعلیقہ شامل تھا۔ عظیم نعت نگار حافظ مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا "نعت کہنے کے لئے جس گداز قلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حافظ صاحب کے دامن میں موجود ہے۔ وہ ازل ہی سے یہ سرمایہ سمیٹ لائے تھے۔" حضرت احمد ندیم قاسمی نے مختصر تاثر میں یہ لکھا تھا "حافظ کی نعت مستقبل کی نعت گوئی کا آئینہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نعت کی سی نازک صنف میں اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے والوں میں حافظ لدھیانوی کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔" اس کتاب میں فاضل عارف حافظ محمد افضل فقیر رحمۃ اللہ علیہ کے عربی و فارسی میں کہے ہوئے قطعہ ہائے تاریخ بھی شامل ہیں۔ فقیر صاحب کا ایک شعر۔

حافظ سخن وریست کہ از نعتِ مصطفیٰ   باب کرم بہ راہروانِ حرم کشاد

حافظ صاحب نے ۳۰ برس تک نعت کہی اور اب تک پچیس نعتیہ مجموعے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں اور غالباً دو نعتیہ مجموعے ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ غزل گوئی کی مشق آڑے آئی اور نعت میں ان کا متغزلانہ لب و لہجہ ان کی شناخت ٹھہرا۔ حدود شناسی ان کی نعت کی تخصیص ہے جو عہد جدید میں معیار کا درجہ رکھتی ہے۔ حاضری و حضوری کا بیان بہت شوق افزا ہے، جسے وہ کئی رنگوں میں بیان کرتے چلے گئے ہیں اور ان کے یہ

مضامین ہمیشہ تر و تازہ لگتے ہیں۔ سیرت طیبہ کے نقوش و عکوس ان کی نعت میں جابجا بہار دکھاتے ہیں۔ مثنویوں میں ساقی نامے بہت وقیع و رفیع ہیں۔ نعت میں قطعات و رباعیات کے مستقل مجموعے اور حرم نبوی کے ترانے ان کی اولیات میں سے ہیں۔

ایک مجموعہ غزل، ۲۶ نعتیہ مجموعے، تین حمدیہ دیوان، تین حج و عمرہ کے سفر نامے، تین شخصی خاکوں کے مجموعے، ایک خود نوشت، ایک متفرق منظومات کا مجموعہ (ہمہ رنگ) اور ایک غزل پاروں کا مجموعہ "جگر لخت لخت" یادگار رہیں گے۔ خاتم النبیین ﷺ کے حضور ہدیہ اشعار اور سلام بحضور سید خیر الانام ﷺ جیسے کتابچے اور احادیث کے کئی انتخاب بھی انہوں نے چھپوائے۔

۱۹۷۴ء میں جب پہلی بار سفر حج کے لئے روانہ ہوئے تو چہرے پر ریش مبارک کا اضافہ ہو چکا تھا اور واپسی پر پہلا سفر نامہ "جمال حرمین" تیار تھا۔ بعد میں بہت سی حاضریاں نصیب ہوئیں۔ روضہ اطہر پر دعا کرتے ہوئے وہ وفور رقت سے پگھل پگھل جاتے۔ حرم نبوی کے صحن کے ایک ستون کے پاس دوستوں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور اس ستون کو ہم لوگوں نے "ستونِ نعت" کا نام دے رکھا تھا۔

نعت کی طرف رجوع ہونے کے بعد انہوں نے زندگی کے لئے بہت کم لمحات دنیاوی کاموں میں صرف کئے اسی لئے وہ چالیس تصانیف ادب و نعت کے دامن میں ڈال کر اپنے سب ساتھیوں کو کہیں پیچھے چھوڑ گئے اور ان کے اندازِ حیات اور تخلیقی سرگرمیوں نے ماضی کے بزرگوں کی یادیں تازہ کر دیں۔ اللہ کریم ان کی آخرت کی منزلیں آسان فرمائے اور انہیں قربِ ممدوحِ گرامی نصیب ہو۔ آمین

پروفیسر محمد اقبال جاوید

آہ ___ حافظ لدھیانوی

۱۶ر اکتوبر سے تادم تحریر، قلب اور قلم دونوں سکتے کے عالم میں ہیں اور لگتا ہے کہ دل کا شیون
کبھی بھی سپردِ قلم نہ ہو سکے گا۔

سینے میں کچھ اور ہے، لفظوں میں ہے کچھ اور غم کے کئی انداز، بیاں میں نہیں ملتے

شخصی خاکوں پر مشتمل جناب حافظ لدھیانوی کی تحریریں بتاتی ہیں کہ ان کا تعلق خاطر کن عظمتوں کے
ہالے میں رہا ہے اور اب ہم لوگ کہا کریں گے کہ "ہم نے حافظ لدھیانوی کو دیکھا تھا" وہ اس عہد ناسپاس اور
اس دور ناشناس کے ایک مستثنیٰ دل و دماغ تھے۔ ان جیسا وسیع القلب، وسیع النظر، وسیع المطالعہ اور وسیع
الحافظہ اس عہد میں اور کون ہے؟ گئے گزرے دور اور بھولی بسری، بزم ادب، کی وہ ایک شمع تھی کہ بجھ گئی۔
ان کا وجود اس "دورِ قہر" میں غنیمت تھا اور آپ لوگ خوش قسمت کہ ان کی صحبت سے بہرہ ور رہے۔

نمی گوئم دریں گلشن، گل و باغ و بہار از من
بہار از یار، باغ از یار، گل از یار و یار از من

اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کے مدح خواں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں بھی اسی مدحت کی توفیق عطا فرمائی تھی۔
یہ بڑے ہی نصیب کی بات ہے کہ۔

دہد حق عشق احمدؐ، بندگان چیدہ خود را
کہ خاصاں می دہد شہ، مادہ نوشیدہ خود را

اسی توفیق کے طفیل یقین ہے کہ مغفرت کا نورانی خلعت ان کے جسم پر ہوگا اور نوازش کا سنہری تاج ان کے
سر پر اور یوں عمر بھر کی بیقراری کو قرار آچکا ہوگا۔ اور وہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں گے۔

بیا بخاک من و آرمیدنم بنگر

ان کی عادت تھی کہ جب سفر کرتے تو راستے میں آنے والے قبرستانوں کو دعائے مغفرت کے ارمغاں بھیجے
رہتے۔ یوں لگتا ہے کہ جانے والوں کی نیک تمنائیں بھی پسماندگان کے لئے وقف رہتی ہیں، کس نوعیت اور
کس کیفیت سے یہ علم نہیں، اقبال کس تیقن سے جاوید اقبال کو کہتا ہے۔

اے مرا تسکین جاں نا شکیب تو اگر از رقص جاں گیری نصیب

سر دین مصطفیٰ گویم ترا ہم بہ قبر اندر دعا گویم ترا

ہم حافظ صاحب کو یاد کر رہے ہیں اور وہ بھی برزخی رنگ و آہنگ سے ہمیں یاد کر رہے ہوں گے۔ یاد کب مٹتی ہے۔

یاد کے قصر میں امید کی قندیلیں ہیں میں نے آباد کئے درد کے صحرا کیسے

اللہ تعالیٰ اسی یاد اور اسی نسبت کو ہماری مغفرت کا بہانہ بنا دیں تو کیا خوب ہو، میں تو آج کل اسی نوع کے بہانوں کی تلاش میں ہوں۔

مجھ پر بھی ہو کرم کی نظر، رحمت تمام میں بے نوا بھی ہوں ترے محبوبؐ کا غلام

احقر کو اس امر پر ناز ہے کہ جناب راز کاشمیری مرحوم کی وساطت سے حافظ صاحب سے تعارف ہوا اور ہولے ہولے یہ تعارف، محبت کی ایک خوبصورت اساس بن گیا اور وہ آخر تک میرے لئے دعا گو رہے اور میں ان کی "اقبال نوازیوں" کے لئے سپاس گزار۔ ان سے خط و کتابت بھی رہی۔ یہ تو ان کے اخلاق کا حسن تھا کہ وہ خط کا جواب فوری طور پر دیا کرتے تھے ورنہ اکثر اہل قلم، جواب خط کو توہین قلم سمجھتے ہیں خود حافظ لدھیانوی کے پاس مشاہیر کے بہت سے نادر خطوط تھے کہ وہ کسی دوست کے خلوص کی نذر ہو کر ضائع ہو گئے۔ وہ محفوظ ہوتے تو ایک عہد کی ادبی تاریخ دہراتے، حافظ صاحب نے ایک معتبر قلمی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ انہوں نے یادوں کو محفوظ کرنے اور قلم کا حق ادا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی اور یہ بات وجہ طمانیت ہے کہ ان کے بیشتر رشحات خامہ، طباعت کی منزلوں تک پہنچ گئے اور قلم کا یہ سفر ابھی جاری تھا کہ خود ان کی زندگی کا سفر ختم ہو گیا۔

موت نے چپکے سے جانے کیا کہا زندگی خاموش ہو کر رہ گئی

مجھے اس وقت کوئی علم نہیں کہ کیا لکھ رہا ہوں۔ مجھے کیا لکھنا چاہیے؟ حق یہ ہے کہ ہماری صف، وقت کے ہاتھوں، تیزی کے ساتھ لپٹ رہی ہے۔ سوچتا ہوں تو دل تڑپتا ہے کہ گزشتہ چند ماہ میں کتنی ہی عظمتیں منوں مٹی کے نیچے اتر گئی ہیں اور ہر جنازے کے ساتھ کتنے ہی جنازے، قبر میں اترے ہیں، فکر و نظر کے کتنے ہی چراغ گل ہو چکے ہیں۔ سیرت و کردار کی کتنی ہی شمعیں بجھ گئی ہیں، قرطاس و قلم کی کتنی ہی رعنائیاں افسردہ ہو چکی ہیں۔

گزرتے جا رہے ہیں حادثوں پر حادثے پیہم قلم قاصر ہے کب تک داستانِ ابتلا لکھوں

صبا مغموم، طائر مضطرب، شاخیں خزاں دیدہ سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اس حالت میں کیا لکھوں

خود اپنی زندگی بھی مختصر محسوس ہوتی ہے کہاں تک مرنے والوں کی وفا کا تذکرہ لکھوں

مجھے سونپا گیا اس دور میں احباب کا ماتم کسے غمخوار ٹھہراؤں، کسے درد آشنا لکھوں

سکوت ہی کو اگر احساس کے اظہار و اعتراف کا ذریعہ بنا لوں تو بہتر رہے گا کہ وہ "تکلم بلیغ" کی

حیثیت رکھتا ہے۔ حافظ لدھیانوی کی غزل کا ایک خوبصورت شعر ہے ۔

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے نکہت گل بھی صدا ہوتی ہے

اور انہی کا ایک اور شعر، اب ایک حقیقت بن کر سامنے آگیا ہے کہ ۔

ہم کو ڈھونڈو گے، نہ پاؤ گے کہیں نقش قدم نکہت گل کی طرح ہم بھی ہیں جانے والے

اور سچی بات یہ ہے کہ مرحوم فی الواقع "نکہت گل" تھے "گلزار مدینہ" سے خوشبو سمیٹتے اور ہم جیسے "صحرا نشینوں" کو بانٹتے چلے جاتے تھے۔ وہ اس ذات گرامی قدر ﷺ کے مدح خواں تھے جسے جامی نے "تازہ ترگلبرگ صحرائے وجود" قرار دیا ہے۔ اور انہیں اس مدحت میں وہ "کیف مسلسل" نصیب ہوا کہ غزل ان کے نزدیک بیاباں، اور نعت ختم المرسلین ﷺ "وادیٔ گل" بنی رہی۔ یوں ان کا فن شعر گوئی اپنی معراج کو پہنچ گیا۔ انہیں غزل گو اساتذہ کے بے شمار خوب صورت شعر یاد تھے جبکہ اپنے اشعار اتنے یاد نہیں تھے۔ غزل کے اس شغف نے ان کے شعر کو ندرت اور شعور کو ایمائیت عطا کی، اظہار کو لوچ اور ادا کر تغزل بخشا جبکہ حضور ﷺ کی محبت نے قلم کو گداز، نیاز اور ناز کی دولت دی۔ ایک بار انہوں نے مجھے اپنا یہ شعر سنایا کہ

کچھ اشک ندامت ہیں مرے دامن تر میں میں راہ عدم کے لیے تیار بہت ہوں

میں نے کہا کہ آپ تو بڑے "دھڑلے" سے بات کر رہے ہیں۔ میں کیا کروں کہ میرے پاس تو ایک آنسو بھی نہیں کہ جو ترجمان ندامت ہو ۔

گلستاں ویران، آنکھیں خشک ہیں، مولائے کل پھر انہیں سرسبز کر، آنسو بنا، شبنم بنا

موت سے کچھ دن قبل، میں نے فون پر رابطہ کیا۔ فون خود انہوں نے اٹھایا، میں نے حال پوچھا لڑکھڑاتی زبان سے انہوں نے یہ مصرع پڑھا

جنوں میں جیسا ہونا چاہئے ویسا گریباں ہے ۔

میں نے پہلا مصرع پڑھ دیا کہ

نہ جانے کیوں زمانہ ہنس رہا ہے مری حالت پر ۔

یاد رہے کہ یہ شعر بھی مرحوم ہی نے مجھے ایک بار سنایا تھا کہ کبھی انہیں جناب احسان دانش نے اپنے پسندیدہ شعر کے طور پر سنایا تھا۔ یوں آخری ایام میں، احسان مرحوم کی خوب صورت یاد تازہ ہوگئی، کہ ان سے حافظ صاحب کو تعلق خاطر تھا۔

جناب حافظ لدھیانوی نے ایک دو کے سوا باقی تمام کتابیں محدود ترین مالی وسائل کے باوجود خود ہی شائع کیں اور ان کی ذاتی زندگی مالی اعتبار سے ناآسودہ رہی بالخصوص بڑھاپا، علالت و عسرت کا شکار رہا۔ حکومت کی طرف سے ۱۴ اگست ۱۹۹۹ء کو ملنے والا "تمغۂ امتیاز" انہوں نے احتجاجاً واپس کر دیا تھا کہ وہ صرف تمغا تھا اور پیتل کا ایک ٹکڑا، ان کے بڑھاپے اور ان کی علالت کا علاج نہ تھا۔ ان کا یہ انکار، ادیبوں اور

شاعروں کی مالی کسمپرسی کے بارے میں بہت کچھ کہہ گیا۔ گو مدتوں پہلے انہوں نے اپنی ایک غزل میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ۔

زندگی کیسے کٹی، کس کو خبر ہے حافظ　　درد کی بات ہم احباب سے کم کہتے ہیں

میں خود شاعر نہیں ہوں (شاعر ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے نعت گوئی کی توفیق مانگتا) اس لیے اکثر نعت گو حضرات کے قلم چومتا رہتا ہوں۔ آرزو یہی ہے کہ کاش، میدانِ حشر میں کسی نعت گو کے خنک سائے میں مجھ گنہگار کو تھوڑی سی جگہ مل جائے کہ وہ سب لوائے حمد کے نیچے شاداں و فرحاں ہوں گے کہ یہ فرمان رسالت ﷺ ہے کہ وہاں محبت ہی معیت کا بہترین ذریعہ ہوگی۔

آخر میں مری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب حافظ لدھیانوی کو نصرت جاوداں سے نوازے اور جملہ متعلقین کو صبر اور استقامت عطا کرے اور احباب کی نیک تمنائیں اور مغفرت کی دعائیں ان کے لیے پیہم وقف رہیں۔

میں ہوں اب تک اسیر دانہ و دام
جو رہا ہو چکے ہیں، ان کو سلام

پروفیسر شبیر احمد قادری

قدوۃ الناعتین حافظ لدھیانوی مرحوم

(شخصیت اور فکر و فن)

زندگی طلوع و غروب کا دوسرا نام ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور ایک ایسا ذائقہ ہے جو ہر ذی نفس کو چکھنا ہے۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کی صبح آسمان کا سورج طلوع ہو رہا تھا کہ زمین کا ایک آفتاب نعت غروب ہو گیا۔ حافظ لدھیانوی بلاشبہ ادب کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔ سراج الحق سے حافظ لدھیانوی بننے تک انہوں نے وہ تمام مراحل و مدارج طے کئے جو عظمت و شہرت کی منزل تک پہنچنے کے لئے ایک ادیب اور شاعر کو بہر کیف طے کرنا پڑتے ہیں۔ آسانیاں اس لئے پیدا ہوتی چلی گئیں کہ ان کی تربیت جس ماحول میں ہوئی وہ خاصا دینی اور ادبی ماحول تھا۔ والد محترم حافظ محمد عظیم لدھیانہ کی جامعہ مسجد کے امام اور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ نغز گو شاعر بھی تھے اور احقر تخلص کرتے تھے۔ یہ اسی صحبت کا فیض واثر تھا کہ سراج الحق بڑے ہو کر نہ صرف حافظ قرآن بنے بلکہ شاعری کو بھی وسیلہ اظہار جذبات بنایا۔ وہ بچہ جو "ز" کو "بے" پڑھا کرتا تھا کسے خبر تھی کہ وہ بڑا ہو کر اتنا "قادر اللسان" بن جائے گا۔ ۷۹ برس کی عمر تک اس کی ۷۳ وقیع کتابیں شائع ہو چکی ہوں گی۔

حافظ صاحب نے حافظہ بلا کا پایا تھا۔ یہ حفظِ قرآن کی عطا تھی کہ یادداشت رشک آثار ہو گئی۔ حافظ صاحب کو اسکول کے زمانے ہی میں شعراء متقدمین کے سینکڑوں شعر ازبر ہو گئے۔ خود کہا کرتے تھے کہ شاعری کا بیج بویا گیا تھا مگر اسے بارور ہونے میں کچھ دیر لگی۔ شعر کا حسن، شعر کا آہنگ، شعر کی لطافت رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ ایک بے نام سا نشہ ذہن پر طاری ہو جاتا۔ اچھا شعر سن یا پڑھ کر روح میں وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ ایک خوشبو کا احساس ہوتا اور پھر علمی و ادبی مجالس میں شریک ہونے لگے جیسا کہ ہر مبتدی ابتداء میں کرتا ہے۔ حافظ لدھیانوی کے شعر کہنے کے پیچھے ان کے والد محترم کی وہ آرزو بھی پنہاں تھی جو دُعا بن کر لگی کہ کاش اُن کا بیٹا بھی شیخ محمد ابراہیم خوشنویس کے بیٹے کی طرح شاعر ہوتا۔ ادھر بیٹا تھا کہ قرآن اور دیوان ساتھ ساتھ یاد کر رہا تھا۔

میر سے لے کر میرا جی تک سب دیوان پڑھے ہیں
تب ہاتھ آئی حافظ ہم کو ایسی طرز سخن کی

حافظ لدھیانوی نے گل سخن کو ۱۹۳۸ء میں کیا چھوا کہ اس کی مہک جسم و جاں میں رچ بس گئی۔ اب تو اس مزرعۂ فکر و خیال پر ایک سر سبز و شاداب باغ کھلا ہوا دکھائی دیتا ہے جس میں جو پھول ہے نیا رنگ منفرد خوشبو اور مختلف صورت لئے ہوئے ہے۔ حافظ لدھیانوی نے میر تقی میر سے بہت اثرات قبول کئے مگر دھیرے دھیرے اپنی راہ نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم "خامۂ مژگاں" پر میر پسندی کے اثرات بڑے نمایاں ہیں۔ یہ حافظ صاحب کا پہلا اور آخری مجموعہ غزل ہے جو ۱۹۶۹ء میں اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری (مرحوم)، فیض احمد فیض (مرحوم) اور الطاف پرواز (مرحوم) جیسے نامور شعراء نے اپنے مقدموں میں حافظ لدھیانوی کی فکری اپچ کی بہت تعریف کی۔ فیض کو حافظ صاحب کے مجموعہ میں کئی چتونیں ابھرتی دکھائی دیں تو حفیظ جالندھری نے اس میں اساتذہ کے اسلوب اور عصر حاضر کے تقاضوں کے شعور کی نشاندہی کی:

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے
نکہت گل بھی صدا ہوتی ہے

کہاں یہ کہاں وہ دن جب شاعر کہلوانے کے شوق میں حافظ لدھیانوی نے اپنے ایک نابینا دوست حافظ انفر سے طرحی غزل لکھوا کر اپنے نام سے لدھیانہ کے ایک مشاعرہ میں پڑھی۔ مشاعرہ تو پڑھ لیا مگر اندر کا چور انہیں بھری محفل میں پسینے میں شرابور کر گیا۔ پھر حافظ صاحب مانگے تانگے کی غزلیں لے کر پڑھنے کے بجائے خود شعر کہنے لگے۔ اکرم یوسفی کی حوصلہ افزائی نے انہیں یہ شغل جاری رکھنے پر آمادہ کیا۔ حافظ لدھیانوی کی پہلی غزل ایک فلمی پرچہ "ادا کار" میں شائع ہوئی۔ اس ہفتہ وار رسالہ کے مدیر یزدانی جالندھری (مرحوم) تھے (اسی صفحہ پر ساحر لدھیانوی مرحوم کی بھی پہلی غزل چھپی تھی)۔ دوسری غزل علامہ تاجور نجیب آبادی نے اپنے رسالہ "شاہکار" میں اہتمام سے شائع کی۔

اس ابروئے جمیل کی جنبش پہ دم بہ دم دنیائے دل سمٹتی رہی پھیلتی رہی
حافظؔ خرد ٹھہر نہ سکی اک مقام پر لیکن اسی مقام پہ دیوانگی رہی

حافظ لدھیانوی نے ربع صدی تک غزل کے میدان میں فکر و خیال کے جو گھوڑے دوڑائے اس سے ان کے فن میں پختگی آ گئی۔ غزل گوئی کی ریاضت نعت کی صنف میں بھی ان کے بہت کام آئی۔ "خامۂ مژگاں" کی طباعت کے بعد بھی حافظ صاحب غزلیں لکھتے اور مشاعرے لوٹتے رہے اور پھر وہ سعد لمحہ بھی آ گیا جب حافظ لدھیانوی نے غزل کا بیلاں چھوڑ کر نعت کی وادیٔ گل میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے ان کا ارادہ تھا کہ روضہ اطہر پر حاضری کے وقت رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں ہدیۂ نعت پیش کر کے نعت گوئی کی ابتدا کروں گا مگر ایک روز یوسف ظفر مرحوم انہیں راولپنڈی میں ایک روحانی شخصیت "بھائی جان" کے ہاں لے گئے۔ دریافت کیا کہ کبھی نعت بھی کہی ہے؟ حافظ صاحب نے وہی جواب دیا جو اوپر درج کر آیا ہوں۔ بھائی

جان کہنے لگے "وار چل گیا۔ وار چل گیا" حافظ صاحب نے پوچھا کہ کس کا وار چل گیا؟ بھائی جان کہنے لگے "شیطان کا" پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا "شیطان کا ایک حربہ یہ بھی ہے کہ وہ خیر کے کاموں میں ایسی آرزوئیں اور اُمنگیں پیدا کر کے دیر کرا دیتا ہے۔ حافظ صاحب اگر آپ کی حاضری دو سال، چار سال، دس سال نہ ہو تو نعت کہنے کی سعادت سے محروم رہو گے۔ یہ محرومی شیطان کے اس حربے کی وجہ سے ہو گی چنانچہ حافظ صاحب نے نعت گوئی کا آغاز کر دیا۔ وہ ان دنوں بسلسلہ ملازمت راولپنڈی میں مقیم تھے۔ اپنے راولپنڈی قیام کے دوران میں ہی حافظ صاحب نے نعتیہ دیوان مکمل کر لیا جو "ثنائے خواجہ" کے عنوان سے پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا

یوں نعت میں بدلا ہے انداز غزل خوانی
لطف شہ والا سے ہر شعر ہے نورانی

جب رُخِ فکر غزل کے تصوراتی محبوب سے نعت کے محبوب حقیقی کی طرف ہو جائے تو دوسری جانب دھیان کیسے جا سکتا ہے۔ حافظ صاحب کو گویا وہ منزل فن مل گئی پچھلے پچیس برسوں سے وہ جس کی تلاش میں تھے جب حافظ لدھیانوی کی غزل باوضو ہوئی تو وہ نعت کہلانے لگی کہ ان کی نعتیں غزل کا سارنگ و آہنگ لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ "ثنائے خواجہ" میں حافظ محمد افضل فقیر مرحوم، حفیظ جالندھری مرحوم، حافظ مظہر الدین مرحوم، ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم اور احمد ندیم قاسمی نے حافظ صاحب کی نعت گوئی کے فن کو حرف استناد عطا کیا۔ حفیظ جالندھری کا کہنا تھا کہ حافظ لدھیانوی کے سینہ بے کینہ میں نعت ہی نعت گونج رہی ہے۔ حافظ مظہر الدین کی رائے میں نعت کہنے کیلئے جس گداز قلب کی ضرورت ہوتی ہے وہ حافظ صاحب کے دامن میں موجود ہے وہ ازل سے ہی یہ سرمایہ سمیٹ لائے تھے۔

حافظ لدھیانوی مرحوم کا دوسرا نعتیہ مجموعہ "نشید حضوری" ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ اس میں ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم، حافظ محمد افضل فقیر مرحوم اور حفیظ تائب کی آراء شامل تھیں ___ "نعتیہ قطعات" کے نام سے تیسرا نعتیہ مجموعہ دسمبر ۱۹۸۱ء میں پروفیسر افتخار احمد چشتی نے مکتبہ الفوائد فیصل آباد کے زیر اہتمام شائع کیا۔ اس میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اور احمد ندیم قاسمی کی آراء شائع کی گئی ہیں۔ یہ دستیاب معلومات کے مطابق اُردو میں نعتیہ قطعات کی پہلی کتاب ہے۔

"کیف مسلسل" کے نام سے چوتھا نعتیہ مجموعہ ۱۹۸۱ء میں زیر طبع سے آراستہ ہوا۔ اس میں ڈاکٹر عبدالغنی، ایم آئی ارشد اور حفیظ تائب کی آراء شامل تھیں۔ ایک سو ایک اشعار پر مشتمل ایک کتابچہ "سلام بحضور سید الانام ﷺ" کے نام سے طبع ہوا جس پر سال اشاعت درج نہیں ہے۔ یہ حافظ صاحب کا پانچواں نعتیہ مجموعہ تھا جس کا دیباچہ حفیظ تائب نے لکھا تھا۔ اس کے بعد چھٹا مجموعۂ نعت "مطلع فاراں" کے نام سے شائع ہوا جس میں پروفیسر مرزا محمد منور مرحوم، حفیظ تائب، ریاض مجید، عابد نظامی، خواجہ محمد زکریا

صوفی محمد افضل فقیر اور عارف عبدالمتین کی آراء شامل کی گئیں ____ "صل علی النبی" کے عنوان سے ساتواں مجموعہ جون ۱۹۹۰ء میں چھپا۔ دیباچہ محمد محمود احمد بٹ نے لکھا ____ آٹھواں مجموعہ "یا صاحب الجمال" کے نام سے جولائی ۱۹۹۰ء میں، نواں مجموعہ "جذب حسانؓ" کے نام سے دسمبر ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا جس میں حمد یہ ساقی نامہ بھی شامل تھا۔ "تائید جبریل" حافظ مرحوم کا دسواں نعتیہ مجموعہ ۱۹۹۲ء میں چھپا ____ "نعتیہ رباعیات" کا مجموعہ شائع کرنا بھی حافظ لدھیانوی کا ایک منفرد اعزاز تھا یہ مجموعہ نومبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ دیباچہ عاصی کرنالی نے لکھا۔ بارھواں نعتیہ مجموعہ "معراج فن" کے نام سے فروری ۱۹۹۴ء میں منظر عام پر آیا۔ "آہنگ ثناء" تیرھواں نعتیہ مجموعہ تھا جو جنوری ۱۹۹۵ء میں معرض شہود پر آیا۔

چودھواں مجموعہ نعت "نعتیہ مثنویاں" ہے جو مارچ ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا اس میں آرزوئے حضوری، مطلع الفجر اور شمع سبیل نامی مثنویاں شامل ہیں۔ فلیپ اشفاق احمد نے لکھا ان کی رائے میں حافظ مرحوم کی مثنوی بہت سی مسافرتوں کی داستان ہے جو مصنف نے کچھ حقیقت میں کچھ عالم خیال میں اور کچھ جہانِ محسوسات میں مدینہ کی جانب مختلف زمانوں میں اختیار کیے رکھیں ____ "اعترافِ عجز" حافظ صاحب کا پندرھواں نعتیہ مجموعہ اپریل ۱۹۹۶ء میں منصۂ شہود پر آیا ____ "فردوس خیال" کے نام سے سولھواں مجموعۂ نعت مئی ۱۹۹۶ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

عطا مجھ کو ہوا ہے مستقل جذبہ عقیدت کا
خدا کے فضل سے یہ سولھواں دیواں ہے مدحت کا

حافظ لدھیانوی مرحوم کا سترھواں نعتیہ دیوان "ممدوحِ کائنات" تھا جو مئی ۱۹۹۷ء میں چھپا۔ اٹھارھواں مجموعہ "نغمات مدحت" ستمبر ۱۹۹۷ء میں چھپا جس میں نعتیہ ساقی نامہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ____ "نقوش حرم" کے نام سے ۱۹واں مجموعہ جنوری ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ____ "حافظ صاحب کے یہاں نعت جذب و شعور کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے" یہ رائے عاصی کرنالی کی ہے جو حافظ لدھیانوی کے بیسویں نعتیہ دیوان "کیفیات دوام" کے دیباچہ کا حصہ ہے یہ مجموعہ فروری ۱۹۹۸ء میں معرض شہود پر آیا۔

"حدیث عشق" حافظ صاحب کا بائیسواں نعتیہ مجموعہ ستمبر ۱۹۹۸ء میں اور "مطلع الفجر" کے نام سے ۲۳واں نعتیہ مجموعہ اکتوبر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ موخر الذکر میں حفیظ تائب نے حافظ لدھیانوی کی شعر و ادب میں مجموعی کارکردگی کے حوالے سے دیباچہ رقم کیا ہے ____ "مصدرِ خیر" ۲۴واں اور امام القبلتین" ۲۵واں نعتیہ دیوان ہے جبکہ "قرآن ناطق" چھبیسواں نعتیہ دیوان آخری دیوان ہے جو حافظ صاحب کی زندگی میں شائع ہوا۔ یہ تینوں مجموعے ۱۹۹۹ء میں طبع ہوئے۔

نعت کے ساتھ ساتھ حافظ لدھیانوی نے حمد نگاری میں بھی وقیع اضافہ کیا۔ ان کے تین حمدیہ

مجموعے شائع ہو چکے ہیں پہلا حمدیہ دیوان "ذوالجلال والاکرام" کے نام سے مئی ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آیا جس کا فلیپ حفیظ تائب کا لکھا ہوا ہے۔ یہ فلیپ ان کے اپنے سوادِ خط میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ تین دعاؤں، تین حمدیہ نظموں، نو حمدیہ مثنویوں (جن میں ایک حمدیہ ساقی نامہ بھی ہے) اور ۴۶ غزلیہ حمدوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا مجموعہ حمد "سبحان اللہ وبحمدہ" جولائی ۱۹۹۰ء میں جبکہ تیسرا اور آخری حمدیہ دیوان "سبحان اللہ العظیم" اکتوبر ۱۹۹۰ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ نعت کی طرح ان حمدیہ مجموعوں میں بھی حافظ صاحب کی غزل کی ریاضت کارفرما نظر آتی ہے۔ ان میں انہوں نے رب کائنات کی حمد و ثنا قدرت کے بیان کے ساتھ ساتھ باطنی کیفیات کو بھی برابر جگہ دی ہے۔

حافظ لدھیانوی کی شعری متاع میں "جگر لخت لخت" کے نام سے ایک مجموعہ بھی شامل ہے جس میں ایک ہزار کے قریب متفرق شعر ہیں اور سب کے سب مختلف کیفیات کے حامل ہیں۔ فردیات کی یہ کتاب جولائی ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ حافظ لدھیانوی کی شاعری کی ایک اور کتاب "ہمہ رنگ" ہے جس میں حمد و نعت مدینہ منورہ کے ترانے، مناقب، قومی نظمیں، قومی شخصیات پر نظمیں، شمالی علاقوں کے مناظر اور متفرق نظموں کے علاوہ چودہ غزلیں بھی شامل ہیں۔ یہ مجموعہ ۱۹۹۶ء میں معرض شہود پر آیا۔

"خاتم النبیین کے حضور ہدیہ اشعار" کے نام سے ایک کتابچہ بھی نومبر ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا جس کا دیباچہ پروفیسر افتخار احمد چشتی نے لکھا۔ حافظ صاحب نے مصطفےٰ صادق کی روداد سفر حجاز کی بھی منظوم ترجمانی کی جو "صدر جنرل محمد ضیاء الحق حرمین شریفین میں" کے نام سے صفحات (۳۲) ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔

شاعری کے ساتھ ساتھ حافظ لدھیانوی کی نثر نگاری کا بھی اپنا اسلوب تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ حافظ لدھیانوی کے فکر و فن کی صحیح تفہیم ان کی نثری کتب کا مطالعہ کیے بغیر ممکن نہیں۔ نثر میں حافظ لدھیانوی کی سات وقیع کتابیں شائع ہوئیں۔ ان میں تین اسفارِ حجاز، تین شخصی خاکوں کے مجموعے اور ایک خودنوشت سوانح عمری ہے۔

حافظ لدھیانوی کا پہلا نثری شاہکار "جمالِ حرمین" کے نام سے ۱۳۹۷ ہجری میں شائع ہوا جس کا معلومات افزا دیباچہ حافظ محمد افضل فقیر نے لکھا۔ "جمالِ حرمین" کا دوسرا ایڈیشن جون ۱۹۸۳ء میں کراچی پورٹ ٹرسٹ جبکہ تیسرا ایڈیشن جنگ پبلشرز لاہور نے بااہتمام شائع کیا۔ دوسرا سفرنامہ "منزلِ سعادت" کے نام سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء میں منظر عام پر آیا۔ دیباچہ پروفیسر مرزا محمد منور نے لکھا۔ حافظ لدھیانوی کا تیسرا سفرنامہ منظوم ہے جو "معراج سفر" کے نام سے ۱۹۹۰ء میں طبع ہوا (یہ سفر انہوں نے حفیظ تائب اور ریاض مجید کے ہمراہ کیا) نثر میں دیباچہ احمد ندیم قاسمی اور نظم میں ریاض مجید نے لکھا۔ پہلے دو سفرنامے حج اور تیسرا عمرہ کے احوال پر مشتمل ہے۔

تین شخصی خاکوں میں سے حافظ لدھیانوی کا پہلا مجموعہ "متاعِ گم گشتہ" کے نام سے اپریل ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا اس کا دیباچہ مشفق خواجہ نے لکھا اور اس رائے کا اظہار کیا کہ "مصنف نے ایک ایسی بزم سجائی ہے جس میں ہم ان ادیبوں کو بھی اپنے قریب سے دیکھتے ہیں جنہیں ہم پہلے سے جانتے ہیں اور ان کو بھی جن سے ہماری شناسائی کم تھی" اس کتاب میں جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری، عبدالحمید عدم، حافظ مظہر الدین، علاؤالدین کلیم، م حسن لطیفی، خلیق قریشی، نصیر احمد زار اور ساحر لدھیانوی کے شخصی خاکے شامل ہیں ____ "متاعِ بے بہا" کے نام سے شخصی خاکوں کے دوسرے مجموعے کا دیباچہ عبدالستار نعیم نے لکھا اور یہ مجموعہ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ احمد ندیم قاسمی اور خواجہ محمد زکریا کی آراء بھی شامل ہیں۔ اس کتاب میں مولانا عبدالقادر رائے پوری، پیر سید غلام محی الدین، مولانا خان محمد تونسوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا خان محمد خانقاہ سراجیہ، سید محمد عبدالعزیز شرقی، محمد افضل فقیر، پروفیسر افتخار احمد چشتی، پروفیسر مرزا محمد منور اور حفیظ تائب کے بارے میں مضامین شامل ہیں ____ "شخصی خاکوں" کا تیسرا مجموعہ "متاعِ عزیز" ہے جو ستمبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا یہ مجموعہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، صوفی محمد افضل فقیر، ماہر القادری، احمد ندیم قاسمی، یوسف ظفر، طفیل ہوشیار پوری، راز کاشمیری، محمد اعظم چشتی، محمد طفیل (نقوش)، مولانا تاج محمود اور اخگر سرحدی کے شخصی خاکوں پر مشتمل ہے۔

حافظ لدھیانوی کی خودنوشت سوانح عمری "یادوں کے انمول خزانے" کے نام سے ۱۹۹۱ء میں جنگ پبلشرز لاہور نے شائع کی جس کے مطالعہ سے ان کی شخصیت، خاندانی اور علمی، ادبی، سیاسی پس منظر کو معاصر عہد کو سمجھنے میں بہت کچھ مدد ملتی ہے۔

حافظ لدھیانوی نے برکات احادیث (صفحات ۱۶) کے نام سے بھی ایک چھوٹے سائز کا کتابچہ ترتیب دیا جبکہ برکات قرآن نامی کتابچے میں وہ مولانا محمد امین، مولانا قاری اہل اللہ کے ساتھ شریک مولف ہیں۔ یہ دونوں کتابچے فیصل آباد سے شائع ہوئے۔ حافظ لدھیانوی کا ایک مضمون "ورفعنا لک ذکرک" کے نام سے صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی نے کتابچے کی صورت میں شائع کیا۔

اس تصنیفی و تالیفی سرمایہ کے اجمالی تذکرہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حافظ لدھیانوی کتنے ہمہ جہت ادیب تھے۔ انہوں نے شاعری اور نثر کو بیک وقت وسیلہ اظہار بنایا اور ہر دو اصنافِ ادب میں اپنے جداگانہ اسلوب نگارش سے پڑھنے والوں کو متاثر کیا۔ بے پناہ ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ۱۴/ اگست ۱۹۹۹ء کو حکومت پاکستان نے "تمغہ امتیاز" دینے کا اعلان کیا مگر انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ یہ ان کی خدمات کا صحیح صلہ نہیں ہے۔ حافظ لدھیانوی کو ان کے پانچ نعتیہ مجموعوں پر قومی سیرت ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔ حضرت حسانؓ حمد و نعت بک بینک ایوارڈ کراچی، جنگ ایوارڈ، ہمدرد ایوارڈ اور نقوش ایوارڈ سمیت اور بھی کئی ایوارڈز کے حقدار ٹھہرے۔

مجھے حافظ لدھیانوی مرحوم کی شخصیت اور فکر و فن کے جس پہلو نے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی شعر و ادب کے ساتھ مسلسل اور اٹوٹ وابستگی اور مخلصانہ لگاؤ تھا۔ انہوں نے قلم سنبھالا تو کچھ نہ کچھ لکھتے لکھاتے ہی رہے۔ نظم و نثر کی بہت سی اصناف ہیں جن کے روایتی موضوعات کو حافظ لدھیانوی نے نئے رنگ اور سو ڈھنگ سے باندھنے کے جاری عمل کو آگے بڑھایا۔ حافظ لدھیانوی ایک ذمہ دار اور بدیہہ گو شاعر، ادیب اور نثر نگار تھے۔ اُن کا نمایاں حوالہ نعت ہی ٹھہرتا ہے مگر ان کی مواج تخلیقی شخصیت کے کئی رُخ ہیں۔ ان کی ساری تخلیقات مابہ الافتخار ہیں۔ اپنی صولتِ فکر کو انہوں نے شعوری طور پر حمد و نعت کے لیے وقف رکھا۔ انکا مہبط افکار دینی تعلیمات سے ترصیع و تزئین پاتا رہا۔ حافظ صاحب بجا طور پر ''قدوۃ الناعتین'' تھے جو عمر بھر اپنے ضیا بار افکار سے ادب کا دامن مالا مال کرتے رہے۔ حافظ صاحب نے فروغِ نعت کا کام تخلیق نعت کے ذریعے کیا اور یہ میں سمجھتا ہوں مقابلۃً کارے دارد ہے۔ حافظ صاحب عالم تھے اور عامل بھی۔ وہ گفتار کے نہیں کردار کے غازی تھے ان کی طبیعت کا جلال بیک وقت خوبی اور بشری کمزوری بن کر سامنے آیا۔ کتنی تحیر زا حقیقت ہے کہ ان کا جلال طبع ان کی شاعری میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اس لئے یقیناً اس لئے کہ وہ جس بارگاہ میں کھڑے تھے وہاں بقول ان کے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی نہیں آنی چاہیے۔

حافظ لدھیانوی کی تحریریں لینت و ملائمت کا عمدہ نمونہ ہیں۔ وہ پابند صوم و صلوٰۃ تھے کہ حفظ قرآن ان سے اسی بات کا تقاضا کرتا تھا۔ وہ کم و بیش باون سال تک نماز تراویح میں قرآن پاک سناتے رہے اور یہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ نعت کاری کے عمل میں مداومت و مواظبت ان کے کام آئی ورنہ یہ سعادت بزور بازو حاصل نہیں ہوتی یہ تو رب عطا کی دین ہے۔ انہیں دس بار حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ جو اُن کی حمد و نعت کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ ان کی شاعری میں حضوری کی تمنا صاف محسوس کی جاسکتی ہے وہ مہجوری کے عالم میں بھی کیف مسلسل کے مزے لوٹتے رہے کہ حضوری کیلئے دُوری کچھ معنی نہیں رکھتی۔ اصل بات تو آئینہ دل صاف ہونے کی ہے۔ حافظ لدھیانوی ایک راست رو اور صادق الاعتقاد شخص تھے۔ نعت گوئی ذات سرور دارین صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اظہار تو ہے ہی حافظ لدھیانوی نے اسے فروغ عشق مصطفےٰ کے حوالے سے ایک مشن بنا کر پیش کیا کہ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ جملہ دنیوی و اُخروی مسائل کا حل اسی ذات ستودہ صفات صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید اور تتبع میں مضمر ہے۔ اس اعتبار سے حافظ لدھیانوی کا صبغۃ النعت بڑا دلکش اور جداگانہ ہے۔ حافظ صاحب کی مطیب و مطہر شاعری عصر حاضر کے نعتیہ ادب میں مستقل حوالے کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کا حسن فکر بڑا مضبوط ہے۔ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اور بھی مستحکم بنا دیا۔ کیا یہ امر حیران کن نہیں کہ حافظ صاحب کی ۳۷ میں سے سوائے تین کتابوں خامہ مژگاں ۱۹۶۹ء ثنائے خواجہ ۱۹۷۱ء اور ''نشید حضوری'' ۱۹۸۰ء کے ۳۴ کتابیں ان کی محکمہ قومی بچت سے ملازمت سے ریٹائرمنٹ (۷ر جولائی ۱۹۸۱ء) کے بعد معرض شہود پر آئیں۔ (۶۰ سال کی عمر میں

ریٹائرمنٹ کی صورت میں حافظ صاحب کی تاریخ ولادت ۷ رجولائی ۱۹۲۰ء کے بجائے ۷ رجولائی ۱۹۲۱ء بنتی ہے جو ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔

حافظ لدھیانوی کا حقیقی نام سراج الحق تھا وہ لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام حافظ محمد عظیم تھا جو خود بھی شاعر تھے اور احقر تخلص کرتے تھے۔ وہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو فیصل آباد میں دماغ کی شریان پھٹنے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

❖❖❖❖

ریاض حسین چوہدری

تمنائے حضوری

بیسویں صدی کی آخری طویل نعتیہ نظم کے منتخب قطعات

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
حکمت و دانش و برہان کا مکتب ہوتا
مجھ کو بھی صبح ازل تیرے خزانے سے عطا
حرفِ دانائی کی تفہیم کا منصب ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم!
پرچم حمد مرے عجز کی چھایا ہوتا
میری ہر سانس ترے نام کی مالا جپتی
ذکر تیرا ہی فضاؤں میں خدایا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
تقوی و علم و عمل میرا خزینہ ہوتا
میں ترے بندوں میں تقسیم شعاعیں کرتا
رزق اور عدل کی مالا کا نگینہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
بولہب کی میں وہ اک لونڈی ثویبہ ہوتا
جشنِ میلاد کے صدقے میں رہائی ملتی
جشنِ میلاد کی تاریخ کا حصّہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
میں حلیمہ کی وہ تاریک سی کٹیا ہوتا
جس میں سرکار ﷺ کو اکثر وہ لٹایا کرتی
جس میں سرکار ﷺ کے آنے سے اجالا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
اُن ﷺ کے بچپن میں قدمبوسی کا حیلہ ہوتا
پاؤں رکھ رکھ کے گھروندے وہ بنایا کرتے
میں خنک ریت کا بے نام سا ٹیلہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
پر فشاں سعد کی وادی میں میں ہر سو ہوتا
مسکرا کر جسے مٹھی میں چھپالیتے حضور ﷺ
جھاڑیوں میں وہ چمکتا ہوا جگنو ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
میں ہواؤں کی گذرگاہوں کا نقشہ ہوتا
جو سفر میں سر سرکار ﷺ پہ کرتا سایہ
یا خدا، میں کبھی بادل کا وہ ٹکڑا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
نصب، شعبِ ابی طالب میں میں خیمہ ہوتا
بوند بن کر میں ٹپک پڑتا لبِ اقدس پر
بیر یا پھر میں کسی بیری کا پتہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
جس پہ سوئے تھے علیؓ میں وہی بستر ہوتا
چشم اعداء میں اتر جاتا سیاہی بن کر
دستِ اقدس کے وہ خوش بخت میں کنکر ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو میرے ربِ کریم
وقتِ ہجرت میں کسی پیڑ کا سایہ ہوتا
اُن کے قدموں پہ لٹا دیتا میں ساری ٹھنڈک
امِ معبد کے پڑاؤ پہ بھی چھایا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
بعد پا بوسی کے مصروفِ زیارت ہوتا
ہر قدم پر میں بچھا دیتا نگاہیں اپنی
میں کہ یثرب سے قبا تک کی مسافت ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
دشتِ پر ہول کا میں خاص وہ حصہ ہوتا
جو جکڑ لیتا سراقہ کی سواری کے قدم
تپتے صحراؤں میں مخمل کا میں رستہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
آمدِ سرورِ عالم ﷺ کا پیامی ہوتا
اپنی ہمجولیوں کے ساتھ میں گاتا نغمے
بنو نجار کی خوش بخت میں بچی ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
گھاس پر پھیلا ہوا تختہ شبنم ہوتا
آپ ﷺ اور آپ کے اصحابؓ جہاں بھی جاتے
میں اُسی راہ گذر میں پچھا ریشم ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
فتحِ مکہ کی گواہی کا وثیقہ ہوتا
خوں کے پیاسوں میں وہ تقسیم قبائیں کرتے
اِسی تاریخ کے ادوار کا لمحہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
ہاتھ میں سوت کی انٹی کا خزانہ ہوتا
جس کو آقا کی قدمبوسی کی عزت ملتی
میں ابوبکرؓ کے گھر کا وہ اثاثہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
میں ابوذرؓ کے تفکر کا سویرا ہوتا
رہنما ہوتی مری رسمِ اویسِ قرنیؒ
یا میں پھر عشقِ بلالیؓ کا پھریرا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
اُن ﷺ کے نعلین مبارک سے مصوّر ہوتا
میر و سلطاں مرے کشکول کا صدقہ لیتے
میں اگر شہرِ پیمبر ﷺ کا گداگر ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
شہرِ سرکار ﷺ کا میں ایک بھکاری ہوتا
یا مدینے کے درو بام کا ہوتا پتھر
یا مدینے کے مکینوں کی سواری ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
اُن ﷺ کی چوکھٹ پہ بچھا ایک بچھونا ہوتا
دست بوسی سے کبھی مجھ کو نہ ملتی فرصت
شہرِ سرکار ﷺ کے بچوں کا کھلونا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
جاں نثارانِ محمد ﷺ کا میں پرچم ہوتا
اُن کے اوصافِ حمیدہ سے جلاتا میں چراغ
ان کے افکارِ جدیدہ کا میں کالم ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
دشتِ طیبہ میں بھٹکتا ہوا آہو ہوتا
گنبدِ سبز کا ہر عکس ہے روشن جس میں
میں اُسی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
مکتبِ بطحا کے بچوں کا میں ساتھی ہوتا
جس کے پر اپنی کتابوں میں چھپائے پھرتے
خلدِ طیبہ کی وہ رنگین سی تتلی ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
دوسرے رستے پہ چلنے سے بھی قاصر ہوتا
عمر بھر رختِ سفر کھولنا پڑتا نہ مجھے
میں ازل ہی سے مدینے کا مسافر ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
نور کے پھولوں کی میں ایک کیاری ہوتا
ایک اک شاخ پہ شبنم کے پروتا موتی
گلشنِ طیبہ کی میں بادِ بہاری ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
خیمۂ جاں کی طنابوں کی میں سختی ہوتا
میرے چہرے پہ لکیروں کے بناتے جنگل
شہرِ پاکیزہ کے بچوں کی میں تختی ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
ورقِ نور پہ طیبہ کا میں نقشہ ہوتا
یا پھر اک پیکرِ تصویرِ منور جس میں
صرف سرکار ﷺ کی گلیوں کا سراپا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
میں نے سانسوں میں اِسی نام کو لکھا ہوتا
میں اسی نام سے تنہائی میں کرتا باتیں
میں نے ہر لمحہ اِسی نام کو سوچا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
عہد گم گشتہ کی انمول نشانی ہوتا
ایک اک لمحہ درودوں کی برستی رم جھم
رسمِ اظہارِ غلامی کا میں بانی ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
احترامات نبی ﷺ عمر کا حاصل ہوتا
ذہن کھو دیتا توازن تو سرِ بزمِ حیات
اُن ﷺ کی تعظیم سے میں پھر بھی نہ غافل ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
منتظر حشر تلک میرا گھرانہ ہوتا
ایک دن آئیں گے آقا مرے گھر میں بھی ضرور
اپنی اوقات میں رہتے ہوئے سوچا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
سامنے میرے فقط نور کا ہالہ ہوتا
سامنے میرے فقط روضے کی رہتی جالی
سامنے میرے فقط گنبد خضرا ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
نعتِ سرکارِ دو عالم ﷺ کی روانی ہوتا
سر اٹھاتا نہ ورق پر سے قلم کے مانند
حرفِ پاکیزہ کی بھرپور جوانی ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
لوحِ احساس پہ جذبات کی بارش ہوتا
پھول رعنائی کے کھلتے مری شاخوں پہ بہت
میں قلم تھامے ہوئے حرفِ ستائش ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
عشقِ پیغمبر ذی شاں کا اثاثہ ہوتا
میرے سامانِ سفر میں مری آنکھیں ہوتیں
میرے کشکولِ دعا میں زرِ عقبیٰ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
ملکِ توصیف کے میں تخت کا والی ہوتا
نکہت لالہ و گل میرا تخلص لکھتی
شاخِ احساس کا ہر پھول مثالی ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
وَجد کا لمحہ مری روح پہ طاری ہوتا
اُن علیہ ﷺ کے نعلین کے صدقے میں میں دریا بحر
حشر کے روز لبِ تشنہ سے جاری ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
انُ علیہ ﷺ کے پیغامِ محبت کا میں داعی ہوتا
کلکِ جامیؒ سے مجھے عشق کی ملتی دولت
نعتِ سعدی کی میں دلکش سی رباعی ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
اُسی تہذیبِ خداداد کی خوشبو ہوتا
جس نے ہر دور کے انسان کو چہرہ بخشا
میں پیمبر ﷺ کی ثقافت کا وہ پہلو ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
لفظ اقراء کے بہت گہرے معانی ہوتا
شوق سے پڑھتے مجھے شہر نبی ﷺ کے بچے
جاں نثاری کی میں دلچسپ کہانی ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
حرفِ اعزازِ سگِ کوئے پیمبر ﷺ ہوتا
اپنے آقا ﷺ کی گلی سے نہ نکلتا باہر
موت کے بعد بھی سرکار ﷺ کے در پر ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
لفظ بن کر میں بصیریؔ کا قصیدہ ہوتا
کلکِ حسان کی رعنائی کا ہوتا پیکر
اعلیٰ حضرتؒ کا میں پر جوش عقیدہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
اُن ﷺ کی مدحت کا علم میرا مقدر ہوتا
اُمتِ صبر کے آنسو بھی ہیں جن میں شامل
اُن ﷺ درودوں کا سلاموں کا میں لشکر ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
تا لحد لب پہ مرے اسم پیمبر ﷺ ہوتا
حشر کے روز اٹھاتے تو لحد میں میری
نعت کے کیف میں ڈوبا ہوا منظر ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
نعتِ سرکارِ دوعالم ﷺ کا جریدہ ہوتا
اپنے اوراق پہ توصیف کی رکھتا کلیاں
سرورق گنبد خضرا سے کشیدہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
گنبدِ سبز کا سرسبز میں روغن ہوتا
ایک اک لمحہ حضوری میں گذرتا میرا
رشک فردوسِ بریں میرا نشیمن ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے ربِ کریم
میں بھی افکارِ جلیلہ کا تجمل ہوتا
خاکِ طیبہ و نجف کو میں بناتا سرمہ
ان ﷺ کے اقبالؒ کی پروازِ تخیل ہوتا

حفیظ تائب (لاہور)

سر کو جھکائے ہے فلک انؐ کے سلام کے لیے
رفعتِ عرش بچھ گئی جن کے خرام کے لیے

کیسی عجیب شب تھی وہ اقصیٰ میں تھی عجب بہار
سارے نبی تھے منتظر اپنے امام کے لیے

کنجِ حرا سے آپ پر کون سا در کھلا نہیں
حق نے بلایا اپنے پاس خاص کلام کے لیے

آپؐ کے واسطے چلی نبضِ حیات و کائنات
جاری ہوا نظامِ وقت خیرِ انامؐ کے لیے

آپ کی ذات کے لیے خالق و خلق کا درود
خم ہو نہ کیوں سرِ نیاز آپؐ کے نام کے لیے

کھولتی ہے درِ حضور تائبِ عجز کار پر
کافی نبیؐ کی نعت ہے کیفِ دوام کے لیے

☆

حنیف اسعدی (کراچی)

آقاؐ کا لقب خیرِ بشر، خیرِ اُمم ہے — آقاؐ کے کرم ہی سے غلاموں کا بھرم ہے

وہ ایسے سخی ہیں کہ سخاوت بھی کرے ناز — وہ دستِ کرم سلسلۂ جود و کرم ہے

وہ ذات کہ جس کا نہ کوئی مثل نہ ثانی — وہ اسمِ گرامی کہ سرِ عرش رقم ہے

یہ اوج یہ معراج یہ عظمت یہ بلندی — افلاک تو کیا عرشِ معلیٰ پہ قدم ہے

باوصفِ بشر ذاتِ الٰہی کا تقرب — یہ وصف ہے ایسا کہ فرشتوں میں بھی کم ہے

کعبہ ہی نہیں بیتِ مقدس سے فزوں تر — سرکارؐ کی نسبت سے مدینہ بھی حرم ہے

آقاؐ کا عمل ساری خدائی کا ہے معمول — آقاؐ کا شرف سارے زمانوں کا بھرم ہے

خاموش کھڑا ہوں میں سرِ روضۂ اقدس — نظروں میں ندامت ہے جبیں شرم سے خم ہے

میں اُن کا ہوں جو وجہ قرارِ دل و جاں ہیں — جی خوش ہے کہ شیرازۂ احساس بہم ہے

ہر کوشش توصیف ہے مشکل سے بھی مشکل — ہر حرف ثنا آپؐ کے اوصاف سے کم ہے

اشکوں کی فراوانی سے لکھنا ہوا دشوار — دامن کی طرح دامنِ قرطاس بھی نم ہے

سرشار ہوں اس درجہ حنیفؔ انؐ کی عطا سے
سینہ ہی مدینہ نہیں، دل بیتِ حرم ہے

محمد اسلم فرخی (کراچی)

جس نور سماوات سے ہر شمع جلی ہے پیکر میں محمدؐ کے وہ نور ازلی ہے
منذر بھی مبشر بھی پیمبر بھی بشر بھی سرکار دو عالمؐ کی ہر اک شان بھلی ہے
سیرت بھی ہے قرآن کا اعجاز سراپا گفتار بھی قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہے
کیا نام محمدؐ ہے سکون دل مضطر کیا نام محمدؐ سے کھلی دل کی کلی ہے
مفتوح کو سینے سے لگایا بصد اکرام یہ رسم بھی سرکار دو عالمؐ سے چلی ہے
صدیقؓ و فاروقؓ اسی نور کے پرتو یہ نور ہی سرمایہ عثمانؓ و علیؓ ہے
سرمایہ دارین ہے خاک در احمدؐ پیشانی پہ میں نے بھی یہی خاک ملی ہے
انسان کی عظمت کا سبب پوچھتے کیا ہو انسانیت آغوش محمدؐ میں پلی ہے
وہ نور محمدؐ ہے کہ ہر صاحب عظمت اس نور کا پرتو ہے نبی ہے کہ ولی ہے

سرکارؐ کے قدموں کی صدا سنتا ہوں اکثر
اسلم یہ مرا دل بھی مدینے کی گلی ہے

عاصی کرنالی (ملتان)

جذبِ دل کی رہ گزر ہے تیز چلنا چاہیے
یہ مدینے کا سفر ہے تیز چلنا چاہیے

لمحہ آخر کب آجائے شمارِ وقت میں
کس کو اک پل کی خبر ہے تیز چلنا چاہیے

دل میں سیلِ غم ہے آہستہ روی کا کیا جواز
آنکھ اشکوں کا بھنور ہے تیز چلنا چاہیے

اُس دیارِ معتبر میں حاضری جب تک نہ ہو
زندگی نا معتبر ہے تیز چلنا چاہیے

اُس طرف انوارِ طیبہ بیکراں ہیں اور اِدھر
مختصر ظرفِ نظر ہے تیز چلنا چاہیے

باد رفتاری سے پہنچوں اور وہ در چُوم لوں
جو درِ خیر البشر ہے تیز چلنا چاہیے

بس اُنھیؐ کے دامنِ رحمت میں ملتی ہے اماں
ہر طرف خوف و خطر ہے تیز چلنا چاہیے

اب یہی آوازِ دل ہے "منزلِ ما دور نیست"
اب یہی سودائے سر ہے تیز چلنا چاہیے

منزلِ مقصود پر جا کر ٹھہر جائے حیات
تن میں طاقت جس قدر ہے تیز چلنا چاہیے

ہے مجھے درکار عاصی! اک شعاعِ التفات
زندگی دامانِ تر ہے تیز چلنا چاہیے

سرشار صدیقی (کراچی)

نبیؐ کے عشق کا تہذیب آشنا ہو جاؤں
وہ نعت لکھوں کہ خود نعت کا صلا ہو جاؤں

وہ دوسرا مرا جد تھا جو غار ثور میں تھا
سمجھ سکوں جو یہ نکتہ تو کیا سے کیا ہو جاؤں

اویس قرنیؓ سے سیکھوں میں ہجر کے آداب
اسی فراق میں پھر وصل آشنا ہو جاؤں

ترے وسیلے سے نیت میں وہ اثر آجائے
کہ ہاتھ اٹھاؤں تو خود حاصلِ دعا ہو جاؤں

مثالِ نکہتِ گل ہو سفر مدینے کا
زمانہ دیکھتا رہ جائے، میں ہوا ہو جاؤں

مرے خمیر میں اک آنچ کی کسر ہے ابھی
بس اب جو پہنچوں مدینے تو کیمیا ہو جاؤں

حرم میں مَیں بھی تو پیدا ہوا تھا دوسری بار
مروں وہیں پہ تو اک زندہ معجزا ہو جاؤں

ہجوم کر مرے رستے میں اپنے جلووں کا
کہ میں اکیلے چلوں اور قافلہ ہو جاؤں

میں انؐ کی مجلسِ عرفاں کا حاشیہ بردار
فقیرِ جلوہ بنوں، دید کا گدا ہو جاؤں

تمام عمر جو مشقِ سخن رہی سرشار!
بس اس لیے کے ثنا خوانِ مصطفیٰؐ ہو جاؤں

واصل عثمانی (دمام)

نعتِ رسولؐ پاک سے ایسا عطا ہوا شرف
دونوں جہاں کی نعمتیں میرے حضور صف بہ صف

دامنِ مصطفیٰؐ مجھے گوشۂ امن و آشتی
چرخِ ستم شعار بھی کر نہ سکا مجھے ہدف

جس میں نہ ذکرِ شانِ حق جس میں نہ مدحتِ رسولؐ
ایسے بیان سے گزر ایسا کلام کر تلف

جُود و سخا کے تذکرے کون و مکاں میں ہیں ترے
تیرے کرم کا غلغلہ ارض و سما میں ہر طرف

راضی تری رضا پہ ہیں بوذرؓ و طلحہؓ و بلالؓ
سعدؓ و عبیدہؓ و زبیرؓ حکم پہ تیرے سربکف

ذرّے تری نگاہ سے رشکِ گوہرِ عدن
دستِ کرشمہ میں ترے نغمہ سرا ہوئے خذف

جس کا ہو ورد دم بہ دم اسمِ رسولِ محترم
اس کو زمانہ یک قلم کر نہ سکا کبھی حذف

"سرمہ ہے میری آنکھ کا" خاکِ مدینۃ النبیؐ
رہبرِ راہِ طیبہ ہیں میرے لیے شہِ نجفؓ

☆

سحر انصاری (کراچی)

نہ کھو جائیں کہیں ہم ساعتِ دیدار سے پہلے
لپٹ جائیں مدینے کے در و دیوار سے پہلے

ادب سے چوم لیں آنکھیں ذرا جالی کے منظر کو
یہ آنسو گفتگو کرلیں مرے سرکارؐ سے پہلے

جہاں انوار ہی انوار خود میزاب رحمت ہوں
نہ دیکھا خواب ایسا دیدۂ بیدار سے پہلے

وہی دستِ مبارک فاتحِ قلب و نظر ٹھہرا
نظر آئی سی جس میں شاخِ گل تلوار سے پہلے

بہت کچھ تھا کہ جس پر اہلِ دنیا فخر کرتے تھے
مگر کیا تھا رسول اللہؐ کے افکار سے پہلے

رہے گریہ کناں کیا کیا مصائب پر محمدؐ کے
جنھیں حق نے گزارا تھا صلیب و دار سے پہلے

یہ دنیا جس پہ مہر و ماہ کی گردش کا سایہ ہے
شبِ تاریک تھی نورِ سحر آثار سے پہلے

ابو جہلِ زمانہ! دیکھ شانِ مصطفیٰؐ کیا ہے
ترے انکار سے پہلے، مرے اقرار سے پہلے

سحرؔ کیا اس قدر ہی کیف آور تھا، ذرا سوچو
کہا جو کچھ بھی تم نے نعتیہ اشعار سے پہلے

عزیزاحسن (کراچی)

درود

میں نے اپنی ماں کو دیکھا
جب کوئی شے، گم ہو گئی
ان کے لب پر آگیا فوراً درود
اور پھر کچھ دیر میں
ان کو وہ شے، مل بھی گئی
اب جنیدؔ آیا تو
اس کے ننھے ہونٹوں پر درودِ پاک تھا
اس کو اپنے پرس کھو جانے کا غم تھا
اور وہ کچھ روز سے بے چین تھا
آج اس کی ماں نے اس کو
اس کی دادی کا طریقہ کر دیا تعلیم
تو وہ خوش ہوا
اور اس کی آنکھوں میں چمک آنے لگی
میں نے جب دیکھا تو دل میں
اک امید و بیم کا طوفاں اٹھا
لب پہ آئی یہ دعا
ربِّ قدیر!
آج میرے ننھے بیٹے کے لبوں پر

شوق سے آیا ہے اک حرفِ درود!
اس کو تُو مایوس مت لوٹائیو!
میرے رب نے مہرباں ہو کر مجھے بخشی وہ شے
جو کھو گئی تھی... اور ملتی ہی نہ تھی!!!
چند لمحوں میں
مرے بیٹے کے ہونٹوں پر ہنسی تھی
میری آنکھیں نم تھیں
دل میں شکر کا احساس تھا
اور لب!
درودِ پاک سے معمور تھے!

☆

افضال احمد انور (فیصل آباد)

کہی جو کنزِ خفی کی ضیا نے پہلے نعت
ہر انتہا کی پڑھی ابتدا نے پہلے نعت

پھر اس کے نور کی لو تا ابد گئی بڑھتی
لکھی جبینِ ازل پر خدا نے پہلے نعت

مدینہ، دل نے بہت پہلے آنکھ سے دیکھا
سنائی لب سے بھی آہِ رسا نے پہلے نعت

ہم اہلِ مدح کا پھر کیا حساب محشر میں
بلائے جائیں گے ہم، واں سنانے پہلے نعت

شگوفہ ہائے چمن بعد میں ہوئے بیدار
درود پڑھ کے پڑھی ہے صبا نے پہلے نعت

ہوا ظہور پھر اہلِ جمال میں اس کا
زبانی یاد کی شرم و حیا نے پہلے نعت

ہو روزِ جلسۂ میثاق یا شبِ اسریٰ
سنائی حمد کی ہر اک نوا نے پہلے نعت

گلاب رس کو ہوئی پھر عسل کی شکل عطا
پڑھی مگس کی درودی ادا نے پہلے نعت

کہیں گے قبر میں منکر نکیر انورؔ کو
سنیں گے بعد میں تیرے فسانے، پہلے نعت

☆

اقبال حیدر (کراچی)

(نعتیہ ہائیکو)

فکر ہے صبح و شام
دھڑکن دھڑکن آقا کا
ذکر ہے صبح و شام

اللہ کا انعام
میرے خون میں شامل ہے
آقا کا پیغام

ہر لمحہ ہر گام
ساری دنیاؤں کے لیے
ان کی رحمت عام

گونجے صبح و شام
ازل ابد کے گنبد میں
میرے نبی کا نام

سب سے بڑا مقام
ہر مسجد سے پانچوں وقت
گونجے ان کا نام

صبح ہو یا شام
ان کی ذات پہ لاکھوں درود
ان پر لاکھوں سلام

وہ آقا میں غلام
میرے لیے اسم اعظم
ان کا مقدس نام

☆

خطوط

ڈاکٹر جمیل جالبی۔ کراچی

"نعت رنگ" کے دو شمارے (۷ اور ۸) موصول ہوئے جن کے لئے شکر گزار ہوں۔ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ، رنگارنگ اور متنوع حمد نمبر شائع کر کے آپ نے اپنے کاموں کو مزید وسعت دی ہے۔ میری طرف سے دلی مبارکباد۔ اُمید ہے آپ خیر و عافیت ہوں گے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام۔ حیدر آباد

نعت رنگ کے دو شمارے (۷ اور ۸) موصول ہوئے۔ کس بلند معیار پر آپ نے اس رسالے کو پہنچایا ہے، موجب حیرت ہے۔ پھر پیش کش ایسی کہ سبحان اللہ۔ شمارۂ ہفتم کے سرورق پر استاد شفیق الزماں کے فن کا نمونہ نگینے کی طرح نمایاں اور روشن ہے۔ مشمولات شوق اور دلچسپی سے دیکھے اور مستفید ہوا۔ شمارۂ ہفتم میں پیارے لال شاکر میرٹھی کا ذکر ہندو شعراء کے تحت (ص ۱۲۲) آیا ہے میرا خیال ہے وہ پکے عیسائی تھے، ہندو نہ تھے۔ تحقیق کرلیں۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ لاہور

مولانا مقصود حسین صاحب کی معرفت آپ کے نعتیہ کلام کا انتخاب اور نعتیہ ادب کے کتابی سلسلہ کے نعت رنگ کے چار شمارے (۵، ۶، ۷، ۸) موصول ہوئے، ممنون لطف و کرم ہوں کہ آپ نے اتنے دیدہ زیب، دلکش اور قیمتی تحائف اس فقیر کو ارسال کئے، راقم اس عنایت پر شکر گزار ہے اور دُعا گو کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور حمد و نعت کے اُجالے کی برکت سے موجودہ دور کی لادینیت اور فتنہ و فساد کی تاریکیاں دور فرمائے۔

نعت رنگ کے سلسلے کی ہر کتاب کتابت، طباعت کے اعلیٰ معیار کی حامل ہے اور ٹائیٹل تو اتنے خوبصورت کہ انہیں فریم کروا کر سامنے رکھنے کو دل چاہتا ہے۔ گلستان نعت میں آپ نے حمد نمبر شامل کر کے اہم ضرورت کو پورا کیا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری محافل میں حمد پیش کرنے کا التزام کیا جائے یہ تسلیم کہ نعت بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے، کیونکہ نعت اللہ تعالیٰ کے شاہکار اعظم کی تعریف و توصیف ہے لیکن حمد کے دوسرے انداز بھی تو ہیں جو آیۃ الکرسی، سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص وغیرہ سورتوں میں اختیار کئے گئے ہیں۔

آپ نے اپنی کتاب کے صفحات کو تنقید کر کے لئے بھی کھلا رکھا ہے، جس کا ثبوت ڈاکٹر

عبدالنعیم عزیزی کا مقالہ "مصرع رضا اور کشفی صاحب" جو نعت رنگ کے شمارہ ۸ کے صفحہ ۶۸ پر ہے۔ اسی طرح آپ تنقیدی مکتوبات کو بھی پوری وسعت ظرفی کے ساتھ جگہ دیتے ہیں جس کی عمدہ مثال مولانا کوکب نورانی زیدہ مجدہ کا مکتوب ہے جو آپ نے نعت رنگ کے شمارہ ۵ کے ص ۳۰۷ پر شائع کیا ہے، دراصل معقول اور مدلل انداز میں اختلاف اور اظہار بھی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے مفید ہے اور فاصلوں کو کم کرنے کے کام آسکتا ہے۔ چند ایک اُمور کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں:

۱۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط اپنے مقالہ "اردو نعت گوئی کے موضوعات" شمارہ ۵، ص ۵۷ میں لکھتے ہیں کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے بھی لکھا تھا "معراج سے متعلق احادیث صحیحہ میں بھی ضعف پایا جاتا ہے" ____ صحیح اور ضعیف حدیث کی دو متقابل قسمیں ہیں۔ صحیح ہوگی تو اس میں ضعف نہیں ہوگا اور ضعف ہوگا تو وہ صحیح نہیں ہوگی ان دونوں کو جمع کرنا آگ اور پانی جمع کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ یہی ڈاکٹر صاحب ص ۶۰ پر لکھتے ہیں "اب ایک نعت گو توحید کے متوالے شاعر کی جرات رندانہ نہیں بلکہ مشرکانہ ملاحظہ ہو (چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں) او تاروں کی شان میں لکھے گئے بھجن بھی اس کفریہ کلام کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ (ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں) ثنائے محمدی ﷺ کو "حمد" کی شکل میں پیش کرنے کا فن کس قدر مذموم اور ناروا ہے ____ حالانکہ حمد اور ثنا دونوں کا معنی تعریف ہے، نبی اکرم ﷺ کی ثنا ہو سکتی ہے تو حمد کیوں نہیں ہو سکتی؟

ان سب تبصروں کے باوجود آخر میں لکھتے ہیں "نعت گوئی کے یہ چند موضوعات تھے، ان پر قصر ت تعمیر کر کے اردو کے نعت گو شعراء سمجھ رہے ہیں گویا انہوں نے جنت میں گھر تعمیر کرالیے ہیں، جو کچھ ید بھی نہیں کہ اللہ انکی اسی سرشارانہ عقیدت رسول سے خوش ہو جائے اور یہی نعتیں ان کے لئے حدائق بخشش بن جائیں۔" (ص ۶۰)

اب آپ ہی بتایئے کہ کافرانہ اور مشرکانہ اشعار لکھنے والوں کی نعتیں کیسے حدائق بخشش بن جائیں گی؟ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں صاف فرما رہا ہے کہ شرک کی مغفرت نہیں ہوگی۔

غرض یہ کہ آپ کا کام جتنا اہم ہے، اتنا ہی نازک ہے اور اس میں اتنی ہی احتیاط کی ضرورت ہے، خوب چھان پھٹک کے بعد مقالات کی اشاعت ہونی چاہئے۔

۳۔ شمارہ ۷، ص ۸۳ میں ڈاکٹر عاصی کرنالی لکھتے ہیں "اسی حمد میں یا کسی منقبت و مدحت میں کسی عبدیا بشر سے بھی طالب امداد ہوتا ہے اور گویا اسے صفاتِ الٰہی میں شریک گردانتا ہے۔

حالانکہ ہم میں سے تقریباً ہر شخص حاکم، حکیم یا عزیز و اقرباء سے مدد مانگتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم مشرک ہو گئے ہو، حضرت ذوالقرنین نے کہ اعینو نی بقوۃ (القرآن) تم طاقت کے ساتھ میری مدد کرو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں من انصاری الی اللہ (القرآن) کون ہے اللہ کی

طرف میری امداد کرنے والا؟ کیا اسے بھی شرک کہا جائے گا؟ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مخلوق کو مستقل جان کر اس سے مدد مانگنا شرک ہے، اور اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر ہے تو اس میں حرج نہیں۔

۴۔ حمد نمبر کے ص ۲۷۰ پر ایک شعر ہے۔

یزداں، مولا، رام، گرد — اندر جملہ اسماء او

اک دوسرا شعر ہے

بستہ اس کے ذکر سے ہے — مالا، سبحہ اور جینو

استغفر اللہ! اسلام اور ہندو مت میں کیا فرق رہ گیا؟ اس کی ذمہ داری صرف شاعر پر نہیں، ناشر پر بھی عائد ہوتی ہے۔ یہ تو چند مقامات ہیں جو مختصر وقت میں سامنے آئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے حمد و نعت کے موضوع پر تفصیلی مقالہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی۔ کراچی

سب سے پہلے اکٹھے دو شمارے شائع کرنے پر ڈھیر ساری داد اور مبارکباد۔ مجھے یاد ہے کہ گزشتہ شمارہ آیا تھا تو ان دنوں بھی اپنے والد گرامی حضرت مجدد مسلک اہل سنت، خطیب اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمتہ الباری کے سالانہ عرس کی تیاریوں میں تھا اور یہ تازہ دونوں شمارے بھی ٹھیک سال بھر بعد انہی دنوں آئے کہ عرس شریف کا مرحلہ تھا۔ دونوں شمارے فضلی سنز، اردو بازار کراچی سے منگوائے، آپ نے اس بار شماروں کی اشاعت کی خبر تک نہیں کی۔ آپ نے سال بھر وقفہ کیا، اس وقفے نے مجھے ست کر دیا کہ فوری طور پر کچھ لکھنا ضروری نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے میرے مشاغل نے گھیرے رکھا اور میں دونوں شماروں سے استفادہ تو کرتا رہا لیکن لکھنے کو قلم نہ اٹھایا۔ آپ کے عدیل قاسمی صاحب دو مرتبہ میرے پاس تشریف لائے اور آپ کا یہ پیام پہنچایا کہ اتنا طویل خط لکھ سکتے ہیں تو مستقل مضمون کیوں نہیں لکھتے؟ ان سے عرض کی کہ صبیح رحمانی سے ابتدا میں یہی وعدہ (مشروط) ہوا تھا کہ مندرجات کے حوالے سے دینی و علمی اصلاح میں ممکنہ معاونت کروں گا۔ عرصہ ہوا کہ شعر و ادب کو وہ وقت نہیں دے پاتا جو پہلے کبھی دیا کرتا تھا، روزانہ کی ڈاک کا جواب دینے کے لئے کچھ وقت نکالتا ہوں، اسی میں نعت رنگ کا حصہ ہو گیا۔ اگر کبھی کچھ لکھا تو نعت رنگ ہی کے لئے ہو گا۔ ان کی جذباتی مدلل جرح بھی کسی مستقل تحریر کا باعث نہیں ہوئی۔ ایک موضوع پر انہوں نے کچھ فرمایا تو "فنون" کے دو شمارے ان کو مستعار دیئے کہ وہ اس میں ضروری صفحات کا عکس لے کر واپس پہنچا دیں لیکن تا ایں دم وہ نہیں آئے، آپ نے ایک شب فون میں میرے مطبوعہ خط پر احباب کے تاثرات بتائے تھے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی گفتگو بھی کی، میرے محترم! حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی اپنے زمانے میں گویا، نابغہ عصر تھے، اس حوالے سے ان کا ایک شعر کہہ کر

بات سمیٹ دیتا ہوں وہ فرمایا کرتے تھے۔

ہم نہیں جانتے ہیں وجود و شہود
یہ باتیں ہیں دو، اور خدا ایک ہے

الفتوحات المکیہ اور مکتوبات شریف کا مطالعہ (کسی قدر) میں نے ضرور کیا ہے۔ قلبی طور پر میں حضرت ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانی" دونوں کا عقیدت مند ہوں اور حضرت ابن عربی کے مزار شریف پر جب حاضر ہوا تھا تو کیفیات وواردات نے رُوح کو معطر کیا، جو لوگ (اہل علم واہل محبت) اس بحر عمیق کے غواص ہیں، ان ہر دو کے گہرپارے نظر سے گزرتے ہیں لیکن میں نے اس موضوع کو طبیعت میں راہ نہیں دی، میں شاید اہل ہی نہیں۔ محبت کا ہر پھول جو مہکے اس کی مہک سے خوش ہوتا ہوں، کچھ وہی حال کہ نظرے خوش گزرے، اس سے زیادہ کی تاب ہے نہ مجال۔

آپ کے دونوں شمارے طباعت میں عمدہ ہیں، آپ کا سفر ذوق ترقی پذیر ہے۔ حمد نمبر اپنے موضوع کے لحاظ سے آپ کی پہلی مگر عمدہ کاوش ہے۔

مجھے اس برس ایک موضوع پر تحقیق میں خاصا وقت لگا۔ رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کچھ نادہندہ لوگوں نے ہرزہ سرائی کی تھی، پاک وہند میں اس موضوع پر کچھ مطبوعات منظر عام پر آئیں۔ اس فقیر نے بھی ہدیہ عقیدت پیش کیا، چند صفحات لکھنے کا ارادہ کیا تھا، کمپوزنگ ہوئی تو ضخیم کتاب تیار ہو گئی تھی۔ پبلشر نے دوسرا پروف نہیں دکھایا، کتاب میں املا کی کچھ غلطیاں رہ گئیں، تاہم وہ طبع ہو گئی، اللہ کرے کہ شرف قبول پائے، آمین۔ معترضین بلاشبہ ستم کرتے ہیں لیکن اہل محبت کرم کرتے ہیں کہ معترضہ موضوع پر تحقیق جمع ہو جاتی ہے اور نسلوں تک کام آتی ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر پہلی مرتبہ میں نے والدین کریمین کے مزارات کی فوٹو بھی شائع کر دی کہ اہل ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ماہِ رجب سے ذی الحج کا مرحلہ آگیا، مجھے ماہِ محرم الحرام میں انشاء اللہ بیرون ملک جانا ہے، اور اندازہ ہے کہ سانس کی ڈور کے ساتھ مشاغل کی کثرت ہے، اس لئے آج آپ کے نام یہ سطور تحریر کر رہا ہوں۔ وقفے کے باعث یہ تحریر شاید قدرے مختلف ہو تاہم محض خانہ پُری کے لئے نہیں۔

"شعر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی رائے" کے عنوان سے نعت رنگ شمارہ ۸ میں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب کا پچیس چھبیس صفحات پر مشتمل مقالہ ہے۔ املا کی چند غلطیوں سے قطع نظر، اسے وقیع اور تحقیقی پایا، مجموعی طور پر اختلاف کی گنجائش نہیں ملی، ڈاکٹر صاحب کی محنت کی قدر کرتے ہوئے جزوی اختلاف کا تذکرہ بھی غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ صفحہ ۵۲ سے جناب ڈاکٹر پروفیسر عاصی کرنالی کی تحریر شروع ہوتی ہے، لفظ "عاصی" بطور نام مختلف فیہ اور غیر مانوس ہے، ان کی تحریر میں کچھ جملے نئے لگے اور اچھا تاثر ملا، ان کے اس جملے پر کوئی دلیل یا سند مذکور نہیں، فرماتے ہیں "عموماً دنیا کی ہر زبان میں نثر سے پہلے شاعری

وجود میں آتی ہے۔" جاننا چاہتا ہوں کہ یہ واقعہ ہے یا خیال؟ ص ۵۳ پر وہ لکھتے ہیں "مختلف مذاہب و عقائد عالم کے مقابلے میں دین اسلام ایک انقلابی عقیدے کے ساتھ سامنے آیا....." اس بارے میں پروفیسر صاحب کی توجہ میں یہ بات لانا چاہوں گا کہ حضرت آدم علیہ السلام، انسانِ اول سے ہمارے نبی پاک ﷺ انسان کامل کی بعثت تک توحید کے حوالے سے عقیدہ واضح اور ایک ہی رہا ہے اور باقی عقائد و مذاہب لوگوں نے وضع کیے اور انہیں وہ اسلام کے مقابلے میں لانے کے مرتکب ہوئے۔ اسلام تو ان کے مقابلے میں نہیں آیا یعنی اسلام شروع سے ہے، ہاں یہ جملہ وہ شاید یوں کہنا چاہتے ہوں کہ "مختلف مذاہب و عقائد عالم دین اسلام کے ایک یقینی و انقلابی عقیدے کے سامنے لائے گئے اور مقابل ہوتے رہے ان کے اس جملے میں لفظوں کی نشست کی تبدیلی سے بھی بات درست ہو جاتی کہ دین اسلام کے ایک انقلابی عقیدے کے مقابلے میں مذاہب و عقائد عالم سامنے آئے یعنی لائے گئے" ہو سکتا ہے کہ پروفیسر صاحب نے صرف رسول کریم ﷺ کی بعثت سے اسلام کو شمار کیا ہو تاہم مجھے ان کا جملہ درست نہیں لگا اس لیے وضاحت کر دی چناں چہ اسی صفحے پر وہ خود لکھتے ہیں "اور آپ ہی دین اسلام کے پیغمبر آخر الزماں کے طور پر تشریف لائے۔" اس کے بعد وہ لکھتے ہیں "اللہ، ملائکہ، جن وانس، ہمہ مخلوقات، تمام ارض و سماء، دنیا اور مافیہا آپ پر درود و سلام پڑھتی ہے اور آپ کی مدح وثناء میں مشغول ہے۔" پروفیسر صاحب کا یہ بیان محبت و عقیدت ایسا بھی نہیں کہ اسے یکسر مسترد کر دیا جائے اور ایسا بھی نہیں کہ بہ تمام و کمال مان لیا جائے۔ جنات میں غیر مسلم اور بد عقیدہ بھی ہیں اور یہ تو درست ہے کہ میرے مدنی تاج دار ﷺ تمام کائنات کے رسول ہیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ کائنات ذکر مصطفیٰ ﷺ سے معمور ہے اور ذکر مصطفیٰ ﷺ بلاشبہ ذکر خدا ہے، اللہ تعالیٰ اور تمام ملائکہ درود شریف ہمہ وقت بھیج رہے ہیں، مگر سب مخلوق کا میرے رؤف ورحیم رسول کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا اور مدح وثنا میں مشغول ہونا یعنی ہمہ مخلوقات کے حوالے سے یہ میرے علم میں کسی قطعی دلیل کے ساتھ مستحضر نہیں، یوں میں اسے عقیدہ کی جائے عقیدت ہی کہوں گا تا آں کہ مجھے کوئی روایت اس حوالے سے معلوم ہو جائے۔ صفحہ ۵۵ پر فارسی کا تفوق عربی پر پروفیسر صاحب نے بیان کیا ہے اسے بھی بالکلیہ مانا نہیں جا سکتا اور پروفیسر صاحب نے شعری اصناف کے اکثر الفاظ جو تحریر فرمائے ہیں وہ سب عربی زبان کے ہیں۔

صفحہ ۵۶ پر ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کی تحریر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قصیدہ بردہ شریف کے اُردو منظوم تراجم پر اپنی معلومات پیش کی ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہوں گے کہ بخاری شریف کی پہلی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں انما الاعمال بالنیات، بے شک اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں، اس واضح ارشاد کے باوجود کسی فعل کے قصد، ارادے سے خالی ہونے کا انکار محل نظر ہے۔ قصیدہ گو کے کلام میں اس کا جذبہ و ارادہ ہی جیاد ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ قصیدے کا ممدوح بزرگ و محترم ہوتا ہے اور وہ لفظ قصیدہ کو قصدے

مشتق ماننے میں تامل فرماتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ ایسی مہتم بالشان صنف (قصیدہ) کو ارادے اور قصد کے تابع کرنے سے اس میں آورد کا عیب پیدا ہو جاتا ہے جو خالص ہونے پر ملمع سازی کے مصداق ٹھہرے گا۔ نعتیہ قصائد کے سوا باقی قصیدوں کو ڈاکٹر صاحب نے فراموش کر دیا ورنہ وہ سب قصائد پر یہی رائے ظاہر نہ فرماتے۔ ص ۷۵ پر وہ لکھتے ہیں "اگرچہ نعتیہ قصائد میں بھی بعض اوقات غلو کی وجہ سے حفظ مراتب کا خیال نہیں رکھا جاتا اور عبد و معبود کے فرق کو مٹانے کی دانستہ کوششیں ہوتی ہیں لیکن عربی قصائد اس عیب سے یکسر پاک نظر آتے ہیں، وہاں رسالت اور ربوبیت میں حد فاصل قائم رکھنے کے لیے جتن کیے گئے ہیں خود حضور ﷺ نے بعض قصائد میں اس حد کو قائم رکھنے کے لیے اصلاح فرمائی ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے ایسی "دانستہ کوششیں" بیان نہیں فرمائیں، وہ یقیناً ایسے افراد سے اتنے واقف ہوں گے کہ ان کی کوششوں کے دانستہ یا نادانستہ ہونے کا بھی علم رکھتے ہیں، انہیں مثالیں، نمونے اسی وثوق سے پیش کرتے ہوئے اپنی رائے کو ثابت کرنا چاہیے تھا اور نبی کریم ﷺ نے جن بعض قصائد میں اس حد کو قائم رکھنے کے لیے اصلاح فرمائی وہ بھی بیان کرنی چاہیے تھی تاکہ ان کے دعویٰ پر دلیل قائم ہوتی۔ وہ فرمودۂ قرآن "و فوق کل ذی علم علیم" کے منکر نہیں ہوں گے، اپنی رائے کو قانون یا فیصلہ یا قطعی ٹھہرانے سے پہلے وہ حقائق واضح فرمائیں ورنہ ان کے یہ جملے دوسروں کو ناحق ثابت کرنے کی دانستہ کوشش قرار پائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب قصیدہ بردہ شریف ہی کو بغور ملاحظہ فرمائیں تو انہیں خوبی اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں "لیس له حد" کے واضح الفاظ میرے محبوب کریم ﷺ کی رفعت شان کے لیے موجود ہیں۔ کون ہے اس جہاں میں جو میرے آقا و مولیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی حد بیان کر سکے؟ ڈاکٹر صاحب اگر اعتقادی طور پر دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ ہیں تو وہ دارالعلوم دیوبند کے بانی کہلانے والے محمد قاسم صاحب نانوتوی کا منظوم کلام ہی ملاحظہ فرمالیں، انہیں میرے موقف کی تائید ان کے اشعار سے بھی واضح ملے گی۔ ڈاکٹر صاحب اسی صفحے پر مزید لکھتے ہیں "اس قصیدے کو شہرت "قصیدہ بردہ" کے نام سے ملی، جہاں اس کی ادبیت کو تسلیم کیا گیا وہاں تعویذ، گنڈے میں اس کے اشعار استعمال کر کے اس کی فضیلت کو بھی منوالیا گیا ہے....." جناب ڈاکٹر یحیٰی نشیط کے یہ جملے یہی واضح کرتے ہیں کہ وہ اپنے قلب و ذہن میں کوئی گرہ رکھتے ہیں ورنہ اس مبارک قصیدہ شریفہ کی فضیلت کا بیان اس طرح نہ کرتے۔ قریب ترین حوالے کے لیے وہ جناب اشرف علی تھانوی کی نشر الطیب ہی ملاحظہ فرمالیں کہ اس قصیدہ بردہ کی فضیلت کی وجہ کیا ہے اور اس کی فضیلت کس قدر ہے؟ وہ عطر الوردہ سے بھی شاید واقف نہیں، قصیدہ بردہ سیکڑوں برس سے اکابر اولیاء و علماء کا وظیفہ ہے کیونکہ یہ بارگاہ رسالت میں نہایت مقبول ہے اور تعویذ گنڈے کی تحقیر و تضحیک کیوں کر روا ہو سکتی ہے، کلام الٰہی اور پاک و مبارک دعائیں و الفاظ ہی تعویذات میں درج کیے جاتے ہیں، ڈاکٹر یحیٰی صاحب اور ایسے تمام دوستوں سے یہی عرض ہے کہ وہ لوگ دینی باتوں پر زبان و قلم کا استعمال کرتے ہوئے محتاط رہیں اگر انہیں کسی موضوع یا مسئلے پر

شرح صدر حاصل نہیں تو وہ جاننے اور سمجھنے کی جستجو کریں لیکن اپنی ناواقفی سے دینی باتوں کی تضحیک و توہین نہ کریں کیونکہ اس کا وبال سنگین اور شدید ہوتا ہے۔ صفحہ ۵۸ پر ڈاکٹر صاحب نے علماء کے نام لکھے اور حضرت مولانا فضل رسول بدایونی کے نام کے ساتھ "مولوی" کا لفظ بھی گوارانہ فرمایا جب کہ باقی سب کے نام کے ساتھ انہوں نے یہ لکھا، یوں وہ خود کو گروہی وابستگی کے حوالے سے متعارف کرواتے ہیں جب کہ اس وابستگی کا واضح اعلان نہیں کرتے۔ نعت رنگ کے اسی شمارے میں صفحہ ۱۴۸ پر ڈاکٹر صاحب کی ایک تحریر اور ہے، سریش بھٹ کی ایک مراٹھی نعت کا تجزیہ کے عنوان سے، اس تحریر میں صفحہ ۱۵۴ پر وہ فرماتے ہیں "قرآن حکیم میں آپ ﷺ کی ایک صفت نور بھی بتائی گئی ہے چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قد جاء کم من اللہ نور (المائدہ، آیت ۱۹) یعنی بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا، دوسری جگہ آپ کو سراجا منیرا کہا گیا ہے ______" ڈاکٹر صاحب کی یہ عبارت صفحہ ۱۵۵ کے دامن تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے اسے پورا نقل نہیں کر رہا۔ مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے جو روایت تحریر فرمائی وہ شاید اصل کتاب سے نقل نہیں کی اسی لئے وہ اس کا صحیح ترجمہ درج نہیں کر سکے۔ اس بارے میں ان کے یہ الفاظ ضرور نقل کروں گا وہ لکھتے ہیں "لیکن بعض عربی شعراء نے آپ کے چہرہ انور کی مدحت سرائی کچھ اس انداز سے کی ہے گویا آپ (ﷺ) سراپا نور ہیں۔" جناب سید صبیح رحمانی! آپ کا نعت رنگ اب تک جن احباب میں اپنی منزلت بنا سکا ہے، وہ آپ کے اس جریدے کو محبت رسول ﷺ کے جذبے سے سراہ رہے ہیں لیکن ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب یا کچھ اور دوست دبے لفظوں یا کھلے لفظوں اعتقادات کی بحث میں اُلجھ رہے ہیں۔ عقیدہ ایسی چیز نہیں کہ اس میں شک کو راہ ملے، پختہ یقین عقیدہ کے باب میں لازمی ہے اور عقائد کی بنیاد لوگوں کے اقوال نہیں، قرآن و حدیث ہیں۔ ڈاکٹر یحییٰ صاحب کو اگر میرے نبی پاک ﷺ کے نور ہونے میں شبہ ہے تو وہ اپنے شبہ کو دور کر لیں، نبی پاک ﷺ بلاشبہ سراپا نور ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اگر چاہیں تو انہیں علمائے دیوبند ہی سے اس کی تائید یہ فقیر پیش کر دے گا۔ وہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کی کتاب الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین ﷺ ملاحظہ فرمالیں، ان کی تسلی ہو جائے گی۔ جن شعراء نے نورنامے لکھے ہیں انہوں نے اپنی طرف سے طبع آزمائی کر کے یہ خیال وضع نہیں کیا۔ فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت کا قصیدہ نوریہ قرآن و حدیث کی ترجمانی ہے۔ جناب مبین مرزا کی تحریر میں بھی کچھ باتیں نظر آئیں، کہاں تک لکھوں۔ جناب سلطان جمیل نسیم نے علامہ اقبال مرحوم کے حوالے سے لکھا کہ "اب رہی بات علامہ اقبال کی، انہوں نے واقعی حمد اور نعت کو ایک نیا رُخ دیا ہے اور کشفی صاحب کے مطالعے پر پوری اُترتی ہے یعنی اقبال کے یہاں قرآن و حدیث کا مطالعہ اور کائنات کا مشاہدہ نظر آتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ بڑوں سے نسبت ہی بڑا بناتی ہے، علامہ اقبال کی شاعری اسی وجہ سے بلند تر ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے اکتساب نور کرتے ہیں۔" (ص ۲۶۹) جناب سلطان جمیل نسیم سے عرض ہے کہ علامہ اقبال علامہ ہونے کے باوجود قرآن و

حدیث سے بکمال واقف نہیں تھے اس لئے ان کے بعض اشعار میں شدید اعتراض و اختلاف ہے۔ کشفی صاحب نے نعتیہ شاعری کے لئے علوم دین سے گہری واقفیت ضروری بتائی ہے اس کے مطابق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا کلام تو ہے لیکن علامہ اقبال کا تمام کلام اس واقفیت کی عکاسی نہیں کرتا۔ اگر علامہ اقبال مسیحاؑ خضرؑ سے اونچا مقام ایک ولی اللہ کا بتائیں تو کشفی صاحب یا سلطان جمیل نسیم صاحب اسے کیا کہیں گے؟ مجھے پھر شرمندگی ہے کہ میرا یہ خط طویل ہو گیا، حمد نمبر ابھی باقی ہے۔ انہی جملوں پر اکتفا کرتا ہوں، میرے مطبوعہ خط میں املاء کی جو غلطیاں ہو گئی ہیں ان کا ذکر بھی نہیں کر رہا۔ کوئی غلطی اس تحریر میں ہو گئی ہو اس کے لئے بھی طالب عفو و درگزر ہوں۔ اللہ بس باقی ہوس!

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد۔ بھارت

نعت رنگ ۷، ۸ محترمی رفیقی ظفر اقبال صاحب کی وساطت سے موصول ہوا، شکریہ!! اس سے پیشتر نعت رنگ ۱، ۲، ۳ کا سوغات موصوف ہی کے توسط سے مل چکا ہے۔ نعت رنگ کے ہر سہ رسالوں سے میں نے اور میرے ریسرچ کے تلامذہ نے کافی استفادہ کیا ہے۔ آپ کا جاری کردہ یہ سلسلہ کافی نفع بخش اور مفید ہے۔ آپ اس کے ذریعہ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کی نعت کے ساتھ ساتھ آپؐ کے احکامات و فرمودات و معمولات مبارکہ کو عام کر رہے ہیں اور تشنگانِ علم و تحقیق کو سیراب بھی کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو یقیناً ماجور فرمائے گا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ میری شریک حیات کا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ بھی نعت کے مقدس موضوع سے متعلق ہے اور اس کا موضوع ہے "اردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" اس مقالہ کے علاوہ نعت کے موضوع پر کانپور یونیورسٹی سے اب تک تین مقالوں پر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی جا چکی ہے یہ تینوں مقالے میری نگرانی میں لکھے گئے ہیں، جن کی تفصیل مرقومہ ذیل ہے۔

(۱) ڈاکٹر نگار سلطانہ، بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعراء کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، تعداد صفحات ۴۶۵

(۲) ڈاکٹر شکیلہ خاتون، اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ، تعداد صفحات ۵۲۶

(۳) قریشہ بانو، ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعت کا تقابلی مطالعہ، تعداد صفحات ۵۲۸

محترمی محمد اظہار نے اردو کے حمدیہ سرمایہ پر "اردو میں حمد نگاری کی روایت" کے موضوع پر اسی یونیورسٹی سے میری زیر نگرانی اپنا تحقیقی کام مکمل کر لیا ہے۔ ان کا یہ مقالہ کتابت کی منزل عبور کر کے مجلد ہو چکا ہے اور داخلہ کا منتظر ہے۔

"اردو نعت کے موضوعات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" موضوع پر میری نگرانی میں محترمہ شمیم اختر خاتون اپنا تحقیقی کام تیزی سے مکمل کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔

راقم نعت رنگ ۷ و ۸ کا مطالعہ بالاستیعاب کرے گا اور اس پر اپنی رائے بھی حوالۂ قرطاس کرے گا (انشاء اللہ) ابھی یونہی سرسری دیکھا تو پتہ چلا کہ نعت رنگ کا حمد نمبر ہے جو کافی وقیع واہم ہے۔ حمد و مناجات پر عالی جناب ابوالحسن علی ندوی کا مقالہ کافی پر مغز ہے۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط اُردو کی حمدیہ شاعری کے لئے ایک معتبر اور مستند نام ہے موصوف کو صوفیانہ شاعری پر کافی درک حاصل ہے۔ محترمی نور احمد میرٹھی کی ہندو شعراء کی حمدیہ و نعتیہ شاعری پر کافی گہری نگاہ ہے۔ موصوف نعتیہ شاعری پر ہندو شعراء کے حوالہ سے عالم گیر شہرت کے مالک ہیں۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی کی حمدیہ شاعری پر تنقید خاصے کی چیز ہے۔ حمد و نعت اور نقد و تحقیق میں موصوف اپنی ایک آفاقی شناخت بنا چکے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ کے نعتیہ شاعری پر اثرات کے بارے میں ایک قد آور شخصیت ہیں۔

نعت رنگ ۸ میں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے جو مقالہ "شعر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی رائے" عنوان سے قلم بند کیا ہے، وہ کافی ژرف نگاہی سے لکھا گیا ہے۔ یہ مقالہ قرآن کریم اور احادیث نبی کریم ﷺ پر ان کی ژرف نگاہی کا غماز ہے۔ لیکن اس مقالہ میں ایک بات کھٹکتی ہے موصوف نے اپنے اسی مقالہ میں حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل شعر کا انتساب سبعہ معلعہ کے مشہور و معروف شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کی جانب کر دیا ہے۔ موصوف نے ثانوی حوالہ میں العقد الفرید کا نام لکھا ہے

وان احسن بیت انت قائله　　بیت تقال اذا انشدته صدقا

واضح ہو کہ در حقیقت مولانا الطاف حسین حالی نے اس شعر کو تسامماً زہیر ابن ابی سلمیٰ کا اپنی معرکہ آراء تحقیق مقدمہ شعر و شاعری کے صفحہ ۹۴ پر لکھ دیا ہے۔ راقم نے ۱۹۷۷ء میں "اردو شاعری میں نعت" کے تحقیقی سفر کے دوران اس شعر کو زہیر ابن ابی سلمیٰ کے دیوان میں نہیں پایا اور تلاش بسیار کے بعد اس کو یہ شعر علامہ ابن رشیق کی کتاب العمدہ کے صفحہ ۳۷ پر ملا اور تب اس کو اس حقیقت کا علم ہوا کہ اس شعر کے تخلیق کار شاعر رسولؐ حضرت حسان بن ثابتؓ ہیں۔ راقم نے اس واقفیت کا اظہار اپنی کتاب "نعتیہ شاعری کا ارتقاء" مطبوعہ ۱۹۸۸ء کے صفحہ ۱۱۴ پر کر دیا ہے۔

خط طویل ہوتا جارہا ہے اور محترم دوست ظفر اقبال پر انتظار کی گھڑیاں سخت ہوتی جارہی ہیں اس لئے اس سلسلہ کے بقیہ تاثرات استعیابی مطالعہ کے بعد انشاء اللہ پیش کئے جائیں گے۔

مولانا ملک الظفر سہسرامی۔ بھارت

چند دنوں قبل بذریعہ رجسٹری ڈاک "نعت رنگ" شمارہ ۷ اور شمارہ ۸ انہی کے ساتھ عزیز احسن صاحب کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "اردو نعت اور جدید اسالیب" اور شفیق الدین شارق کا مجموعہ کلام "نزول" کی ایک ایک کاپی موصول ہوئی۔ ان تمام عنایات کی شکر گزاری کس طرح کی جائے؟ فوراً جواب نہیں لکھ سکا معذرت طلب ہوں۔ خیال ہوا کہ "الکوثر" کے تازہ شمارے کے ساتھ شکریہ ادا ہو تو بہتر ہے

سو آج حاضر ہو رہا ہوں۔ آپ کی سنجیدہ کاوشوں کا میں پہلے ہی معترف ہو چکا ہوں۔ ان تازہ شماروں نے بھی عمدہ تاثرات قائم کیے ہیں۔ پروردگار عالم آپ کی ذات سے نعتیہ شاعری کی پاکیزہ روایات کو مزید تب و تاب سے نوازے۔ نبی کائنات علیہ السلام کے ذکر کی رفعت ہمارے بیان کی محتاج نہیں کیونکہ

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر

محترم صبیح رحمانی! نعت رنگ کے شمارہ ۶ پر "الکوثر" میں تبصرہ شائع کر چکا ہوں ممکن ہے آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو۔ اس شمارے میں بھی کچھ باتیں قابل اعتراض تھیں لیکن میں نے انہیں تبصرے میں عمداً موضوع بحث بنانے سے گریز کیا۔ الحمدللہ! آپ نے خود فراخدلی کے ساتھ مولانا کوکب نورانی اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے مقالات و مکتوبات کی اشاعت فرمادی جن میں قریب قریب وہ تمام قابل اعتراض حصے آگئے۔ ایک اہم بات اور جو اردو ادب میں نئی نہیں اور اردو صحافت سے وابستہ حضرات کے لیے بھی یہ کوئی نیا انکشاف نہیں۔ آئے دن اس طرح کی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں۔ مضمون کسی کا نام کسی کا۔ لیکن "نعت رنگ" جیسے معیاری تحقیقی جریدے میں جب اس طرح کی کوئی اوچھی حرکت کا ارتکاب کرتا ہے تو آپ یقین فرمائیں کہ خون کھول اُٹھتا ہے اور وہ بھی اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر اور محقق کا دم چھلا لگانے والا کوئی شخص ایسی حرکت کرتا ہے تو حیرتیں اپنی انتہا کو چھونے لگتی ہیں۔ "نعت رنگ" شمارہ ۶ میں قصیدہ بردہ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کے عنوان سے ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری کا تحقیقی مقالہ شائع ہوا ہے۔ اس امر کا انکشاف آپ کے لیے بھی حیرتوں کا باعث ہوگا کہ یہ مقالہ آج سے ۲۶ سال قبل پاکستان سے شائع ہونے والے سیارہ ڈائجسٹ کے رسول نمبر حصہ دوم، جلد ۲ شمارہ نومبر ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکا ہے جو علی محسن صدیقی کا مقالہ ہے اس کی تلخیص عبدالکریم عابد نے کی۔ اگر آپ نے چاہا تو اس کی عکسی کاپی بھی فراہم کی جاسکتی ہے۔ آپ اس کا مطالعہ فرما کر ایسے لوگوں کے خلاف سخت محاسبانہ رویہ اختیار فرمائیں۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

آپ کے علم میں ہے کہ طبیعت ٹھیک نہیں اور اب اسی طرح چلنا بھی ہے شاید۔ کچھ لکھنا تو دور کی بات ہے پڑھنے تک کو جی نہیں چاہتا خط کسی نہ کسی طرح لکھ رہا ہوں۔ ستمبر ۱۹۹۹ء کے شمارے میں چھپنے والے خطوط پڑھ لئے ہیں۔ اس سے قبل کہ میں ان پر کچھ لکھوں یہ کہنا چاہوں گا کہ قبلہ جناب کوکب نورانی کی ذات قابل تعریف ہے کہ وہ دینی معاملات پر اٹھائے گئے سوالات پر کم از کم کچھ لکھتے تو ہیں ورنہ یوں لگتا ہے کہ باقی سارے علمائے دین جیسے ہیں ہی نہیں۔ کوئی اور قلم اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا۔ اس بار انہوں نے متعدد لکھنے والوں کو روکا ٹوکا ہے مثلاً پروفیسر ابوالخیر کشفی صاحب کو، رشید وارثی صاحب کو، جمال پانی پتی صاحب کو اور عزیز احسن صاحب کو۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ بہت معمولی معمولی باتوں پر معترض ہوئے ہیں مثلاً "ستی جذباتیت" "کھ ملاؤں" "مرض میں مبتلا ہوئے" جیسے الفاظ لکھنے پر بھی ناخوش تھے۔ میرے

اس سوال کے جواب میں کہ "صحیح مبالغہ" سے کیا مراد ہے انہوں نے لکھا ہے "اس سے مراد ہے جائز مبالغہ" مجھے حیرت ہے کہ کیسا جواب ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی جیسے کوئی کہے "جائز بدکاری" یا "مستحسن بے ایمانی" بہر حال اب یہ تمام باتیں میں لپیٹ دینا چاہتا ہوں۔ پڑھنے والے خود کسی فیصلے پر پہنچیں۔ ویسے بھی میرا مقصد ہر گز بحث و مباحثہ نہیں۔

دوسرا خط ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا ہے، انہوں نے مجھ حقیر کے خط مطبوعہ نعت رنگ شمارہ ۴ میں اٹھائے ایک سوال کا جواب بہت تفصیل سے لکھا ہے (واضح ہو کہ اس پر جناب کوکب نورانی صاحب پہلے ہی توجہ فرما چکے ہیں) عزیزی صاحب کا خط طویل ضرور ہے مگر بے مغز اور بچکانہ سا ہے۔ اپنے اس خط میں وہ مدعی بھی خود ہیں، گواہ بھی، وکیل بھی اور حتی کہ منصف بھی اور جو کچھ وہ ثابت کرنا چاہتے تھے "اپنے تئیں" اسے بہ حسن و خوبی ثابت کر دیا ہے۔ میں ان سے الجھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ایک بات ضرور پوچھوں گا کہ کیا یہ القاب (مولائے کل، سرکارِ دوعالم وغیرہ) حضور اکرم ﷺ کے سامنے بھی رائج تھے اور کیا صحابہ ان کا استعمال کرتے تھے؟ اور ہاں انہوں نے اپنے خط کے دوسرے پیراگراف میں لکھا ہے "ایسے مضامین جن میں ـــــ چبھونے والا طنز پوشیدہ ہو ـــــ" میں جاننا چاہوں گا کہ یہ چبھونے والا طنز کیا ہوتا ہے؟

آپ کا اس بار کا سمارہ سرف ۲۷۲ صفحات کا ہے۔ یہ اچھی بات ہے بس اس سے زیادہ ضخامت مناسب نہیں بلکہ کچھ اور کم کر دیں تو اچھی بات ہے۔ میٹریل جس قدر بہتر اور معیاری ہو اتنی اچھی بات ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی سے مضامین لکھوائیں وہ بہت اچھا لکھتے ہیں مجھے ان کے ہاں بلا کی Read-ability ملتی ہے۔ جیسا کہ میں نے لکھا کہ ابھی یہ شمارہ پڑھ نہیں سکا ہوں اس لئے مضامین پر کچھ لکھ نہیں سکتا۔ مگر سرسری نظر ڈالنے سے احساس ہوا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے محنت سے لکھا گیا ہے سلیم کوثر کی نعت خوب صورت ہے۔

میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حمد و نعت کے فروغ کی کوششوں میں کامیاب کرے۔